باب نمبر 60

عقل

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ"[1]

''اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (اس سے) زیادہ بہتر اور پائیدار ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"لا بلغ جمیع العابدین فی فضل عبادتھم ما بلغ العاقل"[2]

''تمام عبادت گزاروں کو اپنی عبادت کی وہ فضیلت نہیں مل سکتی جتنی فضیلت خدا عقل مند کو عطا کرتا ہے''۔

مختصر تشریح:

پروردگار: جسے تو نے عقل عطا کیا تو اسے تو نے کیا عطا نہیں کیا اور جسے تو نے عقل نہیں دیا تو اُسے دنیا میں کیا ملا (خواجہ عبداللہ انصاری)، انسانی زندگی کا دارومدار عقل پر ہے اور جو شخص اپنے معاملات میں عقل استعمال نہیں کرتا تو وہ ہمیشہ نقصان اٹھاتا ہے۔

عقل رحمان کا ایک لشکر اور باطنی حجت ہے عقل چاہیے طبعی ہو، باطنی ہو یا تجربی ہو اس کا تعلق جس بھی صنف سے ہو وہ ہمیشہ انسان کی ترقی کا سبب بنتا ہے۔

انبیاء کرام لوگوں کے عقل کو مد نظر رکھ کر اُن سے گفتگو اور اُن کی ہدایت کرتے تھے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ لوگوں کے عقل کے مطابق اُن کا محاسبہ کرے گا، کسی کی اندھی تقلید آخرت میں تباہی کا باعث ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ بنی اسرائیل نے اپنی کم عقلی اور تعصب کی وجہ سے ایک ہی دن میں ستر انبیاء کو شہید کیا تھا۔

---

[1] سورہ القصص آیت نمبر ۶۰۔

[2] جامع السعادات ۱/۱۱۱۔

ا۔کدوکوذبح کرکے کھاؤ۔

جب معاویہ نے امیرالمومنین علیہ السلام کی مخالفت کی تو اس نے چاہا کہ امیرالمومنینؑ سے جنگ کرنے سے پہلے اہل شام کی اطاعت کوآزمایا جائے اوردیکھا جائے کہ وہ کس حد تک اطاعت کرتے ہیں،اس نے عمروعاص سے مشورہ کیا۔

عمروعاص نے کہا:''اچھی بات ہے اگر تم نے یہ دیکھنا ہے کہ وہ علی کے ساتھ لڑ سکتے ہیں یانہیں،اگر یہ لوگ واقعی بے عقل ہیں تو علیؑ سے جنگ کریں گے اور اگر صاحبان عقل ہیں تو یہ علیؑ سے کبھی بھی جنگ نہیں کریں گے،اب ان کے آزمانے کا طریقہ یہ ہے کہ تم اہل شام کوحکم دو کہ وہ آئندہ جب بھی کدو پکانا چاہیں تو پہلے اُسے ذبح کریں،اگر یہ لوگ تیرا کہنا مان جاتے ہیں تو سمجھ لینا یہ لوگ بے عقل ہیں اور علیؑ کے خلاف تیرے مددگار رہوں گے اور اگر انہوں نے تیرا کہنا نہ مانا تو سمجھ لینا کہ یہ لوگ صاحبان عقل ہیں اور علیؑ سے کبھی بھی جنگ نہیں کریں گے''۔معاویہ کوعمروعاص کا یہ مشورہ بہت پسند آیا،معاویہ نے یہ حکم جاری کردیا کہ جو شخص کل سے کدو پکانا چاہے تو اسے چاہیے کہ کدوکو پہلے گوسفند کی طرح سے ذبح کرے بعد میں اسے پکائے۔

شام کے لوگوں نے اس پر کوئی بھی اعتراض نہ کیا اور چند دنوں میں یہ بدعت پورے شام میں پھیل گئی،چند دنوں کے بعد یہ بدعت اہل عراق کے کانوں تک پہنچی اور ایک شخص نے امیرالمومنین علیہ السلام سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:''کدوکھانے کے لئے اسے ذبح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی،محتاط رہو!شیطان تمہارے عقل کو زائل نہ کردے اور شیطانی افکار سے حیرت زدہ اور سرگردان نہ ہوجاؤ''۔[1]

۲۔بزرگی باعقل است نہ باسال:

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطراف مکہ ومدینہ میں دشمنوں کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر تیار کیا اور اُن سے فرمایا کہ رات کوسفر کرنا اور بڑی خاموشی سے مخالف قبیلہ تک پہنچ کر اُن کی سرکوبی کرنا۔

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جوان کو اس سریہ کا سپہ سالار مقرر کیا۔

ایک ظاہر بین شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پراعتراض کیا اور کہا کہ یارسول اللہ!آپ نے ایک کم سن انسان کو ہمارا امیر لشکر بنایا ہے ہم اس کا حکم ماننے پر تیار نہیں ہیں،مہربانی کرکے آپؐ کسی بزرگ انسان کو ہمارا سپہ سالار مقرر کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ظاہر صورت حال کو دیکھنے والا شخص!یہ سچ ہے کہ وہ جوان ہے خدا نے اُسے طاقتور دل اور صحیح عقل عطا کیا ہے،جب کہ تو بوڑھا شخص ہے اور تو کہتا ہے کہ فلاں شخص کی داڑھی سفید ہے اور اُسے امیر لشکر بنایا جائے تو سن!جس شخص کو تو امیر لشکر دیکھنا پسند کرتا ہے اگرچہ اس کی داڑھی سفید ہے لیکن اس کا دل تارکول کی طرح سے سیاہ ہے۔

---

[1] داستانھا و پندھا ۹۲/۱۔کافی ۶/ ۳۷۰۔

میں نے اس جوان کی عقل کو کئی لحاظ سے آزمایا تو میں نے دیکھا کہ یہ کم سن ضرور ہے مگر عقل میں کم سن نہیں، اور عقل کے بغیر دارازی عمر کسی کام کی نہیں ہوتی لہٰذا سرداری کے لئے یہی شخص سب سے زیادہ مناسب ہے۔[1]

۳۔ بے عقلی کا نتیجہ:

حجاج بن یوسف ثقفی تاریخ اسلام کا مشہور خونخوار گزرا ہے اس کی ماں کا نام ''فارعہ'' تھا اس کی شادی حارث بن کلدہ مشہور طبیب سے ہوئی تھی لیکن جب اُس طبیب نے اپنی عورت کو بے وقت مسواک کرتے ہوئے دیکھا تو اسے طلاق دے دی۔

اس عورت کا نکاح یوسف بن عقیل ثقفی سے ہوا، کچھ عرصہ بعد حجاج پیدا ہوا تو اس کی دبر کا سوراخ نہیں تھا طبیبوں نے بڑی مشکل سے وہاں سوراخ پیدا کیا تا کہ وہ پاخانہ کر سکے، پیدا ہونے کے بعد یہ بچہ ماں کا دودھ نہیں پیتا تھا، وہ پریشان ہوئے کہ اس کا کیا علاج کیا جائے ایک شیطان صفت انسان آیا اور اس نے کہا کہ میں تمہیں ایک طریقہ بتاتا ہوں چنانچہ پہلے دن اس نے ایک سیاہ رنگ کی بکری ذبح کروا کر کے اس کا خون اس بچے کے حلق میں ڈلوایا اور وہ آہستہ آہستہ اُس خون کو چوسنے لگا، دوسرے دن اس نے ایک نر بکرا ذبح کروا کے اس کا خون اس بچے کے حلق میں ڈلوایا اور وہ آہستہ آہستہ اس خون کو چوسنے لگا۔

پھر تیسرے دن اس طبیب نے حکم دیا کہ سیاہ سانپ کو مار کر اس کا خون اس کے حلق میں ڈالا جائے اور اس کے چہرے پر ملا جائے، اُن لوگوں نے اس پر عمل کیا اور چوتھے روز اس نے ماں کا دودھ پینا شروع کر دیا۔

اس جاہلانہ فعل کے نتیجہ میں یہ شخص خونخوار بنا اور اس شخص کی خونخواری اس حد تک بڑھی کہ وہ ظالم کہا کرتا تھا کہ مجھے سب سے زیادہ لذت خون بہانے میں ملتی ہے خاص طور پر سادات کا خون بہانے میں مجھے بہت لطف آتا ہے۔

عبدالملک بن مروان نے اسے اپنا سالار لشکر اور گورنر بنایا تھا اور بیس سال تک اموی حکومت میں بطور گورنر رہا، ۹۵ھ کو ۵۴ سال کی عمر میں یہ شخص واصل جہنم ہوا، جب یہ شخص مرا تو اس وقت تک وہ ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو بے جرم وخطا شہید کر چکا تھا اور اس کے بغیر چھت کے زندان کے اندر ایک لاکھ بیس ہزار مرد اور بیس ہزار عورتیں تھیں اور ان میں چار ہزار ایسی عورتیں تھیں جن کے تن پر کوئی لباس نہیں تھا۔

دور حجاج کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس کے عہد ستم میں کمیل ابن زیاد قنبر، یحییٰ بن ام الطویل، سعید ابن جبیر جیسے سینکڑوں بے گناہ افراد اس کے ظلم کا نشانہ بنے اور اس ملعون کے ہاتھوں انہوں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔[2]

---

[1] داستانھا مثنوی ۳/۶۳۔

[2]

۴۔ نجومی اور حضرت علی علیہ السلام:

کچھ لوگ عقل اور فکر سے فارغ ہوتے ہیں خدا پر وہ بھروسہ نہیں رکھتے وہ فال بین اور نجومیوں کے پاس جاتے ہیں، نجومی لوگ بڑی عقلمندی سے لوگوں سے رقم بٹور لیتے ہیں اس کا ایک نمونہ آپ کو اس روایت میں دکھائی دے گا۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام خوارج کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نہروان کی طرف روانہ ہوئے جب آپ شہر مدائن پہنچے تو وہاں پر قیام کیا دوسرے دن آپؑ نے چاہا کہ آگے سفر کریں تو ایک نجومی امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرتؑ میں نے علم نجوم کی روشنی میں یہ جانا ہے کہ یہ ساعت جانے کے لئے ٹھیک نہیں ہے اگر آپ نے اس ساعت میں سفر کیا تو آپؑ کے لشکر کو شکست ہوگی اور آپؑ یہاں پر مزید تین ساعتیں رکیں اس کے بعد سعد ساعت شروع ہوگی تو پھر آپ چلے جانا، امام علی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تیری تصدیق کرتا ہے وہ قرآن مجید کی تکذیب کرتا ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ''اچھا یہ بتاؤ کہ ملک چین کی کوئی خبر ہے تمہارے پاس کہ اب اس کا بادشاہ ایک خاندان سے نکل کر دوسرے خاندان کی طرف جارہا ہے'' اس نجومی نے کہا: ''حضرتؑ مجھے پتہ نہیں ہے۔

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''اچھا یہ بتاؤ کہ وہ کونسا ستارہ ہے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو اونٹوں کے اندر جنسی شہوت بڑھ جاتی ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: ''اچھا وہ کونسا ستارہ ہے جب وہ طلوع ہو تو بلیوں کے اندر جنسی شہوت بڑھ جاتی ہے؟''

اس نے کہا: ''حضور! مجھے یہ بھی معلوم نہیں''۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ میرے گھوڑے کے اگلے سم کے نیچے کیا چیز دفن ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت مجھے یہ بھی نہیں معلوم۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ میرے گھوڑے کے پچھلے سموں کے نیچے کیا چیز دفن ہے؟ کہنے لگا جناب مجھے یہ بھی نہیں معلوم۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک سونے کی اشرفیوں کی تھیلی میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں تلے دفن ہے جب کہ میرے گھوڑوں کے پچھلے پاؤں کے نیچے ایک اژدھا سویا ہوا ہے۔

جب گھوڑے کے سموں کے نیچے کی زمین کھودی گئی تو وہاں وہی چیزیں برآمد ہوئی جو امام علیہ السلام نے بتائی تھیں۔

جیسے ہی نجومی نے یہ دیکھا تو اس کی فریاد بلند ہوئی اور کہا کہ امیر المومنین میری مدد کریں۔

امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کی کتابیں لائیں جائیں اس کی کتابیں لائیں گئیں تو آپ نے حکم دیا کہ اسے

ضائع کردیا جائے اوراس کے بعدامام علیہ السلام نے اُسے حکم دیا کہ اگرتونے دوبارہ اپنےعلم کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو تجھے زندان میں ڈال دیا جائے گا۔

۵۔ بہلول عاقل:

حضرت بہلول (المتوفی ۱۷۰ھ) خلیفہ ہارون الرشید کے چچازاد بھائی تھے وہ بہت ہی عالم وفاصل شخص تھےلیکن انہوں نے ہارون کی طرف سے قضاوت کے عہدے کوقبول نہیں کیا تھااور نہ ہی اس کی خواہش پرامام ہفتمؑ کے قتل کافتوی جاری کیا تھا، ہارون کےعتاب سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنے آپ کودیوانہ بنالیا تھا۔

بظاہروہ دیوانےنظرآتے تھےلیکن اپنے زمانے کے وہ عاقل، فاضل اوردین دارانسان تھے۔

ایک دفعہ اُن کا گزروہاں سے ہواجہاں ابوحنیفہ اپنے طالب علموں کودرس دے رہاتھااوربہلول اس کی باتیں سننے کے لئے وہاں پررک گیاوہ کہہ رہا تھا کہ مجھےجعفرؑابن محمدؑ سےتین باتوں پراختلاف ہےاور مجھےاُن کی تین باتیں پسندنہیں آئیں۔

۱۔ شیطان کودوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے جب کہ شیطان خودآگ کا بنا ہواہے بھلا آگ کوآگ کیسے جلاسکتی ہے؟اس کے بجائے شیطان کوبرف کاعذاب دیا جائے گا۔

۲۔ جعفرصادق علیہ السلام کہتے ہیں کہ خدا کا دیکھنا محال ہے یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جوبھی چیز موجود ہوتی ہے وہ دیکھی جاسکتی ہے۔

۳۔ جعفرصادق علیہ السلام کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں فاعل مختار ہے، حالانکہ خداخالق ہے بندے کے پاس کچھ بھی اختیار نہیں ہوتا۔

جب حضرت بہلول نے ابوحنیفہ کے یہ تین مسائل سنےتوانہوں نے مٹی کاایک ڈھیلا اٹھایااورزور سے اس کے سرپردے ماراجس سے اس کی چیخ بلند ہوئی اوراس کے شاگردوں نے دوڑکربہلول کوپکڑااورخلیفہ کے پاس لے گئے۔

ابوحنیفہ نے خلیفہ سے کہا:''جناب آپ انصاف کریں اس نے مجھے مٹی کا ایک ڈھیلا مارا ہے جس کی وجہ سے مجھے سخت درد ہورہا ہے۔

بہلول نے کہا:''جناب خلیفہ صاحب یہ شخص جھوٹ بول رہاہے اگرسچا ہےتودکھائے کہ درد کہاں ہے؟

ابوحنیفہ نے کہا:''یہ بھی کوئی بات ہے بھلادردبھی کوئی دیکھنے کے لائق ہے''۔

بہلول نے مسکراکرکہا کہ ابھی توتم کہہ رہے تھے کہ جعفرصادقؑ کہتے ہیں کہ خدا کا دیکھنا محال ہے تمہیں اس بات سے اختلاف تھااورکہہ رہے تھے کہ جوبھی چیز موجودہوتی ہے وہ دیکھی جاسکتی ہے، اگردردہےتودکھاؤ۔

پھربہلول نے ابوحنیفہ سے کہا کہ میں نے تجھے کیامارا ہے جوتو اتنا چیخ رہا ہے۔

ابوحنیفہ نے کہا: مجھے تو نے مٹی کا ڈھیلا مارا:

بہلول نے کہا:''بھلا یہ تجھے کیسے تکلیف دے سکتا ہے تو بھی مٹی سے بنا ہے اور یہ بھی مٹی ہے ابھی تم کہہ رہے تھے کہ شیطان آگ سے بنا ہے اور اُسے آگ کیسے جلا سکتی ہے۔

''پھر حضرت بہلول نے کہا:''اچھا یہ بتاؤ اب مجرم کون ہے؟''

ابوحنیفہ نے کہا:''تو نے مجھے ڈھیلا مارا ہے اور تو ہی مجرم ہے، حضرت بہلول نے کہا: ابھی تو تم نے کہا ہے کہ ہر کام خدا کی طرف سے ہوتا ہے اس میں انسان کا کچھ بھی اختیار نہیں ہے لہذا یہ ڈھیلا بھی تجھے خدا کی طرف سے لگا ہے۔

جب ابوحنیفہ کو اس کے اشکالات کے جواب ملے تو اس نے اپنی شکایت واپس لے لی۔

باب نمبر 61

علم

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

"وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ"[۱]

''اور آپ کو اُن باتوں کی تعلیم دی جنھیں آپ نہیں جانتے تھے''۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لا یحب العلم الا السعید"[۲]

سعادت مند شخص کے علاوہ کوئی اور شخص علم سے محبت نہیں کرے گا۔

مختصر تشریح:

خدا کو پہچاننے اور اس کی شریعت جاننے کے لئے علم بے حد ضروری ہے، علم دنیا میں زینت ہے اور رضا الٰہی تک پہنچنے میں مددگار و معاون ہے، صاحب علم شخص کو یہ جان لینا چاہیے کہ علم کی کچھ باتیں انسان ایک ساعت میں حاصل کر لیتا ہے لیکن پوری زندگی اُن پر عمل کرنا بے حد ضروری ہوجاتا ہے۔

لہٰذا صرف علم حاصل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس پر عمل کرنا بہت اہم ہے کیونکہ عالم بے عمل کے متعلق خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں عالم بے عمل کو ستر سزائیں دوں گا، اس میں کم ترین سزا یہ ہے کہ میں اس کے دل سے اپنے ذکر کی مٹھاس ختم کر دوں گا۔(تذکرۃ الحائق)

علم سے مراد، صرف ونحو کی اصلاحات کو یاد کرنا نہیں بلکہ علم سے مراد یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے، معرفت ویقین حاصل کرے ایسے علم کی کوئی ضرورت نہیں جس کا کوئی فائدہ نہ ہو، یا جس کے حاصل کرنے کے پیچھے بری نیت کارفرما ہو، مثلاً کوئی شخص اس لئے علم حاصل کرتا ہے کہ وہ اہل علم کے سامنے فخر ومباہات کر سکے تو ایسے علم کا بھی کوئی فائدہ نہیں یا اگر کوئی شخص اس لئے علم حاصل

---

[۱] سورۃ النساء آیت ۱۱۳۔

[۲] جامع السعادات ۱/۱۰۴۔

کرتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے مال ودولت حاصل کرے گا تو ایسے علم کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۔حاج شیخ عباس قمی:

مرحوم حاج شیخ عباس قمی صاحب کتاب مفاتیح الجنان فرماتے ہیں کہ جب میں نے کتاب ''منازل الاخرہ'' تالیف کی اور شائع ہوئی تو وہ کتاب شیخ عبدالرزاق مسالہ گو کے ہاتھ پہنچی، شیخ عبدالرزاق کا یہ دستور تھا کہ وہ نماز ظہر سے قبل صحن معصومہ قم میں کھڑے ہوکر لوگوں کو مسائل دینی سے آگاہ کرتے تھے۔

شیخ عباس قمی بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کربلائی محمد رضا، شیخ عبدالرزاق کے عقیدت مند تھے وہ اُن کی خدمت میں روزانہ حاضر ہوتے تھے اور شیخ عبدالرزاق روزانہ میری کتاب ''منازل آلاخرہ'' کھول کر اُن میں سے مسائل اُن کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔

ایک روز میرے والد محترم گھر آئے اور مجھ سے فرمایا: ''کاش! عباس تو بھی اس مسالہ گو کی طرح ہوتا اور جو آج اُس نے ہمیں کتاب پڑھ کر سنائی ہے تو بھی ہمیں وہ کتاب پڑھ کر سنا سکتا''۔

شیخ عباس قمی کہتے ہیں کہ کئی بار میرے دل نے ارادہ کیا کہ میں اپنے والد محترام کو بتادوں کہ یہ کتاب تو میری اپنی تالیف کردہ ہے لیکن میں نے یہ مناسب نہ سمجھا، صرف عرض کیا کہ ابوجان آپ دعا کریں کہ اللہ مجھے توفیق عنایت کرے۔[۱]

۲۔ معلم جبرئیلؑ:

ایک دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے مصروف گفتگو تھے کہ اتنے میں وہاں پر حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے، جب جبرائیل علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا تو اُن کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جبرائیل! تو اس جوان کی تعظیم کیوں کررہا ہے؟'' جبرائیل امینؑ نے عرض کی: ''یارسول اللہ! میں اس جوان کی تعظیم کیوں نہ کروں جب کہ اُن کا مجھ پر حق ہے انہوں نے مجھے تعلیم دی''۔

آپؐ نے فرمایا: ''اس نے تجھے کیا تعلیم دی؟

جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مجھے خلق کیا تو اس کے بعد خدائے لم یزل نے مجھ سے پوچھا کہ بتا میں کون ہوں؟ اور تو کون ہے؟ میں جواب میں بہت پریشان ہوگیا اور اس وقت یہ جوان عالم نور میں میرے پاس آیا اور مجھے تعلیم دی کہ تو جواب میں یہ کہہ کہ تو پروردگار عالم ہے تو جلیل وجمیل ہے اور میں تیرا عبد ذلیل ہوں اور میرا نام جبرائیل ہے، میں نے اس جوان

---

[۱] سیمای فرزانگان، ص ۱۵۳۔ مرد تقوا و فضیلت، ص ۴۸۔

سے یہ سبق سیکھا اور خداوند تعالیٰ کو یہی جواب دیا''۔

اس لئے جب بھی میں اس جوان کو دیکھتا ہوں تو ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوتا ہوں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جبرائیل تمہاری عمر اس وقت کتنی ہے؟ جبرائیل امین نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! آسمان پر ایک ستارہ تیس ہزار سال کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میں اس ستارہ کو تیس ہزار دفعہ دیکھ چکا ہوں''[1]

۳۔ عالم باعمل:

مقدس اردبیلیؒ کا شمار ملت جعفریہ کے اُن علماء میں ہوتا ہے جن پر پوری ملت فخر کرتی ہے آپ ہمیشہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور سیرت امیر المومنین پر عمل کرتے ہوئے پیوند زدہ لباس پہنتے تھے، نجف اشرف میں ایک زائر نے انہیں اپنا میلا لباس اتار کر دیا اور کہا کہ آپ میرے لباس کو جلدی سے دھودیں، مقدس اردبیلیؒ نے زائر کے لباس کو دھونا شروع کیا اسی دوران کسی نے زائر کو بتایا کہ تو نے جنہیں لباس دھونے کو دیا یہ اس وقت کے محدث اعظم اور فقیہ اکبر مقدس اردبیلیؒ ہیں۔

زائر پریشان ہو کر اُن کے پاس آیا اور معذرت کی کہ مجھ سے گستاخی سرزد ہوگئی ہے آپ معاف کردیں۔

مقدس اردبیلی نے کہا بھائی کوئی بات نہیں مومنین کے حقوق ایک دوسرے پر لباس دھونے سے زیادہ ہیں، اس میں تمہیں شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔[2]

۴۔ علم بے تزکیہ کے نقصانات:

قاضی علی بن محمد الماوردی کا تعلق بصرہ سے تھا اور وہ فقہ شافعی کے استاد تھے، وہ شیخ طوسیؒ کے معاصر تھے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے فقہ کی تمام کتابیں پڑھیں، اور فقہ کے تمام جزئیات وفروعات کو بڑے غور سے پڑھا، یہاں تک کہ میرے ذہن میں یہ بات سما گئی کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ فقہ کا علم رکھتا ہوں اس کی وجہ سے میرے اندر خود پسندی نے جنم لیا۔

ایک دن دو عرب بادیہ نشین میری مجلس میں آئے اور انہوں نے ایک مسئلے کے متعلق مجھ سے سوال کیا، اس سے چار فرعیں برآمد ہوتی تھیں، لیکن خدا کی قدرت کہ میں کسی بھی شق کا جواب نہ دے سکا، میں کافی دیر تک غور وفکر کرتا رہا پھر میں نے اپنے ذہن میں کہا بندہ خدا تو تو آپنے آپ کو بڑا عالم وفاضل سمجھتا تھا اور فقہ میں سب سے بڑا مرجع اعظم بنتا تھا اب تجھے کیا ہوگیا، اب تو تو ان بادیہ نشینوں کے سوالوں کا جواب دینے سے بھی قاصر ہے۔

پھر میں نے اُن لوگوں سے کہا کہ میں اس مسئلے کو نہیں جانتا، انہوں نے کہا کوئی بات نہیں اب تم مزید محنت کرو تا کہ تجھے ان

[1] تحفۃ المجالس، ص ۸۰۔
[2] منتخب التواریخ، ص ۱۸۱۔

مسائل کا جواب مل سکے، وہ میرے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے راستے میں انہیں میرا ایک شاگرد دکھائی دیا، انہوں نے میرے اس شاگرد سے وہی مسائل دریافت کئے تو اس نے تمام مسائل کے جواب دیئے وہ خوش ہوکر اس کی تعریف کرتے ہوئے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

ماوردی بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مجھے تنبیہ ہوگئی کہ خود پسندی اور علم پر غرور نہیں کرنا چاہیے اور میں نے عہد کیا کہ آئندہ کبھی بھی میں فخر ومباہات سے کام نہیں لوں گا۔[1]

۵۔ اصمعی اور دکاندار:

اصمعی ادبیات عرب کے بلند پایہ عالم گزرے ہیں وہ اپنی داستان سنایا کرتے تھے کہ میں زمانہ طالب علمی میں بہت قلاش اور مفلس تھا میں روزانہ جب پڑھنے کے لئے جاتا تو راستے میں ایک سبزی فروش کی دکان پڑتی تھی، جس کا مالک ایک بے حیا شخص تھا وہ مجھے کتابیں بغل میں اٹھائے دیکھتا تو کہتا کہ احمق! اس فضول تعلیم کو چھوڑ کر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرلے تاکہ تجھے دووقت کی روٹی نصیب ہو سکے، ایک دن تو اس نے بدتمیزی کی حد کردی مجھے کتابیں اٹھائے دیکھ کر اس نے کہا: بیوقوف آدمی! یہ کاغذ اور کتابیں کسی گڑھے میں ڈال کر پانی لگادے تاکہ یہ سرسبز ہوجائیں۔

میں روزانہ اس کی کڑوی کسیلی باتیں سنتا اور خاموشی سے حصول تعلیم میں لگا رہا، آخر کار میں حصول علم میں کامیاب ہوگیا مگر اس کے باوجود میرے پاس پہننے کے لئے ڈھنگ کے کپڑے تک نہ تھے۔

ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ امیر بصرہ کے قاصد نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھے امیر بصرہ کا پیغام دیا کہ آپ ہمارے پاس آئیں اور ہم آپ کو خلیفہ ہارون کے بیٹوں امین اور مامون کا اتالیق بنا کر بغداد بھیجیں گے۔

میں نے قاصد سے کہا کہ میرے پاس تو ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں اور میں اس لباس کے ساتھ امیر کے پاس جانے سے قاصر ہوں۔

کچھ دیر بعد قاصد میرے لئے قیمتی لباس لایا اور اس کے ساتھ ایک ہزار مثقال سونا بھی میرے لئے لایا، میں نے نئے کپڑے پہن کر امیر بصرہ کے پاس گیا اس نے کہا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ان کے فرزندوں امین اور مامون کی تعلیم کے لئے بغداد روانہ کروں۔

میں بغداد گیا، جب امین اور مامون نے تعلیم کی ابتداء کی تو خلیفہ کی طرف سے سونے کے سکوں کے کئی طبق لٹائے گئے، اس دن میں نے اتنا سونا جمع کیا جس کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا اس کے علاوہ ہر ماہ مجھے دس ہزار تنخواہ بھی دی جاتی تھی۔

ایک عرصے کے بعد ہارون نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ منبر پر بیٹھ کر تقریر کریں، میں نے ہارون کو بتایا تھا کہ میں نے اس

---

[1] سفینۃ البحار ۲/ ۱۶۲۔

کے دونوں بیٹوں کوفن تقریر میں طاق کر دیا ہے، جمعہ کا دن تھا میں نے حاضرین سے خطاب کیا تو حاضرین نے بے تحاشا دولت لٹائی، ہارون نے بھی مجھے بہت سا انعام دیا۔

اس دن ہارون نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں تم نے میرے بچوں کو تعلیم دی ہے کوئی خواہش ہوتو بیان کرو۔

میں نے کہا کہ آپ نے مجھے اتنا کچھ عطا کیا ہے جس کے بعد کچھ مانگنے کی حسرت ہی نہیں رہی، میں چند دنوں کے لئے اپنے شہر بصرہ جانا چاہتا ہوں، ہارون نے مجھے جانے کی اجازت دی اور میری روانگی سے قبل والی بصرہ کو خط لکھا کہ وہ اعیان سلطنت کو لیکر میرا پرتپاک استقبال کرے اور ہر ہفتہ میں دو دن میرے مکان پر حاضری دے۔

چنانچہ میں جیسے ہی بصرہ پہنچا تو والی بصرہ نے میرا شایان شان استقبال کیا۔

شہر کے لوگ جوق در جوق میری ملاقات کو آئے اور اُن میں وہ سبزی فروش بھی شامل تھا جو مجھے روزانہ طعنے دیا کرتا تھا، اس نے مجھے مبارک باد دی تو میں نے کہا: ''تم نے دیکھا کہ کاغذ وقلم کس طرح سے سرسبز ہوتے ہیں اور ان پر کیسا ثمر آیا ہے۔

سبزی فروش بہت ہی شرمندہ ہوا اور مجھ سے معافی مانگی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔[1]

---

[1] جوامع الحکایات ص، ۱۹۵۔

باب نمبر 62

عمل

قرآن مجید میں ارشاد خداندی ہے:

"مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا"[1]

جونیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے ہی کرتا ہے اور جو برا کام کرتا ہے خود اپنے ہی خلاف کرتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"کونوا دعاۃ الناس باعمالکم ولا تکونوا دعاۃ بالسنتکم"[2]

''اپنے اعمال کے ساتھ لوگوں کو دعوت حق دو صرف زبان کے ساتھ لوگوں کو دعوت نہ دو''

مختصر تشریح:

قدیم زمانے سے یہ ضرب المثل چلی آ رہی ہے کہ ''بازار عمل کساد است'' یعنی عمل کا بازار ہمیشہ کساد بازاری کا شکار رہتا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ افراد جن کو شریعت طاہرہ کا علم بھی ہے تو وہ بھی اس پر پورا پورا عمل نہیں کرتے اگر کوئی عمل بھی کرتا ہے تو ناقص انداز میں کرتا ہے، یا ظاہری صورتحال پر اکتفا کر لیتا ہے۔

ہمارے تمام اعمال نامہ اعمال میں لکھے اور محفوظ کئے جا رہے ہیں موت کے بعد صرف اعمال ہی انسان کے ساتھ ہوں گے۔

اگر عمل صرف اور صرف خدا کے لئے ہو اور انسان اس کے تمام اطراف کی حفاظت کرے تو اس کا صلہ اللہ تعالیٰ ضرور دے گا، شرط یہ ہے کہ انسان کسی کو دکھ نہ دے، کسی کے حقوق کو زائل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی کفایت کرے گا اور اس سے محبت کرے گا اور اسے انسان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ملائکہ مقربین میں فخر ومباہات کرے گا۔

ا۔ جائز کام:

حسن بن حسین انباری بیان کرتے ہیں کہ میں مسلسل چودہ سال تک امام رضا علیہ السلام کو خط لکھتا رہا ہوں کہ آپ مجھے

---

[1] سورہ فصلت، آیت ۴۶ یا اسے سورہ حٰم سجدہ بھی کہا جاتا ہے۔

[2] سفینۃ البحار ۲۔۲۷۸۔

اجازت دیں کہ میں حکومت کے کسی اچھے عہدے پر فائز ہوسکوں۔

امام علیہ السلام نے مجھے کوئی بھی جواب نہیں دیا، اور پھر میں نے امام علیہ السلام کو خط لکھا کہ میں اب حکومت سے خوفزدہ ہوں حکومت کے افراد کہہ رہے ہیں کہ تو شیعہ ہے اس لئے تو حکومت کی ملازمت اختیار نہیں کرنا چاہتا۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں خط لکھا اور کہا کہ میں نے تیرے خط کا مفہوم سمجھ لیا ہے اگر تم حکومت کے کسی ادارے کے مدیر بن جاؤ اور خدا اور رسولؐ کے فرمان کے مطابق عمل کرسکو تمہارے جتنے بھی ماتحت ہیں وہ بھی تمہارے ساتھ مکمل تعاون کریں تو اس صورت میں حکومت کی ملازمت کرنے میں کوئی عیب نہیں، اور اس بات کا ہمیشہ خیال کرنا کہ جب تم حکومت کے کسی بھی عہدے پر فائز ہوجاؤ تو غریب مومنین سے مہربانی کرتے رہنا اور عفو ودرگزر کو اپنا پیشہ قرار دینا۔

دیکھو اگر تم ان باتوں پر عمل نہ کرسکو اور تمہارے ماتحت بھی نیک کاموں میں تیری مدد نہ کرسکیں تو تمہارا یہ حق نہیں ہے کہ تم کسی بڑے عہدے پر فائز ہوجاؤ۔[1]

۲۔اہل عمل اور بہشت:

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''ایک دن میرے والد محترم کے پاس اُن کے بہت سے اصحاب جمع تھے میں بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا'' میرے والد نے اپنے دوستوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ کیا تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو جلتا ہوا انگارہ اپنے ہاتھ پر اس وقت تک رکھے جب تک وہ انگارہ بجھ نہ جائے، میرے والد ماجد کے تمام اصحاب چپ رہے۔سر جھکا لئے کسی نے کوئی جواب نہ دیا، تو میں نے عرض کیا:

بابا جان! آپؑ مجھے اجازت دیں میں یہ کام کرتا ہوں میرے والد نے مجھ سے کہا کہ نہ پیارے بیٹے تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں، میری گفتگو ان لوگوں سے ہے۔

پھر آپ نے تین مرتبہ اپنے الفاظ کو دہرایا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

آپؑ نے فرمایا کہ باتیں کرنے والے بہت ہیں اور عمل کرنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں، حالانکہ یہ کام بہت مشکل نہیں ہے۔

میں اُن لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں جو عمل کے غازی ہیں اور اُن کو بھی جانتا ہوں جو گفتار کے غازی ہیں میں صرف تم لوگوں کا امتحان لینا چاہتا تھا۔

امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں جب میرے والد ماجد نے یہ باتیں کیں تو سب نے شرمندگی کی وجہ سے سر جھکا لئے ایسے لگتا تھا کہ جیسے زمین اُن لوگوں کو نگل رہی ہے، بعض لوگوں کے جسموں سے شرمندگی کا پسینہ جاری ہوا، اور تمام لوگوں کی نگاہیں

---

[1] با مردم اینگونہ برخورد کنیم، ص ۶۵۔

شرمندگی کی وجہ سے زمین پر ٹکی ہوئیں تھیں، جب والد ماجد نے اُن کی شرمندگی کا مشاہدہ کیا تو فرمایا کہ خدا تمہیں معاف کرے میں تجھے زیادہ زحمت دینا ہی نہیں چاہتا تھا یہ بتانا مقصود تھا کہ بہشت کے بہت سے درجات ہیں اور بہشت کے اعلی درجہ میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو اہل عمل ہوں گے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے دیکھا کہ میرے والد کے اصحاب جیسے بہت زیادہ بوجھ سے آزاد ہوئے ہوں اور یوں لگتا تھا کہ جیسے اُن کے پہلے ہاتھ باندھے ہوئے تھے اور اب اچانک اُن کے ہاتھ آزاد ہوئے ہوں۔[۱]

۳۔ محنت کش انسان:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک طاقتور نوجوان صبح سے کام میں جتا ہوا تھا، وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ اگر یہ جوان اس پوری قوت کے ساتھ اللہ کی راہ میں کام کرتا تو تعریف کے قابل تھا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ باتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، چند حالوں سے اس کا یہ عمل خالی نہیں ہے، یا تو یہ اس لئے اتنی زیادہ محنت کر رہا ہے چاہتا ہے کہ اپنی زندگی اچھی طرح سے بسر کرے دوسروں کا محتاج نہ ہونا پڑے تو اگر اس کی نیت یہی ہے تو خدا کی رضا کے لئے قدم بھر رہا ہے اگر یہ شخص اس لئے محنت کر رہا ہے کہ اس سے بوڑھے والدین اور چھوٹے بچوں کی مدد کرے اور اُن کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے باز رکھے تو بھی اس کا یہ عمل خدا کی راہ میں عمل کرنے کے مترادف ہے، ہاں اگر یہ عمل اس لئے کر رہا ہے کہ غریب لوگوں پر افتخار کرے اور اپنی دولت میں اضافہ کرے تو یہ شخص شیطان کے راستے پر چل رہا ہے اور راہ راست سے روگردانی اختیار کر چکا ہے۔[۲]

۴۔ حضور اکرمؐ کا عمل جسے دیکھ کر یہودی مسلمان ہو گیا۔

ایک یہودی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ دینار قرض لینا تھا، اس نے آپؐ سے اپنے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور آپؐ نے فرمایا ابھی میرے پاس رقم نہیں آئی جب میرے پاس کہیں سے رقم آئے گی تو میں جلد ہی تمہارا قرض ادا کردوں گا، یہودی نے کہا: ''جناب! میں آپؐ کو پکڑ کر اپنے پاس بیٹھا لیتا ہوں جب تک آپؐ میرا قرض ادا نہیں کریں گے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے پاس بیٹھ جاتا ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا'' چنانچہ رسول پاکؐ اس یہودی کے پاس بیٹھ گئے یہاں تک آپؐ نے نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نماز صبح اس کے پاس پڑھی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[۱] داستانھا و پندھا ۲/۱۴، کشکول بحرانی ۲/۹۳۔
[۲] دنیای جوان، ص ۶/ ۳، محجۃ البیضائ ۳/ ۱۴۰۔

کے صحابی بڑے متفکر ہوئے اور وہاں آ کر انہوں نے یہودی کو ڈرایا دھمکایا لیکن پیغمبر اکرمؐ نے اُن سے فرمایا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ''مولا! ایک یہودی کی یہ جرات کہ وہ آپ کو پکڑ کر بٹھالے''۔

آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے مبعوث بہ نبوت نہیں کیا کہ میں جن افراد سے معاہدہ کر چکا ہوں اُن پر ستم کروں اور جن لوگوں سے معاہدہ نہ کیا ہو اُن پر ظلم کروں۔

میں کسی پر ظلم وستم کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا دوسرے دن جب سورج طلوع ہوا تو یہودی آپؐ کے ساتھ بیٹھا رہا پھر کچھ دیر بعد یہودی نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

پھر اس نے کہا؛ میں نے اتنی دیر تک آپؐ کو اس لئے نہیں روکا کہ میں آپ پر جسارت کرنا چاہتا تھا، بلکہ میں نے اتنی دیر اس لئے روکے رکھا کہ میں آپؐ کی ان صفات کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا جو کہ تورات میں مذکور ہوئی ہیں۔

ہم نے تورات میں پڑھا ہے محمدؐ بن عبداللہ اللہ کا آخری نبی ہوگا وہ مکہ میں پیدا ہوگا اور مدینہ ہجرت کرے گا، درشت خو اور بداخلاق نہ ہوگا، بلند آواز سے گفتگو نہ کرے گا، ناسزا باتیں کرنے والا نہ ہوگا، اور وہ بدزبان نہ ہوگا، بلند آواز سے گفتگو نہیں کرے گا، اتنی دیر تک آپؐ کو روک کر آپؐ کے کردار کا مشاہدہ کرتا رہا چنانچہ اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تورات میں جس نبی کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور وہ نبی آپؐ ہی ہیں۔

پھر یہودی نے کہا: میں اپنا تمام مال آپؐ کے حوالے کرتا ہوں، آپ جیسا مناسب سمجھیں اس میں تصرف کریں۔[1]

۵۔ معاویہ کا کردار اور ابوالاسود دوئلی:

معاویہ مشہور افراد کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے مختلف حربے استعمال کرتا تھا وہ اکثر لوگوں کو قیمتی تحائف، دولت اور شہد وغیرہ بطور رشوت بھیجا کرتا تھا وہ غریب افراد جنہوں نے زندگی میں کبھی اچھی طرح سے دہی بھی نہیں کھایا تھا تو اچانک معاویہ اُن کے پاس شہد کی مشکیں اُن کے گھر بھیج دیا کرتا تھا جن میں اکثر لوگ معاویہ کے طرف دار ہوجاتے تھے۔

ایک مرتبہ معاویہ بن ابی سفیان نے ابولاسود دوئلی کو ہدیہ بھیجا جس میں کچھ زعفرانی حلوہ بھی شامل تھا۔

اس نے ہدیہ اس لئے بھیجا تھا کہ ابوالاسود کے دل سے مولائے متقیان کی محبت خارج ہو اور وہ اس سے محبت کرنے لگ جائے، ابوالاسود کی ایک بیٹی تھی جس کی عمر پانچ یا چھ برس تھی بچی نے حلوہ دیکھا تو اس میں سے ایک لقمہ کے برابر اٹھا کر منہ میں ڈالا، ابوالاسود نے بیٹی کو آواز دے کر کہا؛ ''پیاری بیٹی! اسے مت کھاؤ یہ زہر ہے معاویہ چاہتا ہے کہ اس حلوے کے ذریعے سے ہمیں امیر المومنین علیہ السلام کی محبت سے بے گانہ کردے۔

یہ سنتے ہی بچی نے کہا: ''اللہ اس کی شکل کو بگاڑے وہ زعفرانی حلوہ کی مدد سے ہمیں اپنے طاہر ومطہر سردار سے دور کرنا چاہتا

[1] داستانھائی اززندگی پیامبرؐ ۸۲، بحارالانوار ۶/۱۲۶۔

ہے،اس کے بھیجنے والے پر بھی ہلاکت ہواوراس کے کھانے والے پر بھی ہلاکت ہو۔"

پھر بچی نے اپنے منہ میں انگلی مار کر تے کی اور حلوہ کی بچی کچھی مقدار کو اپنے پیٹ سے نکال باہر کیا، اور پھر یہ شعر پڑھے:

ابا لشهد الز عفر يا بن هند
نبيع عليك احسابا و دينا
معاذ الله كيف يكون هذا
ومولانا امير المومنينا

(اے فرزند ہند! کیا زعفرانی شہد کے بدلے میں اپنا حسب اور دین فروخت کر دیں گے؟ خدا کی پناہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہمارے آقا ومولا امیرالمومنینؑ ہوں)

ابوالاسود نے معاویہ کا خط ایک ہاتھ میں لیا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر حضرت علیؑ کی خدمت میں لے آیا، اوراس نے تمام واقعہ حضرت علیؑ کے گوش گزار کیا اوراس کے ساتھ اپنی بچی کے وہ اشعار بھی بیان کئے، حضرت نے وہ اشعار سنے تو بہت خوش ہوئے اور آپؑ نے اس کی بچی کے حق میں خصوصی دعا فرمائی۔[1]

---

[1] خزینۃ الجواہر،ص۵۳۶۔

باب نمبر 63

غذا

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا"[۱]

''اوراپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"ان الاطعام من موجبات الجنة والمغفرة"[۲]

''لوگوں کو کھانا کھلانا جنت اور مغفرت کا سبب ہے''۔

مختصر تشریح:

کم کھانا ظاہری اور باطنی اصلاح کا سبب ہوتا ہے غذا کھانا بدن کی ضروریات کے لئے ضروری ہے تا کہ جسم کے اندر اتنی قوت موجود ہو کہ اس سے انسان اپنی زندگی کے معمولات اور عبادت خداوندی صحیح طریقے سے سرانجام دے سکے۔

لیکن زیادہ کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ زیادہ کھانے سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے اور جنسی خواہشات زیادہ برانگیختہ ہوتی ہیں اور جسم میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

سب سے پہلے تو ہمیں غذا کے متعلق حلال وحرام کی پہچان کرنی چاہیے جتنے بھی انبیاء آئے وہ ہمیشہ ناپاک، حرام اور شبہ کی غذا سے پرہیز کرتے تھے جتنے بھی انبیاء مبعوث بہ نبوت ہوئے تو اُن سب نے رزق حلال حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اسی لئے یہ ہمارے اوپر لازم ہے کہ جب بھی ہم کھانا کھائیں تو یہ دیکھیں کہ غذا ہمارے پاس شریعت اور حلال طریقے سے پہنچی ہے یا نہیں۔

۱۔ ایک لقمے کے بدلہ دین فروخت کرنے والا:

فضل بن ربیع کہتا ہے کہ ایک دن شریک بن عبداللہ بن سنان نخعی خلیفہ مہدی عباسی کے پاس آیا، خلیفہ نے کہا: ''شریک!

[۱] سورہ الاھر آیت نمبر ۸۔

[۲] سفینۃ البحار ۲/۸۳

''تجھے ان تین کاموں میں سے ایک ضرور کرنا ہوگا:

(۱)۔تو منصب قضاوت قبول کرو، (۲)۔ یا تو میری اولاد کو تعلیم دو، (۳) یا میرے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر ایک مرتبہ کھانا کھاؤ۔

شریک نے کہا:''خلیفہ سچی بات یہ ہے کہ یہ دونوں کام میرے لئے مشکل ہیں مگر تیسرا کام پہلے دو کاموں کی بہ نسبت کچھ آسان نظر آتا ہے''

مہدی نے باورچی کو بلا کر حکم دیا کہ ہمارے لئے آج کے کھانے میں مغز استخوان اور سفید شکر تیار کرو اور وہاں خیال رکھنا کہ کھانا بہت لذیذ ہونا چاہیے۔

دسترخوان بچھایا گیا، شریک دسترخوان پر بیٹھا اور خلیفہ کے ساتھ بیٹھ کر خوب اچھی طرح سے ڈٹ کر کھایا، باورچی خانے کا نگران اس سارے منظر کو دیکھتا رہا اور اس نے مہدی عباسی کے کان میں آہستہ سے کہا:''یس یفلح الشیخ بعد ھذہ الا کلة ابدا '' آپ کو مبارک ہو یہ کھانا کھانے کے بعد شریک کبھی اپنی گلوخلاصی نہیں کرے گا، فضل بن ربیع کہتا ہے کہ خدا کی قسم اس دن کے طعام کھانے کے بعد وہی شریک بن عبداللہ بن سنان، بنی عباس کا حاشیہ نشین بنا اور اس نے منصب قضاوت بھی حاصل کیا اور ان کی اولاد کا معلم بھی بنا۔

ایک دن خلیفہ نے شریک بن عبداللہ کے لئے انعام کی ایک چٹ لکھ کر دی، شریک خلیفہ کی چٹ لے کر بیت المال کے خازن کے پاس گیا اور اس سے کہا:''جلدی سے مجھے میری رقم دو''۔

خازن نے کہا:'' آپ اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ آپ نے کوئی گندم فروخت کی ہے یا آپ نے کوئی کپاس فروخت کی ہے؟

شریک بن عبداللہ نے کہا:''بندہ خدا میں نے اس سے قیمتی چیز فروخت کی ہے میں نے اپنا دین وایمان فروخت کیا ہے''۔[1]

۲۔ غذائے مرگ:

عباسی خلیفہ واثق باللہ عورتوں کا بڑا رسیا تھا، اس نے شاہی طبیب سے کہا کہ میرے لئے ایسی دوا تیار کریں جو قوت باہ میں اضافہ کردے، طبیب نے کہا حقوق زوجیت سے انسان کا بدن تباہ ہوجاتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ آپ بھی برباد ہوجائیں۔

واثق کا اصرار جاری رہا تو طبیب نے کہا کہ درندوں کا گوشت لے کر شراب کے سرکہ میں سات مرتبہ آگ پر پکایا جائے اور پھر چنے کے برابر گولیاں بنالیں اور ہفتہ میں ایک گولی استعمال کریں، واثق نے دوا تیار کرائی اور بیان کردہ مقدار سے زیادہ استعمال کی جس کی وجہ سے واثق مرض استسقا میں مبتلا ہوگیا، اور ہر وقت پانی پانی کیا کرتا تھا اور کسی طرح بھی اس کی پیاس بجھنے میں نہیں آتی تھی۔

---

[1] پند تاریخ ۴/۸۶، مروج الذھب ۳/ ۳۲۰۔

اطباء نے اتفاق کیا کہ اس کا بس ایک ہی علاج ہے کہ اس کا شکم چیرا جائے، پھر اسے ایسے تنور میں بٹھایا جائے جو کہ روغن زیتون سے سرخ ہو، اور تین گھنٹے تک اسے پانی کا ایک بھی قطرہ نہ دیا جائے آخرکار اس کا پیٹ چاک کیا گیا، اور روغن زیتون سے گرم شدہ دیک تنور میں اسے بٹھایا گیا، اس دوران وہ مسلسل پانی مانگتا رہا کچھ دیر بعد اس کے بدن پر آبلے نمودار ہوئے اور کچھ آبلے تو خربوزے جتنے تھے۔

اس کو تنور سے نکالا گیا تو وہ چیخنے لگا کہ مجھے دوبارہ تنور میں بٹھاؤ آخر اسے دوبارہ تنور میں بٹھایا گیا آبلے پھٹ گئے اور اُن سے پانی بہنے لگا جب واثق کو تنور سے نکالا گیا تو اس کا بدن سیاہ ہو چکا تھا اور چند لمحات بعد مر گیا۔

جب واثق مرا تو اس پر سفید چادر ڈال دی گئی اور لوگ متوکل کی بیعت میں مصروف ہو گئے کسی نے اس کی جنازے کی طرف توجہ نہ دی قریبی باغ سے چوہے آئے اور اس کی آنکھیں نکال کر کھا گئے۔[۱]

۳۔ زیادہ کھانے والا اور کم کھانے والا:

بیان کیا جاتا ہے کہ خراسان کے دو درویش انسان آپس میں ہم سفر ہو کر کسی سفر پر روانہ ہوئے اُن میں سے ایک کمزور تھا اور وہ دو راتوں کے بعد ایک دفعہ کھانا کھاتا، جب کہ دوسرا بہت قوی انسان تھا اور وہ ایک دن میں تین مرتبہ کھانا کھاتا تھا۔

اتفاق سے وہ جیسے ہی کسی ایک شہر کے پاس پہنچے تو اہل شہر نے اسے دشمن کا جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا اور اُن کو قید کر کے زندان میں ڈال دیا اور اس قید خانے کے دروازے کو مٹی اور اینٹوں سے بند کر دیا۔

دو ہفتوں کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ہم نے تو انہیں بے گناہ قید کر رکھا ہے، جب دروازہ کھولا گیا تو لوگوں نے قوی انسان کو مردہ حالت میں پایا اور جب کہ کمزور شخص زندہ وسلامت تھا اس پر لوگوں کو کافی پریشانی ہوئی کہ طاقتور شخص کیسے مر گیا اور یہ کمزور ابھی تک زندہ ہے۔

وہاں پر ایک عقل مند طبیب موجود تھا اس نے لوگوں سے کہا کہ اگر یہ کمزور انسان مر جاتا تو مجھے تعجب ہوتا، طاقتور آدمی کے مرنے پر مجھے کوئی تعجب نہیں وہ اس لئے کہ وہ زیادہ کھانا کھاتا تھا، اتنے دنوں تک جب اُسے کھانا نہ ملا تو بے غذائی کی وجہ سے وہ مر گیا، جب کہ یہ کمزور شخص بہت کم کھانا کھانے کا عادی تھا اور یہ اپنی عادت کی وجہ سے صبر کر گیا اور اس لئے یہ زندہ رہا۔[۲]

۴۔ غذا دوستی کا سبب:

عبدالرحمان بن حجاج بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا

[۱] تتمۃ المنتھی، ص ۲۳۱۔
[۲] حکایتھای گلستان ۱۵۴۔

تناول فرمارہے تھے کہ پھر ہمارے لئے وہاں تھوڑے سے چاول لائے گئے ہم نے معذرت کی کہ اب ہمیں کھانے کی طلب ہی نہیں ہے، امام علیہ السلام نے فرمایا: ''جو ہم سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا وہ ہمارے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کرزیادہ سے زیادہ کھانا کھائے گا۔

عبدالرحمان کا بیان ہے کہ میں آگے بڑھا اور دسترخوان پر بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ کھانا کھایا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''آج اچھا ہوا''

پھر اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''سنو! ایک دفعہ کچھ چاول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بطور ہدیہ لائے گئے تھے پیغمبر اکرم نے حضرت سلیمانؓ، مقدادؓ اور ابوذرؓ کو صدا دی تا کہ وہ بھی اس غذا میں شامل ہو جائیں، لیکن اُن سب نے معذرت کر لی، رسول پاکؐ نے فرمایا کہ جو شخص ہم سے پیار کرتا ہوگا وہ آکر ہمارے ساتھ اس غذا میں شریک ہوگا، رسول پاکؐ کا یہ فرمان سن کر تینوں بزرگوار اٹھے اور آپؐ کے ساتھ کھانا تناول فرمایا:''

۵، روٹی میں برکت ہوتی ہے:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روٹی کا احترام کیا کرو کیونکہ روٹی تیار کرنے میں عرش اور زمین کے مابین تمام موجودات اور مخلوقات شریک ہوتے ہیں، بعد میں آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے گزرنے والے انبیاء کرام میں ایک دانیالؑ نبی بھی گزرے ہیں ایک دن دانیالؑ نے ایک فقیر کو ایک روٹی دی، فقیر نے ان کے ہاتھ سے روٹی لی اور کوچہ کے درمیان جا کر پھینک دی اور کہا کہ میں یہ روٹی لے کر کیا کروں گا اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے جب دانیال علیہ السلام نے یہ دیکھا تو آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ پروردگار! روٹی کو اس کا صحیح مقام عطا کر۔

تو اُن کی اس بددعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بارش کا سلسلہ منقطع کر دیا، زمین پر روئیدگی ختم ہوگئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ انسان، انسان کو کھانے لگ گیا۔

دو عورتیں تھیں اور اُن کے پاس ایک ایک بچہ تھا انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک دن ایک عورت کے بچے کو پکا کر کھائیں گی اور دوسرے دن دوسری عورت کے بچے کو کھایا جائے گا، چنانچہ ایک دن دونوں عورتوں نے مل کر ایک بچے کو کھایا دوسرے دن جب دوسرے بچے کو کھانے کی باری ہے تو اس کی ماں نے اپنے بچے کو ذبح نہیں کرنے دیا جس کی وجہ سے اُن میں شدید جھگڑا ہوا کہ دانیالؑ کے پاس وہ عورتیں آئیں اور اپنے جھگڑے کی داستان سنائی تو اُس وقت حضرت دانیالؑ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور کہا کہ پروردگار! اب ان لوگوں کو روٹی کی قدر و منزلت سے آگاہی ہوگئی، مہربانی فرما ہمارے اوپر اپنی رحمت کا نزول فرما، اس کے بعد بارش ہوئی اور پورے علاقے سے خشک سالی کا خاتمہ ہوگیا۔[1]

---

[1] نمونہ معارف ۲۷۶/۱۔ سفینۃ البحار ۳۷۵/۱۔

باب نمبر 64

غرور

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

"وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ"[۱]

اور دنیا کی زندگی تو سامان فریب ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"لمثقال ذرة من صاحب تقوى و يقين افضل من ملء الارض من المغترين"[۲]

صاحبان تقویٰ ویقین کا ذرہ برابر عمل، (راہ خدا میں مال خرچ) مغرور شخص کے زمین کے برابر عمل سے بہتر ہے۔ یا

صاحبان تقویٰ ویقین کا ذرہ برابر عمل مغرور شخص کے اس عمل سے بہتر ہے جو اگرچہ زمین کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔

مختصر تشریح:

ایک مغرور انسان دنیا میں ناکام ہوتا ہے اور آخرت میں بھی خسارہ اٹھاتا ہے انسان کو چاہیے کہ اپنے مال، سلامتی جسم، خاندان، ریاست اور دولت پر کبھی بھی ناز نہ کرے اس لئے کہ تمام چیزیں فانی ہیں اور سب نے ختم ہوجانا ہے۔

انسان کو کبھی اپنی خوشحالی پر مغرور نہیں ہونا چاہیے اگر اس کی کچھ نفسانی خواہشات پوری بھی ہو جائیں تو اسے غرور وتکبر نہیں کرنا چاہیے، بعض دفعہ یہی چیزیں مصیبت کا باعث بن جاتی ہیں۔

انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ خدا کی عبادت کرتا رہے خدا سے ڈرتا رہے اور اپنے گناہوں پر ندامت کا احساس کرے، اور اُن لوگوں کے کہنے میں نہ آئے جو بظاہر خوشامد کرتے ہیں کیونکہ اس جھوٹی تعریف کی وجہ سے انسان غفلت اور غرور کا شکار ہوجاتا ہے اور

---

[۱] سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۰۔

[۲] جامع السعادات ۳/۵۔

ایسے لوگوں کی دنیاو آخرت تباہ ہوجاتی ہے۔[1]

ا۔قلبی غرور:

ایک عرصہ تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ آپؐ کے سامنے ایک شخص کی بڑی تعریفیں کیا کرتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا۔

ایک دن وہی شخص مسجد میں آیا اور صحابہ نے کہا یا رسول اللہؐ! یہی ہے وہ شخص جس کی ہم تعریفیں کیا کرتے تھے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اس کے چہرے پر مجھے سیاہی دکھائی دیتی ہے جس کا تعلق شیطان سے ہے وہ شخص نزدیک آیا اور سلام کیا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ ابھی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے تو نے اپنے دل میں یہ نہیں کہا تھا کہ ان تمام لوگوں میں مجھ سے بہتر کوئی بھی شخص نہیں ہے؟

اس شخص نے کہا: ''بے شک میں یہ بات سوچ رہا تھا، یوں پیغمبر اکرمؐ نے اپنی چشم بصیرت سے اس کے ذہنی اور قلبی غرور کو پہچان لیا تھا۔[2]

۲۔مال واولاد پر غرور:

عاص بن وائل کا تعلق بنی سہم سے تھا اور وہ انتہائی بے دین شخص تھا جو رسول اللہؐ کا ہر وقت مذاق اڑایا کرتا تھا وہ آپؐ کو لفظ ابتر (نعوذ باللہ) کے ساتھ یاد کیا کرتا تھا، ابتر اسے کہتے ہیں جسے خدا نے اولاد نہ دی ہو اور جس کا کوئی جانشین نہ ہو۔

وہ شخص ایک نالائق بیٹے کا باپ بھی تھا جس کا نام عمرو بن عاص تھا، وہ انتہائی مکار اور فریب کار شخص تھا اور معاویہ کے ساتھ مل کر اس نے حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کی تھی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے اس سے کچھ قرض لینا تھا میں اپنا قرض وصول کرنے کے لئے اس کے پاس گیا اور اس سے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

اس نے مجھ سے کہا کہ میں تیرا قرض واپس نہیں کرتا، میں نے کہا کہ قرض واپس نہیں کرنا تو نہ کرلیکن میں آخرت میں تجھ سے ضرور اپنا قرض واپس لوں گا۔

اس نے پورے غرور سے کہا کہ اگر بالفرض تیرے عقیدے کے مطابق قیامت کا دن قائم بھی ہوگا تو اس دن بھی میرے پاس اولاد و دولت کی بھی کثرت ہوگی تو وہاں پر بھی میرے پاس قرض وصول کرنے کے لئے آیا تو میں وہاں پر بھی

---

[1] تذکرہ الحقائق ۷۳۔

[2] شنیدنیھای تاریخ ص ۳۷۸۔ محجۃ البیضاء ۶/۲۹۸

تجھے قرض واپس نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول خدا پر یہ آیت نازل کی:

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ (سورہ مریم ۷۷تا۷۹)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے: مجھے مال واولاد کی عطا ضرور بالضرور جاری رہے گی؟۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع حاصل کی ہے یا خدائے رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ ہرگز نہیں جو کچھ یہ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیں گے اور ہم اس کے عذاب میں مزید اضافہ کریں گے۔''[1]

۳۔ مغرور پہلوان:

ایک پہلوان جو کہ پہلوانی کے میدان میں بہت ہی کامیاب پہلوان تھا دنیا بھر کے پہلوانوں کو شکست دے کر اسے بہت زیادہ شہرت ملی وہ اپنی قوت اور لوگوں کی خوشامد کے ذریعے غرور کرنے لگ گیا، اور ایک دن اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ پروردگار! اب زمین کا تو کوئی بھی پہلوان مجھ سے پنجہ آزمائی نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ میری طاقت کے معترف ہیں اے خدا، اب تجھ سے التماس کرتا ہوں کہ تو جبرائیل کو بھیج تا کہ وہ مجھ سے پنجہ آزمائی کرے۔

چند روز گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر بیماری مسلط کر دی جس کی وجہ سے وہ کمزور اور ناتواں ہو گیا، اس کے گھر والے اور دوسرے لوگ بھی اس کی بیماری کے وجہ سے پریشان تھے اور آخر کار تنگ آ گئے انہوں نے اسے وہاں سے اُٹھا کر ایک جنگل میں جا پھینکا، اس پر صعف کا اتنا زیادہ غلبہ ہوا کہ اس کا سر زمین پر رکھا ہوا تھا اور اس کے منہ پر چوہے دوڑ رہے تھے اور کچھ چوہے اس کی پاؤں کی انگلیوں کو کاٹنے میں مصروف تھے لیکن اس کے پاس اتنی طاقت نہ تھی جس سے وہ چوہوں کو روک سکتا۔

وہاں سے ایک صاحب دل بندہ گزرا، اس نے کہا کہ دیکھ! خدا نے اپنے لشکریوں میں سے ایک چھوٹے لشکر کو بھیجا تا کہ تجھے تنبیہ کی جائے کہ تو غرور سے توبہ کرے اگر تو نے استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ تجھے اپنے صبر کی وجہ سے معاف کر دے گا۔[2]

۴۔ ایک نحوی عالم:

ایک شخص نے علم نحو حاصل کیا اور اس کا شمار عربی زبان کے بلند پایہ ادیبوں میں ہونے لگا، ایک دن وہی عالم کشتی میں سوار ہوا

---

[1] حکایتھای شندنی ۵/۱۵۷۔ محجۃ البیضاء ۶/۲۰۴۔

[2]

اوراسے اپنے علم نحو پر بہت غرور تھا،اس نے کشتی کے بوڑھے ملاح سے کہا کیا تو علم نحو جانتا ہے؟،اس بوڑھے ملاح نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا،تو اس عالم نے اس سے کہا کہ جب تو علم نحو نہیں جانتا تو تو نے اپنی آدھی زندگی برباد کی ہے۔

بے چارہ ملاح خاموش رہا اس نے اس کا کوئی جواب نہ دیا،کشتی چلتی رہی پھر کچھ دیر کے بعد دریا میں گرداب پیدا ہوا اور کشتی ڈوبنے کے قریب جا پہنچی تو اس وقت ملاح نے نحوی عالم سے پوچھا کہ کیا تم تیرنا جانتے ہو؟اس عالم نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں نہیں تیر سکتا،تو اس وقت ملاح نے کہا تو نے اپنی پوری زندگی ضائع کر دی کیونکہ کشتی ڈوبنے والی ہے اور تجھے تیرنا نہیں آتا،اس وقت وہ اپنے ناجائز غرور پر متوجہ ہوا اور اسے معلوم ہوا اعلیٰ ترین علم وہ ہے جس سے انسان اپنے اندر کی نجاستیں دور کر سکے۔[۱]

۵۔ ابوجہل کا غرور:

ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدترین دشمن ابوجہل اور ولید بن مغیرہ طواف کعبہ میں مصروف تھے کہ دوران طواف پیغمبر اکرمؐ کے متعلق ان میں بحث ہونے لگی۔

ابوجہل کہنے لگا،خدا کی قسم وہ صادق ہے،ولید بن مغیرہ نے کہا:چپ ہو جا یہ بات تو نے کہاں سے سنی؟ابوجہل نے کہا:بات یہ ہے کہ اس کا بچپن لڑکپن اور اس کی جوانی ہمارے سامنے ہے وہ ہمیشہ سے صادق اور امین کہلا رہا ہے اب کیسے ہو سکتا ہے کہ جس نے بچپن میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اب پختہ عمر میں جا کر وہ کیوں جھوٹ سے کام لے گا؟ولید نے کہا:''اچھا اگر یہی بات ہے تو تم اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے اور اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟۔ابوجہل نے کہا:کیا تو چاہتا ہے کہ قریش کی لڑکیاں یہ طعنہ دیں کہ ابوجہل نے اپنی شکست تسلیم کر لی،مجھے لات وعزیٰ کی قسم میں کبھی بھی اس کی پیروی نہیں کروں گا اور محمدؐ کے ساتھ مقابلہ جاری رکھوں گا،خداوند تعالیٰ نے اس کے غرور اور نخوت کو اس آیت میں نازل کیا:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

(سورہ الجاثیہ آیت ۲۳)۔

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے (اپنے) علم کی بنیاد پر اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے؟پس اللہ کے بعد اب اسے کون ہدایت دے گا؟کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو؟''[۲]

---

[۱] داستانھا مثنوی ا۔۵۲۔

[۲] داستانھا و پندھا ۸۵/۵،تفسیر عراقی ۲۵/۲۷۔

باب نمبر 65

غصہ

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ "[1]

اس قوم سے دوستی نہ رکھو جس پر اللہ غضب ناک ہوا ہے"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"الغضب يفسد الايمان كما يفسد الخل العسل"

"غصہ ایمان کو اس طرح سے برباد کردیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو برباد کرتا ہے"۔

مختصر تشریح:

غصہ ایک انتہائی بری بیماری ہے اس کے ساتھ اس کے بدترین نتائج کا بھی انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے یہ انسان کے اعصاب کو متحرک کرتی ہے، بالخصوص غصہ کے ساتھ اگر کینہ اور انتقام بھی شامل ہوجائے تو اس کے خطرات اور بھی بڑھ جاتے ہیں۔

بعض مقامات پر غصہ جائز ہوتا ہے مثلاً کفار کے ساتھ جنگ یا پھر کسی ایسے شخص کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت جس نے کسی عزت، ناموس یا مال پر ڈاکہ ڈالا ہو، اس مقام پر غصہ کرنا شرعی اور عقلی طور پر قابل تعریف ہے اور یہ شجاعت اور مردانگی کا ثمر کہلاتا ہے۔

اس کے علاوہ باقی مقامات پر غصہ کرنا شیطانی اور برائی کی چابی ہے۔

غصہ عقل کو تباہ کردیتا ہے انسان کی شکل تک بدل جاتی ہے اور اس انسان کے اندر اندرونی اضطراب پایا جاتا ہے غصہ کی وجہ سے انسان لوگوں کو گالیاں دیتا ہے لوگوں کے نقصانات پر خوش ہوتا ہے بعض اوقات لوگ کسی کو تھپڑ مارتے ہیں اور کسی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

غصہ میں انسان ایک دوسرے کو قتل کردیتے ہیں، یہ تمام برائیاں غصہ کی حالت میں انسان کے اندر نمودار ہوتی ہیں، بہتر یہی ہے کہ اُن چیزوں سے پرہیز کیا جانا چاہیے جو غصہ کا باعث بنتی ہیں، اور صبر، حلم اور غصہ کو پینے سے انسان اُن

[1] سورہ الممتحنۃ آیت نمبر ۱۳۔

برائیوں کواپنے سے دور کرسکتا ہے۔[1]

ا۔ ذوالکفل:

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا:''ذوالکفل'' کون تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے؟''

توآپؐ نے فرمایا:''حضرموت میں ایک نبی رہتے تھے جن کا نام''عویدیا'' تھا، جب اُن کا وقت وفات قریب آیا توانہوں نے کہا:''تم میں سے کون میراجانشین بنناچاہتا ہے؟ مگرشرط یہ ہے کہ وہ حلیم وبردبار ہواورغصہ میں نہ آئے''۔

یہ سن کرایک جوان اٹھ کھڑا ہوااورکہا:''میں آپؐ کا جانشین بنتاہوں میں آپ سے وعدہ کرتاہوں کہ میں ہمیشہ حلم وبردباری سے کام لوں گا، اورنبی نے بھی اس کی خلافت کوقبول کرلیا''۔

اس کے بعدعویدیا نبی کی وفات ہوگئی اوروہ جوان اُن کا جانشین قرار پایا، وہی جوان''ذوالکفل'' تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب نبوت پرفائز کیاایک دن ابلیس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جوذوالکفل کوغصہ دلائے؟

ایک جن نے جس کا نام''ابیض'' تھا کہا:''میں انہیں غصہ دلاؤں گا''۔

ذوالکفل کا معمول تھا کہ نمازفجر کے بعدلوگوں کے درمیان فیصلے کرتے اورظہر کے قریب قیلولہ کرتے تھے۔

ایک دن ذوالکفل جیسے ہی دوپہر کے بعدسوئے توابیض ان کے دروازے پرآیااورچیخ چیخ کرکہا:''میں مظلوم ہوں میری مددکرو''۔

حضرت ذوالکفل نیند سے بیدار ہوئے اورفرمایا:''تم جاؤفریق مخالف کوبھی لے آؤ تاکہ میں تمہارافیصلہ کروں''۔

ابیض اپنے مقام سے نہ ہلاتوذوالکفل نے پوچھا:''تم فریق ثانی کوبلانے کیوں نہیں جاتے؟

اس نے کہا:''مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میرے بلانے پرنہیں آئے گا''۔

آپؐ نے اپنی انگوٹھی اسے بطورنشانی دی، دوسرے دن پھرذوالکفل جب گھرمیں آرام کررہے تھے وہ شیطان ان کے درخانہ پرآیااورفریادکی کہ میری مددکریں۔

ذوالکفلؑ نبی نیند سے بیدار ہوکرباہرآئے اورپوچھا:''میں نے تجھے اپنی انگوٹھی بطورنشانی دی تھی توکیاتم نے اپنے مخالف کونشانی دکھائی تھی؟''

ابیض نے کہا:''جی ہاں! میں نے آپؐ کی انگوٹھی اسے دکھائی تھی لیکن وہ نہیں آیااورآپ کے پاس آنے پررضا مندبھی نہیں ہے''۔

ذوالکفل نے اسے رقعہ لکھ کردیااورفرمایا:''اپنے مخالف کومیرارقعہ دینا امید ہے میرارقعہ پڑھ کروہ چلاآئے گا''۔

---

[1]

تیسرے دن ذوالکفل سوئے ہوئے تھے تو شیطان نے ان کے دروازے پر پھر شور مچا کر کہا: ''میں مظلوم ہوں میری مدد کرو''۔

آپؑ نیند سے بیدار ہوکر باہر آئے اوراس سے پوچھا: ''تم نے اپنے مخالف کو میرا رقعہ پہنچایا تھا؟''۔

اس نے کہا: ''جی ہاں! اس نے رقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی''۔

آپؑ نے فرمایا: ''کوئی بات نہیں میں تمہارے ساتھ فریق مخالف کے گھر پر جاتا ہوں، ابیض کے ساتھ چل پڑے۔

چندقدم چلنے کے بعد ابیض نے کہا: ''میرا کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں میں صرف آپ کے حلم کا امتحان لینا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ نے جو وعدہ کیا تھا اس پر کس حدتک قائم ہیں۔[1]

۲۔ طاقتور کون ہے؟:

ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر کسی جگہ سے ہوا وہاں پر بہت سے لوگ جمع تھے اور جوو زنی پتھر اٹھا رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: ''یہ کیا ہے؟''

جوانوں نے کہا: ''ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں سے زیادہ طاقتور کون ہے''۔

آپؐ نے فرمایا: ''میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے اندر سب سے زیادہ طاقتور کون ہے؟''

جوانوں نے کہا: ''ضرور بتائیں''

آپ نے فرمایا: ''تم میں سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے کہ جب وہ راضی ہو تو اسے اس کی رضا گناہ اور باطل میں مشغول نہ کرے، جب ناراض ہو تو ناراضگی اسے قول حق سے باہر نہ نکالے (یعنی غصہ کے وقت ضبط سے کام لے اور غصہ پی جائے) اور جب وہ مالک بنے تو اس چیز پر نظر نہ رکھے جو اس کا حق نہ ہو۔[2]

۳۔ ایک نصیحت:

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''یارسول اللہؐ! مجھے علم سکھائیں اور دین کے احکامات سے مجھے آگاہ کریں، آپؐ نے فرمایا جاؤ! کسی پر غصہ نہ کرنا، وہ شخص آپ کی خدمت میں سے یہ کہتا ہوا اٹھا کہ میں آپؐ کے اس فرمان پر اکتفا کروں گا۔

جب وہ شخص اپنی قوم میں واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اُس کی اور دوسری قوم کے درمیان جھگڑا ہونے کو ہی تھا، دونوں

---

[1] تاریخ انبیاء ۲۔۱۹۶

[2] ابلیس نامہ ۱۔۷۵، مجموعہ ورام ۲، ۱۰۔

طرف سے لوگوں نے ہتھیار اُٹھائے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی کی ہوئی تھی، اس شخص نے بھی جنگی لباس پہنا اور اپنی قوم کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کو چلا گیا، پھر اچانک جنگ شروع ہونے سے پہلے اسے یاد آیا کہ پیغمبر اکرمؐ نے مجھے فرمایا تھا کہ خبر دار! کبھی غصے میں نہ آنا، اس نے اپنے ہتھیار زمین پر پھینک دیئے اور دشمنوں کے پاس چلا گیا اور کہنے لگا: ''بھائیو! خون بہانے کا کوئی فائدہ نہیں، تمہارا جو نقصان ہوا ہے میں وہ نقصان اپنے مال و دولت سے پورا کرنے کو تیار ہوں'' جب اُن لوگوں نے اس شخص کی شرافت کو دیکھا تو کہا کہ جناب! ہمارا جتنا بھی نقصان ہوا تھا ہم وہ سب معاف کرتے ہیں، دونوں طرف سے اُٹھی ہوئی تلواریں نیاموں میں چلی گئیں اور ایک یقینی جنگ مستقل امن میں بدل گئی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نصیحت کی وجہ سے لوگ ایک بڑی جنگ سے بچ گئے۔ [۱]

۴۔ امام جعفر صادقؑ اور غلام:

امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک غلام کو کسی کام کے لئے بھیجا، جب اس نے آنے میں دیر کر دی تو آپؑ اس کی تلاش میں نکلے تو اسے ایک جگہ سوتے ہوئے پایا، آپ نے اُسے پنکھے سے ہوا دینی شروع کی، جب وہ بیدار ہوا تو آپؑ نے فرمایا: تمہارا یہ حق نہیں کہ تم دن کو بھی سوؤ اور رات کو بھی سوؤ، تم رات کو نیند کیا کرو اور دن کو ہمارے کام کرو۔ [۲]

۵۔ بری عادت اور خادم:

عبداللہ ابن طاہر اپنے بھائی طلحہ کی وفات کے بعد مامون الرشید کی طرف سے خراسان کا گورنر مقرر ہوا اور وہ واثق باللہ کے دور تک خراسان کا گورنر رہا، الغرض سترہ سال کی گورنری کے بعد سنتالیس سال کی عمر میں ۲۳۰ھ کو فوت ہوا۔

عبداللہ ابن طاہر بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ میں کسی عباسی حکمران کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس وقت اتفاق سے وہاں کوئی بھی غلام موجود نہیں تھا، خلیفہ نے غلام کو آواز دی، غلام، غلام ادھر آؤ، اچانک ایک ترکی غلام ایک کمرے سے برآمد ہوا، اس نے بڑے کڑک دار لہجے میں خلیفہ سے کہا کہ غلاموں کو بھی کئی ضروری کام ہوتے ہیں انہوں نے روٹی کھانی ہوتی ہے ہاتھ منہ دھونا ہوتا ہے، انہیں بھی نماز اور وضو کی ضرورت ہے، تمہارے غلاموں کو سونے کی بھی ضرورت ہوتی ہے یہ تو نے کونسا طریقہ اپنایا ہوا ہے جب غلام اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے غائب ہوتے ہیں تو تمہاری آوازیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں، غلام، غلام، غلام اور کب تک آپؑ ہمیں یوں غلام، غلام کہتے رہو گے؟۔

عبداللہ بن طاہر کہتا ہے کہ جب خلیفہ نے اس کی یہ بات سنی تو سر جھکا لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ خلیفہ جیسے ہی سر بلند کرے گا تو

---

[۱] شنیدنیھای تاریخ ص ۳۰۵۔ محجۃ البیضاء ۵، ۲۹۳۔
[۲] منتھی الامال ۲، ۱۳۰۔

اس غلام کا سرتن سے جدا کروادیا جائے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ نے سر اٹھایا اور مجھ سے کہا: ''عبداللہ! دیکھو، اگر مالکوں کا اخلاق اچھا ہوتو غلاموں کا اخلاق خراب ہو جاتا ہے، اب ہم غلاموں کی خراب عادتوں کی وجہ سے اپنی عادتیں خراب نہیں کریں گے، مقصد یہ ہے کہ اگر مالک غصہ نہ کرے تو اس کے غلام اور نوکر منہ چڑھے ہو جاتے ہیں۔ [1]

[1] لطائف الطوائف، ص ۹۴۔

باب نمبر 66

غیبت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا" [1]

"اورتم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"ان الغیبۃ اشد من الزنا" [2]

"غیبت زنا سے بھی زیادہ بدتر جرم ہے"

مختصر تشریح:

ہر مسلمان پر غیبت کرنا حرام ہے اور غیبت کرنے والا شخص گنا ہگار ہے، غیبت یہ ہے کہ آپ کسی کو ایسی صفت سے یاد کریں جو خلق کے سامنے ظاہر نہ ہو اور یا کسی کی مذمت کرے حالانکہ اہل علم اُسے برا نہ جانتے ہوں۔

اگر کوئی شخص کسی کی غیبت کرے اور دوسرے فریق تک اس کی غیبت پہنچ جائے تو وہ اس کے پاس جائے اور اس غیبت پر اُس سے معافی طلب کرے اور اُسے اپنے آپ سے راضی کرے۔

غیبت انسان کی نیکیوں کو اس طرح ختم کرتی ہے جیسے آگ خشک لکڑیوں کو جلا دیتی ہے، سبب غیبت یہ ہے کہ بعض اوقات لوگ کسی سے حسد کی وجہ سے اس کی غیبت کرتے ہیں بعض اوقات اپنے کلام کو زینت دینے کے لئے کچھ انسان غیبت کا سہارا لیتے ہیں، کچھ لوگ اپنے غصے کو تسکین دینے کے لئے کسی کی غیبت کرتے ہیں، یا کسی شخص سے دوسروں کو نفرت دلانے کے لئے اس کی غیبت کی جاتی ہے۔

بہر نوع غیبت انسانی شخصیت کے لئے انتہائی مضر ہے اور قیامت کے دن غیبت کرنے والا عذاب الٰہی میں مبتلا ہوگا۔

---

[1] سورہ الحجرات، آیت نمبر ۱۲۔

[2]

ا۔ غیبت کرنے والے کوناپسند کیا جاتا ہے:

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک جگہ چند صحابہ کرام جمع تھے ایک صحابی کا وہاں سے گزر ہوا تو حاضرین میں سے کسی صحابی نے کہا: ''میں خدا کے لئے اس شخص سے نفرت کرتا ہوں''۔

اس کی یہ بات سن کر صحابہ کرامؓ نے اسے ملامت کی اور کہا؛ ''تو نے انتہائی غلط بات کی ہے ہم اس شخص کو تیرے خیالات کی اطلاع دیں گے''۔

چنانچہ اس صحابی کو اس گفتگو کی اطلاع دی گئی جو اسے سخت ناگوار گزری اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور غیبت کرنے والے صحابی کی شکایت کی، آپؐ نے اس صحابی کو طلب کیا اور پوچھا: ''تم نے یہ کیا کہا ہے''۔

اس صحابی نے کہا: ''آقا! میں نے جو کچھ بھی کہا ہے درست کہا ہے''۔

آپؐ نے اس سے فرمایا: ''تم اس سے کیوں دشمنی رکھتے ہو؟''

اس صحابی نے عرض کیا: ''آقا! میں اس کا قریبی ہمسایہ ہوں اور اس کے حالات سے پوری طرح آگاہ ہوں، یہ شخص دن رات میں واجب نمازوں کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں پڑھتا''۔

شکایت کنندہ صحابی بولا: ''یارسول اللہ! آپ اس سے پوچھیں کیا میں نماز تاخیر سے پڑھتا ہوں یا وضو غلط کرتا ہوں یا رکوع و سجود صحیح طرح سے بجانہیں لاتا؟۔

غیبت کرنے والے صحابی نے کہا: ''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں البتہ یہ شخص رمضان کے علاوہ کبھی کوئی روزہ نہیں رکھتا، یہ صرف اس مہینے میں روزہ رکھتا ہے جب ہر نیک و بد قسم کے لوگ روزہ رکھتے ہیں''

شکایت کنندہ صحابی نے عرض کی: یارسول اللہؐ! آپ اس سے یہ پوچھیں کہ آیا میں نے کبھی روزہ توڑا ہے یا میں نے روزہ کے شرائط سے انحراف کیا ہے؟۔

غیبت کرنے والے صحابی نے کہا: ''نہیں! مگر میں نے واجب زکوٰۃ کے علاوہ جسے ہر کوئی ادا کرتا ہے اسے کسی غریب کی مدد کرتے نہیں دیکھا''۔

شکایت کنندہ صحابی نے عرض کی: یارسول اللہؐ آپ اس سے پوچھیں کہ کیا کبھی میں نے زکواۃ کم مقدار میں دی ہے یا زکواۃ میں کوئی خراب جنس دی ہے؟۔

غیبت کرنے والے صحابی نے کہا: ''نہیں''۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت کرنے والے صحابی سے فرمایا: ''میرے پاس سے اٹھ کر چلا جا'' **فلعله خير**

منك ''شاید یہ شخص جس کی تو بدگوئی کرتا پھر رہا ہے خدا کی نظر میں تجھ سے بہتر ہو''۔[1]

۲۔ قیامت کے دن غیبت کی سزا:

شیخ بہائی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب کشکول میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک دن کسی بڑے اجتماع میں میرا ذکر چھڑا تو بیٹھے ہوئے حاضرین میں سے ایک شخص، جو ہمیشہ میرے منہ پر دوستی کا دعوی کرتا تھا لیکن وہ اس دعویٰ میں جھوٹا تھا، نے میری غیبت شروع کر دی اور میری طرف بہت سی ناروا چیزوں کی نسبت دی، اس نے قرآن مجید کی اس آیت کو فراموش کر دیا ''ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا'' کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، تو جس طرح سے تمہیں مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے نفرت ہے اسطرح سے غیبت سے بھی پرہیز کرو۔

مجھے اس کرم فرما کی ''شفقت'' کا علم ہو گیا اور اسے بھی پتہ چل گیا کہ مجھے اسکی حرکت کا علم ہو چکا ہے اس نے معذرت خواہی کے لئے مجھے بہت لمبا چوڑا خط لکھا جس میں اس نے اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور مجھ سے راضی ہونے کی درخواست کی۔

میں نے اس کے جواب میں لکھا: ''خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم نے مجھے ایسا تحفہ دیا ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن میری برائیوں کا پلڑا ہلکا ہوا ہے۔

ہم تک سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت پہنچی ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ کو پیش کیا جائے گا، اس کی نیکیاں ایک پلڑے میں رکھی جائیں گی اور اس کی برائیاں دوسرے پلڑے میں رکھی جائیں گی، اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا اور برائیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، اسی اثنا میں ایک بوری لاکر اس کے نیکیوں کے پلڑے میں رکھی جائے گی، جس میں اس کی نیکیوں کا پلڑا وزنی ہو جائے گا، وہ عرض کرے گا کہ خدایا میں نے نیکیوں کے جو بھی کام کئے تھے وہ تو پلڑے میں پہلے سے موجود تھے اور یہ بوری کہاں سے آ گئی؟ خداوند کریم ارشاد فرمائے گا کہ یہ ان باتوں کے عوض میں ہے جو تیرے متعلق کہی گئی تھیں اور تو ان سب سے بری تھا۔

اس حدیث کی رو سے میں تمہارا شکر گزار ہوں، اگر تم میرے سامنے بھی ایسا کرتے تو بھی میں اس جیسا بدلہ نہ دیتا اور تم مجھ سے معافی و دوستی اور وفا کے علاوہ کچھ بھی نہ دیکھتے، اب تھوڑی سی عمر باقی رہ گئی ہے میں اسے مکافات عمل میں برباد کرنا پسند نہیں کرتا، میں تو اس وقت اپنی سابقہ زندگی کی کمی بیشی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔[2]

۳۔ چغل خور کی موجودگی باران رحمت کے نزول میں رکاوٹ بنی:

ایک دفعہ بنی اسرائیل بارش نہ ہونے کے سبب قحط میں مبتلا ہوئے، لوگ پریشان ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس

---

[1] علم اخلاق اسلامی، ۲۔۳۹۹۔

[2] پند تاریخ، ۵۔۱۶۰، کشکول، ۱۹۷

آئے اور بارش کے نزول کے لئے ان سے دعا کرنے کی درخواست کی۔

آپؑ نے لوگوں کو حکم دیا کہ فلاں دن سب لوگ فلاں میدان میں جمع ہو کر آجائیں وہاں ہم نماز استقاء پڑھیں گے اللہ تعالیٰ باران رحمت کا نزول فرمائے گا اس دن سب چھوٹے بڑے میدان میں جمع ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نماز استقاء پڑھائی اور بارش کی دعا مانگی مگر بارش نازل نہ ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ احدیت میں عرض کی: ''خدایا! ہم نے دعا مانگی مگر بارش کا نزول نہ ہوا''؟

آواز قدرت آئی: ''موسیٰ! اس مجمع میں ایک چغل خور موجود تھا جو اپنے اس فعل بد پر اصرار کرتا ہے اسی لئے میں نے تمہاری دعا کو قبول نہیں کیا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''خدایا! اس بدبخت کا نام مجھے بتا'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تو چغل خوری سے منع کرتا ہوں، بھلا خود چغل خوری کیسے کر سکتا ہوں۔''[1]

۴۔ چغل خور ہلاک ہوتا ہے:

ایک دفعہ کسی نے کچھ فاخرہ لباس ہارون الرشید کو بطور ہدیہ دیا اور ہارون نے وہی فاخرہ لباس اپنے وزیر علی بن یقطین کو دے دیا، اس لباس میں ایک کھلے گلے والی ایک قمیض تھی جسے ''دراعہ'' کہا جاتا ہے اور وہ قمیض قیمتی ریشم سے بنائی گئی تھی اور بڑی نفاست سے اس پر طلا کاری کی گئی تھی، الغرض وہ قمیض ہر لحاظ سے بادشاہ کو ہی زیب دیتی تھی علی بن یقطین نے اس شاہانہ قمیض سمیت تمام فاخرہ لباس اور کچھ ہدیہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا۔

امام علیہ السلام نے اس وقت وہ مال قبول کر لیا مگر ساتھ ہی ایک اور قاصد کے ہاتھوں آپ نے وہ شاہانہ قمیض علی بن یقطین کو واپس بھجوادی، اور ساتھ ہی یہ تحریر فرمایا کہ اسے سنبھال کر رکھو ایک دن تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی۔

اتفاق سے ایک مرتبہ علی بن یقطین اپنے کسی غلام پر ناراض ہوا اور اس غلام کو اس امر کا علم تھا کہ علی بن یقطین بادشاہ کی ہدیہ کی گئی قمیض ''دراعہ'' امام موسیٰ کاظم کی نذر کر چکا ہے۔

چنانچہ اس غلام نے ہارون الرشید کے ہاں جا کر چغلی کھائی کہ علی بن یقطین امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کا قائل ہے، اور ہر سال خمس اور دوسرا مال اُن کے پاس روانہ کرتا ہے اور سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ شاہی قمیض ''دراعہ'' جو آپ نے اسے دی تھی اس نے وہ بھی امام موسیٰ کاظمؑ کے پاس بھیج دی ہے۔

یہ سن کر ہارون کو سخت غصہ آیا اور اس غلام سے کہا اگر تمہاری بات غلط نکلی تو تجھے قتل کر دیا جائے گا، غلام نے کہ درست ہے میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔

---

[1] جامع السعادات ۲، ۲۷۷۔

اس کے بعدعلی بن یقطین کوطلب کیا گیا، ہارون الرشید نے کہا کہ میں نے غلطی سے وہ قمیض دراعہ تمہارے حوالے کر دی تھی مجھے اس کی ضرورت ہے اب وہ کہاں ہے؟

علی بن یقطین نے کہا وہ میرے گھر میں موجود ہے اور میں نے اسے بڑی احتیاط سے خوشبو لگا کر الماری میں رکھا ہوا تھا، اور بطور تبرک میں روزانہ اس کو بوسہ دیتا ہوں ہارون نے کہا جلدی سے منگواؤ۔

علی بن یقطین نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ تم میرے گھر جاؤ فلاں الماری کے فلاں صندوق میں وہ قمیض موجود ہے اسے لے آؤ، غلام گیا اور مذکورہ لباس لے آیا۔

ہارون یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ اب میں تمہارے خلاف کسی کی بات نہیں سنوں گا۔

چغل خور غلام کے متعلق ہارون نے حکم دیا کہ اسے ہزار تازیانے مارے جائیں، پانچ سو تازیانے کھانے کے بعد اس غلام کی موت واقع ہوگئی۔[1]

۵۔ چغل خور کی قیامت خیزی:

ایک شخص نے اپنا غلام فروخت کیا، اور خریدنے والے کو بتایا کہ اس غلام میں چغل خوری کی عادت ہے باقی اس میں کوئی عیب نہیں ہے، خریدنے والے نے کہا: ''کوئی حرج نہیں یہ اپنی چغل خوری سے ہمارا کیا بگاڑ لے گا؟''

بہرنوع خریدار غلام کو ساتھ لے کر گھر آیا، غلام ایک مدت دراز تک نئے مالک کے گھر میں رہائش پذیر رہا۔

ایک دن اس نے اپنے نئے مالک کی بیوی سے کہا ''تیرا شوہر تجھ سے محبت نہیں کرتا وہ ایک جگہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے اگر تو سوکن سے بچنا چاہتی ہے تو کسی طرح سے اس کی داڑھی کے چند بال مجھے لا کر دے میں ان پر وظیفہ پڑھوں گا اور اس عمل سے تیرا شوہر راہ راست پر آجائے گا''۔

عورت نے کہا: ''میں آج رات جب کہ میرا شوہر سویا ہوا ہوگا اس کی داڑھی سے کچھ بال کاٹ لوں گی اور صبح سویرے وہ بال تجھے دوں گی''۔

شام کے وقت اسی غلام نے اپنے آقا سے کہا: ''میں نے آپ کا نمک کھایا ہے میں یہ بات آپ کو کبھی بھی نہ کہتا مگر اب اس لئے کہنا چاہتا ہوں کہ اب پانی سر سے اوپر گزر چکا ہے بات یہ ہے کہ تمہاری بیوی بدکردار ہے اس نے ایک شخص کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں اور دونوں تمہاری عدم موجودگی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور آج رات تمہاری بیوی تمہیں قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اگر قتل سے بچنا چاہتے ہو تو بیدار رہنا۔

رات ہوئی اس شخص نے کھانا کھایا اور چارپائی پر لیٹ گیا، لیٹنے سے پہلے اس نے تلوار اپنے بستر کے کنارے چھپا رکھی تھی

[1] داستانھا و پندھا ۱/۵۲، کشکول بحرانی ۲/۱۳۲۔

اورجھوٹ موٹ کےخراٹے لینے لگا۔

کچھ دیر بعداس نے دیکھا کہ اس کی بیوی کوئی اوزار لئے دبے پاؤں اس کے قریب آرہی ہے اسے یقین ہوگیا کہ یہ اسے قتل کرنے کے لئے آرہی ہے وہ فوری طور پر جست لگا کراٹھااور بیوی کوقتل کردیا۔

جب عورت کے خاندان والوں نے سنا کہ اس نے ہماری عورت کوقتل کیا ہےتو انہوں نے اسے قتل کردیااور یوں دوقبیلوں میں کافی عرصے تک جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے۔[1]

[1] شنید نیھائی تاریخ ص۳۰۲، حجۃ البیضاء۲۸۹۔

باب نمبر 67

بدزبانی

قرآن مجید میں ارشادرب ذوالجلال ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا [۱]

''گالی مت دوان کوجن کو یہ اللہ کوچھوڑ کر پکارتے ہیں وہ اللہ کو برا کہنے لگ جائیں گے''

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''ان اللہ لا یحب الفحش و التفحش'' [۲]

''اللہ تعالیٰ بدزبانی اور ہرزہ گوئی کو پسند نہیں کرتا''

مختصرتشریح:

خراب اور قبیح مطالب کوزبان سے ادا کرنے کو بدزبانی کہا جاتا ہے، بدزبان شخص میں حیاء نہیں ہوتی اور اس کی زبان آلودہ اور ناپاک ہوتی ہے، بدزبانی کی حرمت بہت زیادہ ہے باقی صفات رذیلہ کی طرح سے ظاہری خباثت اور باطنی ناپاکی کا اظہار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بدزبان شخص کو پسند نہیں کرتا اور مومن کبھی بھی بدزبان نہیں ہوتا، گالیاں دینا نفاق کا ایک شعبہ ہے، شیطان گالیاں دینے والے کے ساتھ شریک ہوجاتا ہے اور اس طریقے سے اسے اپنا دوست بنالیتا ہے بدزبانی سے بچنے کے بہت سے راستے موجود ہیں اور انسان کو چاہیے کہ بدزبانی سے اپنے آپ کو بچائے، مثلاً نذر وقسم کے ذریعے سے اور بدزبان افراد سے دوری اختیار کر کے عالی ترین مناجات کے ذریعے اور اچھے اخلاقی اشعار پڑھ کر انسان بدزبانی جیسی لعنت سے بچ سکتا ہے۔

ا۔امام علیہ السلام کا ردعمل:

عمرو بن نعمان جعفی کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک دوست تھا جہاں پر بھی امام علیہ السلام جاتے تھے تو وہ

[۱] سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۰۸۔
[۲] جامع السعادات ا / ۳۱۴۔

اُن کے ساتھ ہوتا تھا اور کبھی جدا نہیں ہوتا تھا ایک دفعہ امام علیہ السلام موچیوں کے محلے میں کسی کام سے گئے تو وہ شخص اور اس کا غلام بھی آپ کے ساتھ تھے۔

اس شخص نے دیکھا کہ اس کا غلام پیچھے نہیں آ رہا اور اس نے تین مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے نہ دیکھا، جب اُس نے چوتھی مرتبہ پیچھے دیکھا تو اس کا غلام اسے دکھائی دیا اور اس نے غلام کو گالی دے کر مخاطب کیا کہ اے زانیہ عورت کے فرزند تو اب تک کہاں تھا؟۔

جب امام علیہ السلام نے اس کی زبان سے یہ گالی سنی تو اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا: ''سبحان اللہ'' تو نے اس کی ماں کو گالی دی ہے میں تو تجھے پرہیزگار انسان سمجھتا تھا لیکن اب میں نے دیکھ لیا ہے کہ تیرے اندر کوئی پرہیزگاری نہیں ہے''۔

اس شخص نے کہا: ''میں آپ پر قربان جاؤں اس کی ماں سندھ کی مشرکہ عورت تھی لہٰذا اُسے برا کہنے میں کیا عیب ہے؟''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تمہیں معلوم نہیں کہ ہر امت میں نکاح کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے مجھ سے دور ہوجا''۔

راوی حدیث میں بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد میں نے امام علیہ السلام کے ساتھ اس شخص کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ موت نے اُن دونوں کے درمیان جدائی ڈال دی۔[1]

۲۔اسامہ کا جواب:

اسامہؓ بن زید رسول اکرمؐ کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اُن لوگوں میں سے جن سے میں محبت کرتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ تمہارے نیک افراد میں سے ہوگا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل اُس جوان سال اُسامہ کو امیر لشکر مقرر کیا تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دن اُسامہ قبر رسول کے پاس نماز میں مشغول تھا کہ اتنے میں ایک جنازہ لایا گیا، اور اس میت کا نماز جنازہ پڑھوانے کے لئے حاکم مدینہ مروان بن الحکم کو لایا گیا، مروان بن حکم نے جنازہ پڑھایا اور اسکے بعد جب وہ جانے لگا تو اس نے دیکھا کہ اُسامہ دروازہ پیغمبر کے پاس ابھی بھی مشغول نماز ہے، اور مروان نے یہ محسوس کیا کہ اسامہ نماز جنازہ میں بھی شریک نہیں تھا۔

مروان کو اس بات پر غصہ آیا اور اس سے کہا: ''تو یہ چاہتا ہے اس سے تیری نماز میں فضیلت آئے'' اور اس کے بعد مروان نے اسے کافی برا بھلا کہا۔

جب اسامہ نے نماز ختم کی تو اس کے بعد وہ مروان بن حکم کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تو نے مجھے ناسزا کہا اور مجھ سے بد زبانی کی، جب کہ میں نے پیغمبر اکرمؐ سے سنا تھا آپؐ نے کہا تھا کہ اللہ تعالی بد زبان شخص کو دشمن رکھتا

---

[1] کیفر کردارا / ۴۸۲۔تنبیہ الخواطر ص ۵۲۶۔

ہے۔(پیغمبرویاران ا۔۱۹۴،اسدلاغابہ)

۳۔ بدزبانی کرنے والے کی مجلس میں شیطان کی آمد:

ایک دن رسول خدااورحضرت ابوبکرایک جگہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھےاوراسی جگہ ایک شخص آیااوراس نے حضرت ابوبکر سے بدزبانی کی۔

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموشی سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے،جب گالیاں دینے والے شخص نے خاموشی اختیار کی تو حضرت ابوبکرؓ نے اسے گالیاں دینا شروع کردیں جیسے ہی حضرت ابوبکر نے اس شخص کوگالیاں دینا شروع کیں تو رسول خداوہاں سے اٹھے تاکہ اپنے آپ کوان سے دورکرلیں۔

جب حضرت رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھےاورحضرت ابوبکر سے فرمایا:''ابوبکر جب وہ شخص گالی دے رہا تھااورتم چپ تھےتو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ تیرے دفاع میں اسے جواب دے رہا تھا،جب تم نے خودگالیاں دینا شروع کیں تو وہ فرشتہ تمہیں چھوڑ کر دور چلا گیا اب تمہارے پاس شیطان آگیا اور میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ میں اس مجلس میں بیٹھوں جہاں شیطان بھی ہو''۔[۱]

۴۔ امام جعفرصادق علیہ السلام کی سیرت:

ایک شخص حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوااورکہا کہ آپ کے فلاں چچازاد بھائی نے آپ کا نام لے کر بدگوئی کی ہےاورآپؑ کو ناسزا کہنے میں اس نے کوئی کسرنہیں چھوڑی،آپؑ نے اپنی کنیزکوحکم دیا کہ آپؑ کے لئے وضوکا پانی لائے،پس حضرت نے وضوکیااورنماز پڑھنے لگے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ حضرت اس کے لئے بددعا کریں گے،پس آپ نے دورکعت نماز پڑھی اورکہا اے پروردگار!یہ میراحق تھا جو میں اسے بخشتا ہوں اورتیراجودوکرم مجھ سے کہیں زیادہ ہے پس اسے بخش دے،اوراس کی اس کردار کی وجہ سے گرفت نہ کراوراس کے برے عمل کا بدلہ اُسے نہ دے،پھرآپ نے رقت کی اورمسلسل اس کے لئے دعا کرتے رہے اورمیں آپؑ کی حالت پرتعجب کررہا تھا۔[۲]

۵۔ ابن مقفع بدگوئی کی وجہ سے ہلاک ہوا:

ابن مقفع ایک ہوشیاراوردانشمندشخص تھااس نے کچھ علمی کتابوں کاعربی میں ترجمہ کیا تھا،اس کےعلم وفضل نے اسے حد سے

[۱] ابلیس نامہ ۳۷/۸،احیاءالعلوم ۳/۷۰۔
[۲] منتھی الامال۔۲/۱۲۷،مشکوۃ الانوار۔

زیادہ مغرور کردیا تھا جس کی وجہ سے وہ اجتماعی گفتگو میں دوسروں کی تحقیر کیا کرتا تھا،بعض اوقات وہ برے الفاظ بھی زبان سے نکالتا تھا۔

منصور دوانیقی نے سفیان بن معاویہ کو اپنی طرف سے بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا،سفیان بن معاویہ کی ناک حد سے زیادہ بڑی اور ناموزون تھی۔

جب کبھی ابن مقفع اس کے پاس آتا تو بلند آواز سے کہتا تھا کہ تم دونوں پر سلام ہو،اس کا مقصد یہ تھا کہ امیر پر بھی سلام ہو اور اس کے ناک پر بھی سلام ہو،اس طرح سے وہ اسے ذلیل کیا کرتا تھا،ابن مقفع کبھی سفیان کی اس کی ماں کی وجہ سے بھی تحقیر کیا کرتا تھا،ایک دفعہ ابن مقفع نے سفیان کو لوگوں کی موجودگی میں خطاب کر کے کہا:''اے شہوت پرست عورت کے بیٹے،اس کے علاوہ وہ دوسری مجالس میں بھی بہت سے لوگوں کی تحقیر کیا کرتا تھا۔

سفیان اس دن کا منتظر تھا جس دن وہ اس سے اس کی بدگوئی کا انتقام لے سکے،حالات کچھ اس طرح سے ہوئے کہ منصور دوانیقی کے سگے بھتیجے عبداللہ بن علی نے اپنے چچا منصور کے خلاف خروج کیا اور منصور نے اس کے مقابلے کے لئے ابومسلم خراسانی کو بھیجا ابومسلم کامیاب ہوگیا اور عبداللہ فرار ہوکر اپنے بھائیوں سلیمان اور عیسیٰ سے پناہ حاصل کرلی۔

انہوں نے منصور سے اس کی سفارش کی اور منصور نے بھی ان کی سفارش منظور کرتے ہوئے اسے معاف کرنے کا وعدہ کیا۔

منصور کے چچا بصرہ آئے اور ابن مقفع کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تو ایک ادیب آدمی ہے اور تو ایک امان نامہ تحریر کر کے دے،اور وہ تحریر منصور کے سامنے پیش کریں گے۔

ابن مقفع نے امان نامہ کی عبارت کچھ اس طرح سے تحریر کی:

''اگر منصور نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کے ساتھ کوئی فریب کیا یا اسے کوئی تکلیف دی تو اس کی تمام دولت لوگوں کے لئے وقف ہوگی اور اس کے تمام غلام آزاد تصور کئے جائیں گے اور مسلمانوں کی گردن میں اس کی بیعت کا قلادہ باقی نہیں رہے گا''۔

جب یہ امان نامہ منصور کے سامنے پیش ہوا تو اُسے سخت غصہ آیا اور اس نے اس تحریر پر دستخط کرنے سے انکار کردیا پھر اس نے پوچھا کہ یہ تحریر کس نے لکھی؟اسے بتایا گیا کہ ابن مقفع نے اور اس نے حکم دیا کہ اسے قتل کردیا جائے۔

والی بصرہ نے ایک تنور روشن کرایا اور ابن مقفع کو پکڑ کر اس میں ڈال دیا،اور اس سے کہا کہ یاد ہے کہ تو ہمیشہ مجھے اور میری ماں کو گالیاں دیا کرتا تھا اور آج تو ان گالیوں کا مزہ چکھ،اور یوں ابن مقفع چھتیس سال کی عمر میں زندہ جلادیا گیا،اس طریقے سے اس کی موت واقع ہوئی۔[1]

[1] دنیای جوان،ص ٦٤۔جوان ٢/٦١

باب نمبر 68

غربت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ [۱]

شیطان تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تحفة المومن فی الدنیا الفقر" [۲]

"دنیا میں خدا کی طرف سے مومن کے لئے بہترین تحفہ غربت ہے"

مختصر تشریح:

معاشرے میں اکثر لوگ مادی فقر میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن ان کی اکثریت بے قناعتی اور بے صبری کا مظاہرہ کرتی ہے وہ پوری زندگی خداوند تعالیٰ کے شکوہ میں ہی بسر کرتے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں تو مفلسی سے تنگ آ کر کفر بھی اختیار کر لیتے ہیں، اور کچھ گناہان کبیرہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

غربت میں مبتلا شخص کو چاہیے کہ وہ خدا پر بھروسہ رکھے، حرص سے دوری اختیار کرے، قناعت اور صبر سے اپنی خودداری قائم رکھے، پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: میری امت کا سب سے بہترین طبقہ غرباء ہیں اور وہ باقی لوگوں سے پہلے جنت میں جائیں گے، فقر میرا فخر ہے اور فقیر میرا ہے، جنت فقراء کی مشتاق ہے اور فقراء اہل بہشت کے بادشاہ ہیں۔ [۳]

۱۔ ایک مفلس کی خودداری:

شیخ سعدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک خوددار مفلس کے بارے میں سنا جو بڑی مشکل سے اپنے ایام پورے کر رہا تھا،

---

[۱] سورۃ البقرۃ ۲۶۸۔

[۲] جامع السعادات ۲/۸۳۔

[۳] احیاء القلوب ص ۸۹۔

وہ اپنے لباس کوٹکڑے ٹکڑے کرکے دوبارہ اُسے پیوندلگایا کرتا تھااوراپنے دل کی تسلی کے لئے کہتا تھا کہ خشک روٹی کھا کر پشمینہ کالباس پہن کرزمین پر بیٹھ جانااورقناعت کرنااس سے بہت بہتر ہے کہ انسان کسی کااحسان مندہو۔

کسی شخص نے اس سے کہا کہ کیاتمہیں پتہ نہیں ہے کہ شہر میں ایک سخی انسان موجود ہے جوآزادذہن شخص کی بڑی خدمت کیا کرتا ہےاوردردمندوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا بڑا قائل ہےاورجاؤاسے اپنی غربت کی داستان سناؤاگروہ تیری حالت سے آگاہ ہوگیاتو تیرابڑااحترام کرے گا، تیری عزت بھی محفوظ رہے گی وہ تیرے لئے خوراک اورلباس کا انتظام کردے گا اورتو اس سے خوش ہوکرواپس آئے گا۔

اس مفلس خودار نے کہا: خاموش ہوجاؤ!کسی کے پاس حاجت لے کرجانے سے بہتر ہے کہ انسان پستی میں مرجائے، پارہ پارہ لباس کوصبروتحمل سے پہن لینااس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان دوسروں سے لباس مانگے، سچ یہ ہے کہ ہمسائے کی سفارش کے ساتھ جنت جانے سے جہنم میں جانازیادہ بہتر ہے۔[۱]

۲۔ فقیراوراس کی حالت زار:

ایک نابینابوڑھاشخص امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضرہوااورامیرالمومنینؑ سے مددکی درخواست کی۔

حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں سے دریافت کیا: یہ کون ہےاوراس کی حالت کیا ہے؟

کہنے والوں نے آپؑ کو بتایا کہ یہ ایک عیسائی شخص ہے،انہوں نے حضرت علیؑ کواس انداز میں بتایا کہ حضرت اس کوکچھ بھی عطانہ کریں۔

جب حضرت علی علیہ السلام نے یہ باتیں سنیں اورکہا کہ عجیب بات ہے جب تک یہ شخص کام کاج کرنے کے لائق تھا توآپ نے اس سے کام کاج لئے اورجب کہ آج جب یہ بڑھاپےاورغربت کی حالت میں پہنچ چکا توآپ لوگوں نے اسے تنہا اس کی حالت پہ چھوڑدیا۔

اس شخص کی حالت بتاتی ہے کہ جب یہ جوان تھاتومحنت کرکے روزی کماتا تھا، پھرآپؑ نے حکم دیا کہ اس شخص کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقررکردیاجائے تاکہ یہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔[۲]

۳۔ فقیرکے لئے گدائی چھوڑنابھی بہت مشکل ہے:

ملک حسین کورت(۷۷۱،۷۳۲)کے زمانے میں ایک شخص مولاناارشدی تھا جوپیشہ ورگداگرتھالیکن اس کی آوازبہت

---

[۱] حکایتہای گلستان ص۱۵۱۔

[۲] بامردم اینگونہ رفتارکنیم ص۳۰،تہذیب ۶/۲۹۲۔

ہی دلچسپ تھی اورلوگوں کواپنی زبان سے متاثر کرلیتا تھا۔

ملک حسین نے چاہا کہ شیراز کے بادشاہ شجاع کے پاس اپنا کوئی قاصدروانہ کرے تاکہ وہ اس کا مدعا اس کے سامنے بیان کرے، اوروہ چاہتا تھا کہ قاصد ایسا ہونا چاہیے جو اپنی زبان کی طراوت کے ساتھ مدمقابل کو قائل کرسکے، ملک حسین سے کسی نے کہا کہ مولانا ارشدی اس کام کے لئے انتہائی موزوں ہے البتہ اس میں یہ نقص ہے کہ وہ گداگر ہے۔

ملک حسین نے اُسے اپنے پاس طلب کیااوراس سے کہا کہ میں اہم کام کے لئے شیراز بھیجنا چاہتا ہوں لیکن تیرے اندر نقص یہ ہے کہ تو جہاں بھی جاتا ہے اپنی غربت کا رونا شروع کرکے لوگوں سے بھیک مانگنا شروع کردیتا ہے اگر تو مجھ سے عہد کرے کہ تو اپنی غربت کی وجہ سے وہاں جاکر گدائی نہ کرے گا تو میں تجھے پچیس ہزار دینار دیتا ہوں۔

اس نے بھی وعدہ کرلیا کہ وہ شیراز میں کسی کے آگے دست گدائی دراز نہیں کرے گا۔

اس کو پچیس ہزار دیناراوراسباب سفردے کر شیراز روانہ کیا گیا۔

وہ شاہ شجاع کے پاس پہنچااوراپنی چرب زبانی کی وجہ سے اسے اپنا گرویدہ بنالیا، جب بادشاہ نے اس کی گفتگوسنی تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ یہ شخص نماز جمعہ کے اجتماع سے گفتگو کرے تاکہ باقی لوگ بھی اس سے مستفید ہوسکیں۔

الغرض نماز جمعہ کے لئے بادشاہ اپنے اعیان مملکت کے ساتھ جامع مسجد میں آیا اور مولانا ارشدی سے کہا کہ تم اُٹھو لوگوں سے خطاب کرواورلوگوں کو وعظ ونصیحت کرو۔

مولانا ارشدی نے ایسے انداز سے وعظ ونصیحت کی کہ ہر شخص اس سے متاثر ہوااور ہر آنکھ اشک بار ہوگئی۔

لیکن ذہنی طور پر وہ گداگر تھااوراس کی گداگری کی عادت اس کے ذہن سے ابھی تک نہیں گئی تھی، اس نے اس وعظ کے دوران لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا: لوگو! مجھے تو قسم دے کر بھیجا گیا تھا کہ میں شیراز جاکر کسی سے کچھ نہ مانگوں، کیا تم لوگ بھی قسم کھا چکے ہو کہ مجھے کچھ نہیں دوگے، جولوگ رورہے تھے تو پھر اچانک ہنسنے لگے اور پھر لوگوں نے اس کی کافی مدد کی اوروہ راضی ہوکر وہاں سے واپس آیا۔[1]

۴۔ اعانت سادات کا اجر:

ایک سال عبداللہ بن مبارک حج کرنے جارہا تھا راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک عورت مردہ مرغی کے پر جدا کررہی ہے۔

یہ دیکھ کر عبداللہ بن مبارک اس عورت کے پاس گئے اورکہا بی بی اس کا کھانا شریعت اسلام میں حرام ہے۔

عورت نے کہا: آپ جائیں جس چیز کا آپ سے کوئی تعلق نہیں آپ اس کے متعلق کیوں گفتگو کرتے ہیں۔

عبداللہ نے جب زیادہ اصرار کیا تو اس عورت نے کہا تو سنو! میں ایک سیدزادی ہوں اور میری چار بیٹیاں ہیں میرے شوہر

---

[1] لطائف الطوائف،ص ۳۷۱۔

کی وفات ہوچکی ہے، آج ہمیں فاقہ کئے چوتھا دن ہے اس وقت ہم مضطر ہیں اور اس لئے ہمارے اوپر مردار حلال ہو چکا ہے، آج اتفاق سے یہ مردہ مرغی میرے ہاتھ لگی ہے میں اسے صاف کر کے خود بھی کھاؤں گی اور اپنی بچیوں کو بھی کھلاؤں گی۔

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے دل میں کہا، عبداللہ! وائے ہو تجھ پر اگر تو نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیا۔

میں نے اس سیدزادی کو اشارہ کیا کہ وہ اپنا دامن پھیلائے جب اس نے دامن پھیلایا تو میں نے حج کے زادراہ کے طور پر جو درہم رکھے ہوئے تھے وہ سب کے سب اس کی جھولی میں ڈال دیئے، سیدہ نے مجھ سے وہ رقم لے لی مگر اس کے چہرے پر شرمندگی اور ندامت کے آثار تھے۔

سیدزادی رقم لے کر اپنے گھر چلی گئی اور میں حج کئے بغیر اپنے گھر آیا، اور اللہ نے اس سال میرے دل سے مکہ جانے کی خواہش اٹھالی۔

جب حاجی مکہ سے واپس آئے تو میں اپنے اہل شہر کو مبارک دینے گیا اور جو بھی حاجی مجھے ملتا تو وہ بھی مجھے حج کی مبارک باد دیتا تھا اور کہتا تھا کہ تم فلاں مقام پر میرے ساتھ تھے، اللہ تعالیٰ تمہارا حج بھی قبول فرمائے۔

میں حجاج کرام کی باتیں سن کر انتہائی غمگین ہوا اور اس رات میں عالم خواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپؐ نے فرمایا: ''عبداللہ! تو نے میری اولاد میں سے ایک بچی کی مدد کی ہے میں نے اللہ سے تمہارے حق میں دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے تیری شکل وصورت کا ایک فرشتہ پیدا کیا، جو ہر سال قیامت تک تیرے لئے حج کرتا رہے گا اب تمہاری مرضی حج پر جاؤ یا نہ جاؤ''۔[1]

۵۔ سید جواد عاملی اور غریب ہمسایہ:

کتاب مفتاح الکرامہ کے مولف سید جواد عاملی کہتے ہیں کہ میں ایک شب کھانا کھانے میں مصروف تھا کہ کسی نے میرے دروازے پر دستک دی، میں سمجھ گیا کہ دستک دینے والا سید بحر العلوم کا نوکر ہے میں نے جلدی سے دروازہ کھولا تو نوکر نے کہا بحر العلوم کھانے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں میں نے نوکر کے ہمراہ ان کے گھر گیا انہوں نے مجھے دیکھتے ہی غصہ سے کہا کہ تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا؟

میں نے کہا آخر آقا جان کیا بات ہے؟

انہوں نے فرمایا: تمہارا ایک ہمسایہ جو کہ تمہارا ہم مذہب بھی ہے روزانہ شام کے وقت کھجوریں ادھار لیکر گھر جاتا ہے اس کے مالی حالات کسی اور خوراک کی اسے اجازت نہیں دیتے، اور پورا ہفتہ وہ بے چارا ادھار پر کھجوریں لے کر جاتا رہا اور آج جب

[1] نمونہ معارف ۲/۴۱۳۔لئالی الاخبار ص ۲۵۳۔

دکاندار سے کھجوریں لینے گیا تو دکاندار نے کہا تمہارے ذمہ اتنا ادھار ہو چکا ہے۔

شرمندگی کی وجہ سے اس نے کھجوریں نہ لیں اور اپنے گھر واپس چلا گیا اور آج شب ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے آج رات وہ اپنے خاندان سمیت فاقہ کرے گا۔

وہ تمہارا ہمسایہ اور ہم مذہب ہے وہ تو فاقے سے رہے اور تمہیں اس کی خبر تک نہیں اور تم خوب سیر ہو کر کھاؤ، یاد رکھو! اسلام ہمیں اس غفلت کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، پیغمبر اکرمؐ کا فرمان ہے ''ما امن بی من بات شبعان وجارہ جائع'' وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جس نے شکم سیر ہو کر رات گزاری ہو اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو''۔

یہ برتن کھانے سے بھرے ہیں نوکر کے ساتھ تم اس کے دروازے پر جاؤ اور اسے کہو کہ آج رات کا کھانا ہم مل کر کھائیں اور یہ کچھ رقم ہے اس رقم کو چٹائی کے نیچے رکھ کر آؤ کھانا کھانے کے بعد یہ برتن اسی کو دے دینا۔

سید جواد عاملی کہتے ہیں میں نے نوکر کے ساتھ غذا کے برتن اٹھائے اس شخص کے دروازے پر پہنچا اور اس کو صدا دی، وہ شخص باہر آیا تو میں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آج رات کھانا ہم دونوں اکٹھے کھائیں۔

جیسے ہی اُس نے برتنوں کو کھولا تو اس میں انواع واقسام کے کھانے پکے ہوئے تھے اس نے مجھ سے کہا یہ غذا تمہارے گھر کی مجھے نہیں لگتی، کیونکہ اس طرح کے امیرانہ کھانے کے تم عادی نہیں ہو، مجھے بتاؤ کہ تم یہ غذا کہاں سے لائے ہو، میں نے پورا واقعہ کہہ سنایا، تو اس نے کہا خدا کی قسم! ابھی تک میں نے کسی کو بھی اپنی حالت زار سے باخبر نہیں کیا، حتی کہ میرے قریبی ہمسائے تک بھی اس بات سے بے خبر ہیں یہ سید بحرالعلوم کا روحانی کرشمہ ہے کہ انہیں میری حالت کا علم ہو گیا، کھانا کھانے کے بعد میں نے سید کی دی ہوئی تھیلی اس کی چٹائی کے نیچے رکھی اس نے میرے سامنے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک سو پچاس ریال موجود تھے۔ [1]

[1] پندتاریخ ۱/۱۴۰، کلمہ طیبہ ص ۱۱۱۔

باب نمبر 69

قضاوت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ط [1]

''اوراللہ برحق فیصلہ کرتا ہے''

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

''من حکم فی درهمین بغیر ما انزل الله فهو کافر بالله العظیم'' [2]

''جوشخص حکم خداوندی سے ہٹ کر دو درہموں کے متعلق فیصلہ کرے تو وہ شخص اللہ کا منکر ہے''۔

مختصر تشریح:

دنیاوی کاموں میں سب سے زیادہ مشکل ترین کام قضاوت ہے وہ اس وجہ سے کہ اگر قاضی کسی سے میلان رکھتا ہو یا اپنی جہالت کی وجہ سے کوئی حکم صادر کرے یا اپنے ہوائے نفس کی وجہ سے کسی کا حق ضائع کرے یہ تمام باتیں لوگوں کے حقوق کو ضائع کرنے کے مترادف ہیں جس کی وجہ سے یوم آخرت قاضی کا حساب کتاب مشکل ہوجائے گا۔

اگر منصب قضاوت پر بیٹھنے والا اپنے فیصلے میں ذاتی خواہشات سے ہٹ کر اور عدل سے کام لے تو اسے بہترین ثمر عطا کیا جائے گا اور ایسے قاضی کی جگہ جنت میں ہوگی۔ اگر کسی سے مالی اور خاندانی اختلاف پیدا ہوجائے تو قاضی کو سوئی کے سرے کے برابر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، فیصلہ کرتے وقت اپنی دوستی اور دلی میلان کو نظر انداز کر دینا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ حق کس طرف ہے جس طرف حق ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

۱۔ امام علیہ السلام اور قوم جنات کا حاکم:

ایک دن حضرت امیر المومنین مسجد کوفہ میں منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک ایک بہت بڑا

[1] سورہ المومن آیت نمبر ۲۰۔

[2] سفینۃ البحار ۲/ ۴۳۶۔

اژدھامنبرکی طرف ظاہرہوا،وہ سیڑھیوں تک اوپر چڑھنے لگا یہاں تک کہ آپؑ کے قریب پہنچ گیا۔

وہاں پر بیٹھے ہوئے افراد ڈرنے لگے اور چاہا کہ اس اژدھا کو حضرتؑ سے دور کریں، امام علیہ السلام نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ اسے کچھ نہ کہو، وہ اژدھا جب آخری سیڑھی پر پہنچا تو حضرت نے اپنی گردن خم کی اور اس اژدھا نے آپؑ کے کان کے ساتھ منہ لگایا۔

لوگ حیران و پریشان ہوکر یہ منظر دیکھ رہے تھے اس وقت اژدھے نے امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ کچھ باتیں کیں جسے اکثر لوگوں نے اپنے کانوں سے سنا،حضرتؑ نے بھی اس کے جواب میں کچھ باتیں کیں جسے اژدھا بڑے غور سے سنتا رہا، کچھ دیر کے بعداژدھامنبر سے نیچے آیا۔

راوی بیان کرتا ہے خدا جانے اس کو زمین نگل گئی یا آسمان نے اُٹھالیا پھر وہ کبھی نظر نہ آیا۔

امام علیہ السلام اپنا خطبہ مکمل کر کے منبر سے نیچے تشریف لائے،لوگ آپؑ کے گرد جمع ہو گئے اور آپؑ سے اژدھا کے متعلق سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا:''جو کچھ تم نے سمجھا تھا ایسی کوئی بات نہیں بلکہ یہ قوم جنات کا حاکم تھا اور ایک فیصلہ کے متعلق یہ پریشان تھا اور وہ اپنے لئے مشکل تصور کرتا تھا وہ میرے پاس آیا اور اس کا فیصلہ دریافت کیا میں نے اسے فیصلہ سنا دیا تو وہ مجھے دعا دیتے ہوئے یہاں سے رخصت ہو گیا۔[1]

۲۔قاضی کا جھکاؤ اور اس کا عذاب:

امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک عالم تھا جو لوگوں میں فیصلے کیا کرتا تھا اور جب اس کا وقت آخر قریب آیا تو اپنی بیوی سے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے غسل دینا،کفن دینا اور تابوت میں میری لاش رکھ دینا اور میرے چہرے کو چھپا دینا،اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی نے اس کی وصیت پر عمل کیا بیوی کے دل میں کافی حسرت تھی کہ ایک دفعہ مکاشفہ کی صورت میں اپنے شوہر کو دیکھے،اللہ تعالیٰ نے اس عورت پر لطف وکرم کیا اور اس عورت نے حالت مکاشفہ میں دیکھا کہ اس کے شوہر کے ناک پر ایک کیڑا چڑھا ہوا ہے جو کہ اس کے ناک کو کاٹ رہا ہے،اپنے شوہر کو اس حال میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئی۔

دوسری رات اس نے دوبارا اپنے شوہر کو عالم خواب میں دیکھا اور اس سے اس کیڑے کے متعلق دریافت کیا تو قاضی نے جواب دیا کہ تیری محبت کی وجہ سے میں اس عذاب میں مبتلا ہوں، واقعہ کچھ یوں ہے کہ تیرے بھائی کا کسی شخص سے جھگڑا ہوا اتفاق سے تیرا بھائی حق پر تھا اور میں تیرے بھائی کی طرف میلان رکھتا تھا اگرچہ میرا فیصلہ حق پر مبنی تھا لیکن عذاب اس لئے مل رہا ہے کہ مقدمہ کی روائیداد سننے سے پہلے ہی میں تیرے بھائی کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا۔[2]

---

[1] الارشاد،ص ۱۸۳۔

[2] داستانھا و پندھا ۱ /۵۵۔انوارنعمانیہ ص ۱۵۔

۳۔ آخرت کا فیصلہ:

حضرت داؤد علیہ السلام نے پروردگار سے درخواست کی کہ پروردگار! تو جس طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اس کے متعلق مجھے بھی کچھ دکھا، حق تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ تو نے مجھ سے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جس کے بارے میں میں نے پہلے کسی کو مطلع نہیں کیا، اور یہ بات مناسب نہیں ہے کہ میرے علاوہ کوئی اس طرح سے فیصلے کرے جس طریقے سے میں نے فیصلے کرنے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے خداوند عالم سے دوبارہ یہی درخواست کی، حضرت جبرائیل امین نازل ہوئے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا، تو نے اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز کا مطالبہ کیا کہ تجھ سے پہلے کسی نبی نے یہ مطالبہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے تیری درخواست کو قبول کرلیا ہے اور کل جو آپؑ کے سامنے پہلا مقدمہ دائر ہوگا اُس کے متعلق تجھے حکم آخرت بتادیا جائے گا اور تم اس پر عمل کرنا۔

دوسرے دن صبح ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھے، ایک بوڑھا شخص اپنے ساتھ ایک جوان کو پکڑ کر لایا اس کے ہاتھوں میں انگور کا ایک خوشہ تھا اور آپ سے مخاطب ہوکر کہنے لگا رسول خداؑ یہ شخص میرے باغ میں داخل ہوا اور اس نے میرے انگور کے درختوں کو خراب کیا اور میری اجازت کے بغیر اس نے میرے انگور توڑ کر کھائے۔

داؤد علیہ السلام نے جوان سے کہا: جوان! تو اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتا ہے جوان نے کہا جو یہ بوڑھا کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے یہ کام میں نے اس کی اجازت کے بغیر سرانجام دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اگر تم آخرت کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو لیکن یہ بھی سن لو کہ بنی اسرائیل تیرے اس فیصلے کو قبول نہیں کریں گے یہ باغ اس جوان کے باپ کی ملکیت تھا اور یہ جو بوڑھا شخص اس کو پکڑ کر لایا ہے اس نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا اس بوڑھے نے اس کے باپ کے چالیس ہزار درہم غصب کر لئے تھے اور قتل کرنے کے بعد اس بوڑھے نے دولت سمیت اس کے باپ کو باغ کے ایک کونے میں دفن کر دیا، تم تلوار اٹھاؤ اور اس جوان کو دو اور اس سے کہو کہ اس بوڑھے کو اپنے باپ کے قصاص میں قتل کر دے، اس بوڑھے کا باغ اس جوان کو دو اور اس سے کہو کہ باغ کے فلاں کونے کو کھود کر اپنی رقم حاصل کرے۔

داؤد علیہ السلام نے جب یہ حکم سنا تو گھبرائے اور حکم آخرت کے مطابق اس فیصلے کا اجراء کیا۔[1]

۴۔ یہودی اور امامؑ قاضی کے سامنے:

ایک دفعہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام مسجد کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ آپؑ نے دیکھا کہ ایک یہودی جس کا نام عبداللہ

---

[1] حیوۃ القلوب ۱/۳۳۳۔

بن قفل تھا اور وہ بنی تمیم سے تعلق رکھتا تھا مسجد کے سامنے سے گزرا جس کے ہاتھ میں زرہ تھی، امام علیہ السلام کی نگاہ اس زرہ پر پڑی تو امام علیہ السلام نے فرمایا یہ زرہ طلحہ بن عبداللہ کی ہے جو غنیمت کے طور پر جنگ بصرہ میں میری ہاتھ آئی تھی اس شخص نے خیانت کی ہے۔

اس یہودی کو بلایا گیا اور امامؑ اس یہودی کو لیکر قاضی کے پاس گئے اور وہاں جا کر امامؑ نے اپنا دعویٰ بیان کیا کہ یہ زرہ میری ہے اور اس شخص نے خیانت کر کے یہ اٹھائی ہوئی ہے۔

قاضی شریح نے کہا: ''اگر یہ زرہ آپ کی ہے تو آپ کوئی گواہ پیش کریں''

امام علیہ السلام نے اپنے بیٹے جناب حسن علیہ السلام کو بطور گواہ پیش کیا تو قاضی شریح نے کہا: ''ایک شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی اور بیٹے کی باپ کے حق گواہی کوئی فائدہ نہیں دیتی''۔

امام علیہ السلام نے اپنے غلام قنبر کو بطور گواہ پیش کیا تو قاضی نے حضرت قنبر کی گواہی قبول نہ کی اور کہا کہ غلام کی گواہی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

امام علیہ السلام نے ناراض ہو کر یہودی سے کہا تم یہ زرہ لے لو اور چلے جاؤ، پھر آپؑ نے قاضی سے مخاطب ہو کر کہا کہ قاضی تو نے اپنے فیصلے میں تین غلطیاں کی ہیں۔

قاضی نے کہا کہ میں نے کون سی تین غلطیاں کی ہیں:

امام نے فرمایا کہ تجھ پر ہلاکت ہو کہ خیانت کے مقدمہ میں گواہ ضروری نہیں ہوتا بلکہ جس شخص کے پاس کوئی چیز موجود ہوتی ہے گواہ اس سے طلب کئے جاتے ہیں۔

تیری دوسری غلطی یہ ہے کہ میں نے اپنے فرزند حسنؑ مجتبیٰ کو بطور گواہ پیش کیا اور تو نے اس کی گواہی قبول نہیں کی جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شاہد اور ایک مدعی کی قسم کو ملا کر فیصلہ کیا کرتے تھے اور تیری تیسری غلطی یہ ہے کہ تو نے یہ کہہ کر کہ میں ایک غلام کی گواہی قبول نہیں کرتا اور اس کی گواہی قبول نہ کی، سنو اگر غلام عادل ہو تو اُس کی گواہی قابل قبول ہوتی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا تم پر ہلاکت ہو مسلمانوں کا امامؑ اتنی بڑی سرزمین کا امین تو بن سکتا ہے تو کیا اس کا یہ چھوٹا سا دعویٰ قابل قبول نہیں ہے جب مرد یہودی نے یہ واقعہ اور فیصلہ دیکھا تو کہا سبحان اللہ! امیر المومنین مجھے قاضی کے پاس لائے اور انہی کے مقرر کردہ قاضی نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا اس کے باوجود وہ راضی ہو گئے اور کہا امیر المومنینؑ آپ نے بالکل درست فرمایا کہ یہ زرہ آپؑ کی ہے میری نہیں، یہ آپؑ کی خورجین سے گری تھی اور میں نے اٹھالی پھر اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا، حضرت علی علیہ السلام نے وہ زرہ اس کو بخش دی اور اس کے علاوہ اس نومسلم مرد کو نوسو درہم یا بعض روایت کے مطابق نوسو دینار عطا کئے۔ [1]

---

[1] پیغمبر و یاران ۳/۲۸۶۔ بحار الانوار ۴/۳۰۲۔

۵۔ آنکھ اندھی ہوگئی:

حضرت عثمانؓ کے دورخلافت میں اُن کے ایک غلام نے ایک صحرائی عرب کوطمانچہ مارا جس سے اس کی آنکھ ضائع ہوگئی۔

اس صحرائی عرب نے حضرت عثمانؓ کے پاس اس کی شکایت کی:

حضرت عثمان نے کہا کہ ہم اس کی دیت دینے پر رضا مند ہیں، اس شخص نے قبول نہیں کیا اور کہنے لگا کہ نہیں میں قصاص ہی لوں گا، حضرت عثمان نے کہا کہ ہم تجھے دوہری دیت دینے پر تیار ہیں اس شخص نے پھر بھی قبول نہ کیا اور کہا کہ نہیں میں قصاص ہی لوں گا۔

حضرت عثمانؓ نے یہ مقدمہ امیرالمومنینؑ کی خدمت میں بھیجا امام علیہ السلام نے پہلے تو اس شخص سے کہا کہ دیت پر راضی ہو جاؤ لیکن وہ شخص راضی نہ ہوا امام علیہ السلام نے فرمایا تم دوگنا دیت لے لو، اس نے کہا نہیں میں قصاص ہی لوں گا۔

امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ خلیفہ کے غلام کو سامنے پیش کیا جائے جب غلام حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کچھ روئی لی اور ایک آئینہ طلب فرمایا اور آپ نے وہ روئی کسی چیز سے تر کی اور اس روئی کو اس کی آنکھوں کے اطراف میں رکھی اور اس کے سامنے ائینہ رکھ دیا، اور آئینہ کی شعاعیں اس غلام کی آنکھوں پر پڑ رہیں تھی اور امامؑ نے غلام کو حکم دیا کہ آنکھیں کھول کر رکھو، غلام آنکھیں کھول کر بیٹھا رہا، آئینہ کی شعاعیں مسلسل اس کی آنکھوں کے اندر پڑتیں رہیں کچھ دیر کے بعد اس کی آنکھیں اندھی ہوگئیں یوں امام علیہ السلام نے آنکھ کا قصاص لیا۔

باب نمبر 70

قرض

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

"مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا"[۱]

''کوئی ہے جواللہ کوقرض حسنہ دے''

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"مکتوب علی باب الجنۃ الصدقۃ بعشرۃ والقرض بثمانیہ عشر"[۲]

''بہشت کے دروازے پرتحریر ہے کہ صدقہ کی جزادس گنازیادہ اورقرض دینے کی جزااٹھارہ گنازیادہ ہے''۔

مختصرتشریح:

ضرورت مندافرادکوقرض دیناسخاوت کی علامت ہےاس سےلوگوں کی مشکلات حل ہوتی ہیں،بعض افرادتھوڑی سی مددکے محتاج ہوتے ہیں اوراگراُن کی تھوڑی سی مددکردی جائےتواُن کومشکلات سے چھٹکارامل سکتاہے۔

مومن بھائی کوقرض دیناصدقہ دینے سے زیادہ افضل ہےاس سےمعلوم ہوتاہےکہ دین اسلام نےاس لئےاس کورائج کیا تاکہ اسلامی معاشرہ سودکی لعنت سےمحفوظ رہے۔

اللہ تعالیٰ قرض دینے والے کےرزق میں اضافہ کرتاہےاوراس کےاعلیٰ اخلاق میں مزیداضافہ کرتاہےجوشخص قدرت رکھنے کے باوجودلوگوں کوقرض حسنہ دینے میں کوتاہی کرتاہےتواللہ تعالیٰ اسےشخص کےرزق میں کمی کردیتاہےاوراسےفقروفاقہ میں مبتلاکردیتاہے۔

ا۔ ابودحداح:

جب اللہ تعالیٰ نےاپنےحبیب پریہ آیت نازل کی''من ذاالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضا عفہ لہ''تم

[۱] سورۃ البقرہ ۲۴۵۔

[۲] جامع السعادات ۲/۱۸۹۔

میں سے کون ہے جوخدا کوقرض حسنہ دے اوراللہ اُسے اضافہ کے ساتھ واپس کردے'' (سورہ بقرہ ۲۴۵) توابودحداح نے جب یہ سنی توحضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوااورعرض کی: ''یارسول اللہ! میں آپؐ پرقربان جاؤں اللہ ہم سے قرض مانگ رہاہے جبکہ کائنات کا سب سے بڑا غنی تو وہی ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''جی ہاں! وہ چاہتاہے کہ اس بہانے تجھے جنت میں داخل کرے''۔

ابودحداح نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں اپنے خدا کوقرض دینا چاہتا ہوں شرط یہ ہے کہ آپؐ میری جنت کے لئے ضامن بنیں''۔

آپؐ نے فرمایا: ''جی ہاں! میں تجھے ضمانت دیتا ہوں کہ جوبھی خدا کوقرض دے گا اللہ تعالیٰ بہشت میں اسے کئی گنا زیادہ جزادے گا''۔

ابودحداح نے کہا: ''یارسول اللہ کیا جنت میں میری بیوی اُم دحداح بھی میرے ساتھ ہوگی؟'' آپؐ نے فرمایا: ''بے شک وہ بھی جنت میں تیرے ساتھ ہوگی، اس کے بعد اس نے کہا: ''کیا یارسول اللہ میری بیٹی بھی جنت میں ہمارے ساتھ ہوگی؟ آپ نے فرمایا: 'جی ہاں وہ بھی تمہارے ساتھ جنت میں ہوگی''۔

پھراس نے کہا: ''آپ ہاتھ آگے بڑھائیں اور مجھ سے وعدہ کریں''۔

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اسے وعدہ دیا، ابودحداح نے کہا: ''یارسول اللہ میرے پاس دو باغ ہیں اور میں دونوں باغ اللہ تعالیٰ کوبطورقرض دے رہا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی جزاعطافرمائے۔

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ ''ایسا کروایک باغ خودرکھ لواورایک باغ اللہ تعالیٰ کوقرض دے دو، اس نے کہا؛ ''یارسول اللہ! میں آپ کوگواہ بنا کرکہتا ہوں کہ ان میں سے میں بہترین باغ اللہ تعالیٰ کوبطورقرض دیتا ہوں جس میں میرے ہاتھوں سے لگی ہوئی چھ سوکھجوریں موجود ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا تجھے بہشت میں اس کی بہترین جزادے گا، ''جب ابودحداح رسولؐ پاک سے یہ معاہدہ کرکے اپنے گھرواپس آئے توانہوں نے یہ واقعہ اپنی بیوی اور بیٹی کوسنایا جسے سن کروہ بے حدخوش ہوئیں۔ [1]

۲۔ امام نے مقروض کا قرض ادا کیا:

ایک دن زین العابدین محمد بن اسامہ کی عیادت کوتشریف لے گئے وہ بہت بیمار تھے اور امام نے دیکھا کہ محمد بن اسامہ رورہا تھا آپؑ نے اس سے رونے کی وجہ دریافت فرمائی تو اس نے عرض کیا: ''حضور میں بہت مقروض ہوں اوراب مجھ پرموت طاری ہونے والی ہے اور مجھ سے میرا قرض ادا ہی نہیں ہوسکا، امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تیرے اوپرکتنا قرض واجب الاداء ہے اس نے

[1] عنوان الکلام ص ۱۷۵۔

کہا جناب میں پندرہ ہزار دینار کا مقروض ہوں، امام علیہ السلام نے فرمایا: ''کوئی بات نہیں میں تمہارا قرض ادا کردیتا ہوں چنانچہ امام علیہ السلام نے اس کی زندگی ہی میں اس کا قرض ادا کردیا۔[1]

۳۔مقروض کومہلت دینے کا ثمر:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جوشخص یہ چاہتا ہو کہ اسے اس دن پناہ ملے جس دن کوئی پناہ نہ ہوتو اسے چاہیے کہ اپنے مقروض کو قرضے کی ادائیگی کے لئے مہلت دے یا اسے اپنا حق معاف کردے، ایک دن سخت گرمی کے دنوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے سر پر سایہ کیا ہوا تھا اور فرمارہے تھے کہ تم سے کوئی ہے جو جہنم کی گرمی سے بچنا چاہتا ہو اور سایہ کا خواستگار ہو آپؐ نے یہ جملہ تین مرتبہ دوہرایا۔

لوگوں نے ہر بار یہ کہا کہ یا رسول اللہؐ! آپؐ اس کی وضاحت کریں؟

آپؐ نے فرمایا تو سنو جوشخص اپنے مقروض کی تنگ دستی کی وجہ سے اس پر اپنا قرض معاف کردے یا اُسے کچھ دنوں کی مہلت دے دے تو اللہ اسے قیامت کے دن جہنم کی گرمی سے بچائے گا اور اپنے سایہ میں جگہ عطا کرے گا۔[2]

۴۔ نادان مقروض:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے شب معراج میں بہت کچھ دیکھا اور میں نے وہاں ایک کمزور شخص کو دیکھا جس نے لکڑیوں کا ایک گٹھا اُٹھایا ہوا تھا اور اسے چلنے میں کافی دشواری ہورہی تھی لیکن جیسے ہی وہ آگے گیا تو اس نے ایک اور گٹھا اٹھانا چاہا میں نے تعجب کیا کہ یہ کیسا انسان ہے اس سے پہلا گٹھا تو بڑی مشکل سے اٹھایا جارہا ہے لیکن وہ دوسرا بھی اُٹھانا چاہ رہا ہے۔

میں نے جبرائیل امینؑ سے یہ ماجرا پوچھا تو اس نے کہا: ''یا رسول اللہ! عالم مثال میں خداوندتعالیٰ نے آپ کو مقروض شخص دکھایا ہے یہ اپنے قرض کی ادائیگی کرنا چاہتا ہے لیکن ابھی اس کا پچھلا قرض ادا نہیں ہوتا تو وہ اور قرض لینے پر آمادہ ہوجاتا ہے اور یوں اپنے قرض میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔[3]

۵ ۔ مقروض اور نماز میت:

معاویہ وہب بیان کرتا ہے کہ ایک دن میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: ''ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص کی وفات ہوئی جو مقروض تھا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی اور فرمایا تھا کہ

---

[1] شنیدنیھای تاریخ ص ۱۴۶ محجۃ البیضاء ۴/۲۳۴۔

[2] علم اخلاق اسلامی۔ ۲/ ۲۱۴۔

[3] غونہ معارف ۵/۲۵۳ لئالی الاخبار۔

پہلے اس کا قرض ادا کرو اس کے بعد میں اس کی نماز جنازہ پڑھوں گا۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "یہ حدیث صحیح ہے اور سچ ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا اس لئے کیا تھا تا کہ واضح ہو جائے کہ قرض کی ادائیگی کتنی ضروری ہے اور لوگ اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں، ورنہ ایسا نہیں ہے کہ مقروض کی نماز جنازہ جائز ہی نہ ہو، خدا کی قسم پیغمبر خدا، حضرت علی، حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ دنیا سے وفات کے وقت سب کے سب مقروض تھے اور بعد میں اُن کا قرض ادا کیا گیا، امام زین العابدینؑ نے اپنا ایک باغ فروخت کر کے امام حسینؑ کا قرض ادا کیا تھا جو کہ تین لاکھ درہم تھا اور حضرت امام حسنؑ نے اپنی جائیداد فروخت کر کے حضرت علی علیہ السلام کا قرض ادا کیا تھا اور حضرت امیر المومنینؑ مسلسل تین سال تک حج کے دوران اجتماعات میں یہ اعلان کرواتے رہے ہیں کہ اگر کسی نے رسول اکرمؐ سے کچھ قرض لینا ہو تو وہ مجھ سے لے سکتا ہے۔[1]

[1] سفینۃ البحار ۷۷ /۱/۴۔

باب نمبر 71

قرآن

قرآن مجید میں ارشاد خداوند کریم ہوتا ہے:

"اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ"[۱]

''یہ قرآن یقینا اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھی ہے''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ما امن بالقرآن من استحل محارمه"[۲]

جو شخص قرآن مجید کے محرمات کو حلال سمجھے وہ شخص دراصل قرآن پر ایمان ہی نہیں لایا۔

مختصر تشریح:

قاری قرآن کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، خشوع رکھنے والے دل کی، مشاغل سے آزاد جسم کی اور ایک خالی مقام کی۔

جب قاری یہ محسوس کرے کہ اس کا دل اس وقت خدا کے سامنے خشوع کی صورت میں ہے تو وہ شیطان رجیم سے دور ہو جائے گا اس حالت میں اسے قرآن مجید ضرور پڑھنا چاہیے۔

جب اسباب دنیوی سے انسان فارغ ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو اُس کا دل لذت محسوس کرے گا جب وہ اکیلے مقام پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو اس کی روح اللہ تعالیٰ سے محبت قائم کرے گی اور وہ یوں محسوس کرے گا جیسے وہ خدا سے براہ راست ملاقات کر رہا ہو، اس ذریعے سے اُسے بے حد لطف محسوس ہوگا اور یوں قرآن مجید کے بہت سے نکات اس پر واضح ہو جائیں گے۔[۳]

---

[۱] سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۔

[۲] سفینۃ البحار ۲/۴۱۵۔

[۳] تذکرۃ الحقائق ص ۱۶۔

ا۔ خلق یا خالق کی طرف توجہ:

ایک شخص کی عادت تھی کہ وہ مسلسل حضرت عمرؓ بن خطاب کے دروازے پر آتا تھا اور اُن سے مادی اشیاء کا تقاضا کرتا تھا، حضرت عمرؓ اُس کی مدد کرتے کرتے تھک گئے ایک دن انہوں نے کہا کہ تم نے خانہ خدا کی طرف ہجرت کی ہے یا عمرؓ کے دروازے کی طرف ہجرت کی ہے، جاؤ جا کر قرآن مجید پڑھو اور قرآنی تعلیمات پر عمل کرو، جب تو قرآن مجید پڑھے گا تو تجھے میرے دروازے پر آنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوگی۔

وہ شخص وہاں سے چلا گیا کئی مہینوں تک وہ شخص دوبارہ حضرت عمرؓ کے پاس نہ آیا، حضرت عمرؓ نے جب اُس کی جستجو کی تو انہیں معلوم ہوا کہ اس شخص نے لوگوں سے دوری اختیار کر لی ہے اور ایک خالی مقام پر بیٹھ کر خدا کی عبادت کیا کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ اُس شخص کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ہم تیرے دیدار کے مشتاق ہیں اور تجھ سے تیرا حال احوال دریافت کرنے کے لئے ہم تیرے پاس آئے ہیں کیا وجہ ہوئی کہ تو نے مدت سے ہم سے تعلقات ختم کر لئے ہیں؟

اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں نے قرآن پڑھا جس نے مجھے عمر اور آل عمر سے بے نیاز کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے اس شخص سے کہا کہ تو نے کونسی ایسی آیت پڑھی جس کی وجہ سے تو نے یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے؟

اس شخص نے کہا کہ جب میں قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیت تک پہنچا جہاں خدا نے کہا ہے ''وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ'' تمہارا رزق آسمانوں میں موجود ہے اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ بھی آسمانوں میں موجود ہے تو پھر میں اُسے زمین پر کیوں تلاش کر رہا ہوں۔[۱]

حضرت عمرؓ نے جب اس کی باتیں سنی تو بہت متاثر ہوئے اور اس شخص سے کہا کہ واقعی آپ ٹھیک کہہ رہے ہو۔[۲]

۲۔ پیغمبر اکرمؐ اور قرآن مجید:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک خاصیت یہ تھی آپؐ قرآن مجید سے بہت زیادہ مانوس تھے سعد بن ہشام کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرمؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اخلاق پیغمبر قرآن تھا جو کچھ قرآن نے کہا اسی طرح سے رسول اکرمؐ نے عمل کیا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید پڑھتے تھے تو آپ کی قرآن پڑھنے کی صدا سب قاریوں سے دلربا ہوتی تھی۔

---

[۱] سورۃ الذاریات آیت نمبر ۲۲۔

[۲] حکایتھای شنیدنی ۲/۶۵۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمت گذار انس بن مالک کا بیان ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی تلاوت کرتے تھے تو بلند آواز سے کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود مشہور قاری قرآن اور کاتب وحی بھی تھے ایک دن رسول خداؐ نے فرمایا: ''ابن مسعود! تم مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ''۔

ابن مسعود کہتا ہے کہ میں نے سورہ مبارکہ النساء کی تلاوت شروع کی جب میں سورۃ النساء کی اکتالیسویں آیت پر پہنچا جس میں خداوند کریم نے فرمایا ہے:

''و کیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بك علی هولاء شهیدا'' وہ کیسا وقت ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ کو لائیں گے اور آپ کو ان سب کا گواہ بنا کر لائیں گے۔

جب رسول خداؐ کے سامنے میں نے یہ آیت تلاوت کی تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور مجھ سے فرمایا کہ بس یہی کافی ہے۔[1]

۳۔ احمد بن طولون:

احمد بن طولون مصر کا ایک بادشاہ گزرا ہے جب اُس کی وفات ہوئی تو حکومت وقت نے ایک قاری قرآن کو بہت زیادہ تنخواہ پر ملازمت دے کر اسے حکم دیا کہ وہ سلطان مصر کی قبر پر قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہے، کچھ عرصہ تک وہ قاری اس کی قبر پر قرآن مجید پڑھتا رہا اور کچھ عرصے کے بعد اطلاع ملی کہ قاری چھوڑ کر کہیں چلا گیا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلا گیا ہے؟

اس کی کافی جستجو کی گئی کہ وہ کہاں چلا گیا، جب اسے کافی کوشش کے بعد تلاش کیا گیا تو حکومتی ارکان نے اس سے پوچھا کہ تم نے احمد بن طولون کی قبر پر قرآن مجید پڑھنا کیوں ترک کر دیا ہے؟ تو اس نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، بس اتنا کہا کہ میں اب اس جگہ پر قرآن نہیں پڑھوں گا۔

حکومتی ارکان نے اس سے کہا کہ ہم تمہاری تنخواہ دوگنا کر دیتے ہیں تو اس نے کہا اگر تم میری تنخواہ دس گناہ بھی کر دو تب بھی میں اس کی قبر پر قرآن مجید نہیں پڑھوں گا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ تم اس کی قبر پر قرآن کیوں نہیں پڑھتے؟ جب اسے زیادہ مجبور کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ اس کا سبب یہ ہے کچھ راتیں قبل مجھے خواب میں احمد بن طولون نظر آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو میری قبر پر قرآن کیوں پڑھتا ہے؟ میں نے جواب میں کہا کہ حکومت وقت نے میرے فرائض میں یہ شامل کیا ہے کہ میں تیری قبر پر قرآن خوانی کروں تا کہ قرآن مجید کی برکت تجھ تک پہنچے۔

اس نے کہا کہ نہیں تو جب قرآن پڑھتا ہے تو میرے عذاب میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور فرشتے مجھ سے کہتے ہیں کہ سن

[1] داستانھای از زندگی پیامبرؐ ۶۳۔ بحار الانوار ۲۶/۳/ ۹۲۔

رہے ہوا گر دنیا میں تو قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرتا تو تیرا یہ انجام نہ ہوتا۔

اس لئے میں نے اس کی قبر پر قرآن مجید پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور میں آئندہ اس غیر متقی شخص کی قبر پر قرآن مجید نہیں پڑھوں گا۔

۴۔ پانچ سوقرآن نیزوں پر:

جنگ صفین میں ایک ایسا مرحلہ آیا ہے جب معاویہ کو احساس ہو گیا کہ اس کی شکست یقینی ہے تو اس نے عمروعاص سے مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے تا کہ ہم حتمی شکست سے بچ سکیں، عمروعاص نے اُسے تجویز دی کہ جتنے بھی قرآن مجید لشکر میں موجود ہیں سب کو نیزوں پر بلند کیا جائے اور عراق کے لوگوں سے کہیں کہ قرآن مجید کے فیصلے کے مطابق حکومت کا اعلان کیا جائے۔

حضرت علیؑ کے صحابی ابوطفیل کہتے ہیں لیلۃ الھریر کی صبح ہم نے مشاہدہ کیا کہ لشکر شام کے آگے ہمیں پرچم کی مانند کوئی چیز دکھائی دی، جب روشنی پھیلی تو ہم نے دیکھا کہ انہوں نے نیزوں کے ساتھ قرآن باندھے ہوئے تھے، دمشق کی مسجد کا جو سب سے بڑا قرآن تھا لوگوں نے اُسے تین نیزوں سے باندھ کر آگے آگے اٹھایا ہوا تھا اور لشکر کے پانچوں حصوں میں قرآن مجید موجود تھے اور ہر حصے میں ایک ایک سو قرآن مجید موجود تھا مجموعی طور پر پانچ سو قرآن نیزوں کے اوپر باندھے ہوئے تھے اور وہ عراق کی فوج کے سامنے لائے گئے اور شامیوں نے نعرے بلند کئے کہ خدا کے لئے مسلمانو! اپنے دین کو قتل ہونے سے بچاؤ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے اس کے فیصلے کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور تم بھی تسلیم کرو۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''پروردگار! تو بہتر جانتا ہے ان کا مقصود قرآن نہیں ہے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر، بے شک تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

جب لشکر شام نے قرآن نیزوں پر بلند کیا تو امام علیہ السلام کے اصحاب میں اختلاف پیدا ہو گیا کچھ سادہ لوح لوگ کہنے لگے کہ اب ہمارا ان سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ ہمیں قرآن کی طرف بلاتے ہیں اور ہمیں قرآن کا احترام کرنا چاہیے، دوسرے گروہ کا قول یہ تھا کہ معاویہ کا مکروفریب ہے اس کے مکروفریب میں نہ آؤ، ورنہ اپنی جیتی ہوئی جنگ ہار جاؤ گے، الغرض وہ لوگ جو جنگ بندی کے قائل تھے اُن کا مقصد پورا ہو گیا اور معاویہ کو جنگ سے آزادی مل گئی اور بلا آخر معاویہ نے پورے عالم اسلام پر قبضہ کر لیا۔[1]

۵۔ نپولین:

ایک دن نپولین نے مسلمانوں کے بارے میں سوچا اور لوگوں سے پوچھا کہ ان کا مرکز کہاں ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ اُن کا مرکز مصر میں ہے، وہ ایک مترجم کو لیکر ملک مصر آیا اور وہاں آکر وہ ایک لائبریری میں گیا، مترجم نے قرآن مجید کو کھولا اور اس میں سے یہ

[1] شاگردان مکتب آئمہ، ص ۳۷۲۔

آیت پڑھی ''اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ''

بے شک قرآن سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے اور اہل ایمان کو بشارت دیتا ہے جب اُس نے یہ آیت سنی تو کہا ٹھیک ہے اب ہمیں لائبریری سے جانا چاہیے رات کو نپولین ساری رات اس آیت کے متعلق سوچتا رہا۔

دوسرے دن وہ پھر لائبریری آیا اور مترجم سے قرآن مجید سنتا رہا۔

تیسرے دن بھی مترجم نے اس کو کچھ آیات کا ترجمہ سنایا تو نپولین نے مترجم سے قرآن مجید کے بارے میں پوچھا تو مترجم نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس کے پیغمبر اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی، اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق یہ کتاب قیامت تک ہدایت ہے۔

نپولین نے کہا کہ جو کچھ سن کر میں اس کتاب سے استفادہ کر سکا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر مسلمان اس جامع کتاب سے مستقل طور پر استفادہ کریں تو وہ کبھی بھی ذلیل وخوار نہیں ہوں گے، دوسرا نکتہ جو میں نے حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب تک قرآن مسلمانوں میں موجود رہے گا اور مسلمان اس کے فیصلوں پر عمل کرتے رہیں گے اس وقت تک مسلمان اہل مغرب کے غلام نہیں بن سکتے، اسی لئے ہم اہل مغرب کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم مسلمانوں اور قرآن کے درمیان جدائی ڈالیں۔[1]

[1] راہنمائی سعادت ۲/ ۴۷۸۔

باب نمبر 72

قضاء وقدر

قرآن مجید میں ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

"وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا"[۱]

جس نے ہر چیز کو خلق فرمایا پھر ہر ایک کو اپنے اندازے میں مقدر فرمایا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"فی قضاء اللہ کل خیر للمومنین"[۲]

''اللہ تعالیٰ کی ہر قضاوقدر میں مومن کے لئے خیر وخوبی پوشیدہ ہوتی ہے''۔

مختصر تشریح:

قضاوقدر کے عقیدے کا تعلق علم الکلام کے مسائل میں سے ہے یہ انتہائی پیچیدہ مسئلہ ہے جو ہر انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

مومن کو چاہیے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے چاہے وہ فقر، دولت، موت وزندگی، سلامتی ومرض وغیرہ کی شکل میں ہو اس میں بہتری ہے۔

اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور اپنے بندوں کی مصلحتوں کو اچھی طرح سے جانتا ہے اور ہر شخص کی مصلحت کے مطابق اس کی تقدیر کو بناتا ہے۔

اگر انسان اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر ایمان رکھتا ہو تو پھر کسی بھی پریشانی کی حالت میں اس کا دل مغموم نہیں ہوگا اور وہ ہر وقت اور ہر حالت میں خوشی محسوس کرے گا اور وہ کبھی بھی شیطانی افعال سے دوچار نہیں ہوگا۔

ا۔ زنجیر پا:

محمد مھلبی وزیر بیان کرتا ہے کہ وزارت سے پہلے ایک دفعہ ہم بذریعہ کشتی بصرہ سے بغداد کی طرف روانہ ہوئے، اس کشتی

---

[۱] سورہ الفرقان آیت نمبر ۲۔

[۲] بحارالانوار ۷۱/۱۵۲۔

میں ایک شوخ مزاج شخص بیٹھا ہوا تھا وہ تمام لوگوں سے ہنسی مذاق کررہا تھا اس کے دوستوں نے مذاق مذاق میں اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی، کچھ دیر کے بعد انہوں نے چاہا کہ اس کے پاؤں کی زنجیر نکالیں تو وہ زنجیر کسی سے نکل نہ سکی۔

جب ہم بغداد پہنچے تو وہاں ایک لوہار کو طلب کیا کہ اس زنجیر کو کاٹو اور اس شخص کو آزاد کرو، لوہار نے کہا یہ شخص زنجیر میں جکڑا ہوا ہے جب تک قاضی مجھے حکم نہیں دے گا میں اس وقت تک یہ زنجیر نہیں کاٹ سکتا۔

کشتی والے اس شخص کو لیکر قاضی کے پاس گئے اور قاضی سے سارا واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ لوہار کو حکم دیں تا کہ وہ اسے ان زنجیروں سے آزاد کرے، ابھی قاضی نے یہ حکم جاری نہیں کیا تھا اس اثنا میں ایک جوان قاضی کی محفل میں آیا اور بہت گھور گھور کر اُس شخص کو دیکھا جو زنجیر میں پابند تھا اور کہا کیا تو وہ نہیں ہے جس نے بصرہ میں میرے بھائی کو قتل کیا تھا اور بھاگ گیا اور مدت سے میں تیری تلاش میں ہوں، چنانچہ قاضی نے اسے اس وقت گرفتار کرلیا اور بصرہ سے کچھ لوگ آئے اورانہوں نے گواہی دی کہ واقعی یہ شخص قاتل ہے۔

قاضی نے گواہوں سے گواہی لیکر اس شخص پر قصاص جاری کیا سب کو تعجب ہوا کہ عجیب مقدر کی بات تھی کہ دوستوں نے دریا کے اندر اس کے پاؤں میں زنجیر ڈالا اور پھر وہ حکومتی تحویل میں چلا گیا اور قصاص میں قتل ہوگیا۔[1]

۲۔ آسمان سے مچھلیوں کی بارش:

خداوندتعالیٰ کی قضا وقدر بھی عجیب ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی قضا وقدر کے ذریعے اپنے بندوں کی بھلائی چاہتا ہے شیخ محمد حسن مولوی بیان کرتے ہیں کہ جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی تو میں جنگ کے خاتمہ پر بحرین گیا۔

اہل بحرین جنگ کی وجہ سے کافی پریشان تھے اوراُن کے پاس اشیاءخوردونوش کی انتہائی قلت ہوگئی تھی، اور ہر قسم کے غلے وہاں پر ناپید ہو چکے تھے نہ تو وہاں گندم تھی نہ چاول تھا اور نہ ہی کوئی دالیں وغیرہ تھیں، سب لوگ پریشان تھے کہ اب کیا کیا جائے اس پریشانی کے عالم میں لوگ مسجد حسینیہ میں جمع ہوئے اور اللہ تعالیٰ کو حضرت محمد وآل محمد کا واسطہ دیا۔

کچھ دیر بعد ہم نے دیکھا کہ سمندر سے کچھ بخارات اٹھے اور وہ بادل میں تبدیل ہو گئے اور بارش برسنے لگی، بارش کے ساتھ ساتھ اُن بادلوں سے مچھلیاں بھی گرنے لگیں، اُن بادلوں سے اتنی مچھلیاں گریں کہ ایک ہفتہ تک ہم انہیں کھاتے رہے جیسے ہی ایک ہفتہ گزرا تو باہر سے اشیاءخوردونوش جہازوں کے ذریعے ہم تک پہنچ گئیں۔[2]

---

[1] نمونہ معارف ۳۔۱۴۶۔زینۃ المجالس ص ۷۴ ۳۔

[2] داستانھای شگفت، ص ۱۳ ۳۔

۳۔ عزرائیل اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہم نشین:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن حضرت عزرائیل علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں وارد ہوئے اورانہوں نے مجلس سلیمانؑ میں بیٹھے ہوئے شخص کو بہت گھور گھور کر دیکھا کچھ دیر بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام تو وہاں سے چلے گئے اوراس شخص نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون تھا جو مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا؟ آپؑ نے فرمایا: وہ عزرائیل علیہ السلام تھے اس شخص نے کہا کہ انہوں نے مجھے ایسے دیکھا کہ جیسے وہ میری تلاش میں ہو، حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: ''اچھا بتاؤ اب تم کیا چاہتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ آپؑ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے ہندوستان لے جائے تا کہ میں عزرائیل کے پنجے سے بچ سکوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ میرے اس دوست کو ہندوستان لے جاؤ، پھر کچھ عرصے بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام کی حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضرت سلیمان نے پوچھا کہ اس دن جو آپ میرے پاس آئے تھے اور میری مجلس میں بیٹھے ہوئے شخص کو کیوں گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ حکم ملا تھا کہ میں نے فلاں شخص کی روح کو قریبی ساعت میں ہندوستان میں قبض کرنا ہے اور میں تعجب میں تھا کہ وہ شخص آپ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور جیسے ہی میں اس ساعت میں ہندوستان گیا تو وہ شخص اس وقت مجھے ملا اور میں نے اس کی روح قبض کر لی۔ [1]

۴۔ ہدہد:

ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے سپاہیوں کو بلایا اور کچھ پرندوں کو بھی بلایا اور ہر سپاہی سے اس کی صلاحیت کے متعلق سوال کیا، سپاہیوں کے بعد پرندوں کی باری آئی، آپؑ نے ہدہد سے پوچھا تمہارے اندر کیا کمال ہے؟

ہدہد نے جواب دیا کہ جنابؑ جب میں بلندی پر پرواز کرتا ہوں تو مجھے زمین کے اندر پانی دکھائی دیتا ہے میں دیکھ سکتا ہوں کہ زمین کے اندر جو پانی ہے وہ مٹی سے نکل رہا ہے یا کسی پتھر سے نکل رہا ہے، ہاں آپ ایسا کریں اپنے لشکر میں مجھے پانی کی تلاش کا منصب عطا کر دیں اور میں آپ کو جگہ بتا تا رہوں گا کہ فلاں جگہ پانی قریب ہے اور فلاں جگہ پانی کی سطح گہری ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی درخواست قبول فرمائی اور پانی کی تلاش کا منصب اس کے سپرد کر دیا، جب کوّے کو یہ علم ہوا کہ ہدہد کو یہ منصب مل چکا ہے تو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا حضرتؑ ہدہد نے آپؑ کے سامنے بالکل جھوٹ بولا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ کیسے؟

---

[1] عالم برزخ ص ۳۹۔ محجۃ البیضاء ۳۶۸۔

کوّے نے کہا کہ حضرت یہ کہتا ہے کہ اسے زمین کے اندر پانی دکھائی دیتا ہے اگر یہ سچا ہے تو میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ تھوڑی سے خاک کے نیچے شکاری پھندا لگا دیتا ہے اور میں نے اسے پھندے میں پھنستا ہوا دیکھا ہے، جسے تھوڑی سے مٹی کے نیچے پھندا دکھائی نہیں دیتا تو اسے زمین کی گہرائی میں پانی کیسے دکھائی دیتا ہے؟

ہُدہُد کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے طلب کیا اور اس کے سامنے کوئے کا اعتراض پیش کیا، ہُدہُد نے عرض کی کہ یہ میرا دشمن ہے آپؑ اس کی باتوں پر اعتماد نہ کریں، اگر میں جھوٹ بولوں تو بے شک آپؑ میرا سرتن سے جدا کر دیں، بات یہ ہے کہ جب میں پرواز کرتا ہوں تو مجھے زمین کے اندر پانی تک دکھائی دیتا ہے جب قضا وقدر آجاتی ہے تو اس وقت مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا اس لئے میں تھوڑی سی مٹی کے نیچے لگے پھندے میں پھنس جاتا ہوں۔[1]

۵۔ بادشاہ چین فغفور:

جب سکندر ذوالقرنین نے لشکر کشی کی اور بہت سے ممالک کو فتح کیا اور اس کے بعد اس نے چین کا رخ کیا اور چین کے دارالحکومت کا محاصرہ کیا اس وقت چین پر فغفور نامی بادشاہ حکومت کرتا تھا اس نے ایک دن اپنے دربان کا حلیہ بنایا اور دربان سے کہا تم مجھے قلعہ کے باہر نکالو۔

چنانچہ فغفور بادشاہ دربان کا لباس پہن کر باہر آیا اور سیدھا وہاں جا پہنچا جہاں سکندر کی افواج نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور اس نے سکندر کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ بادشاہ چین کا قاصد ہوں اور آپ سے ملاقات کا خواہشمند ہوں۔

سکندر اعظم نے اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دی اور کہا کہ پیغام پیش کرو، اس نے کہا ایسے نہیں خلوت میں پیغام دینا چاہتا ہوں۔

سکندر نے خلوت کا حکم دیا، جب خلوت میسر ہوئی تو بادشاہ چین نے اس سے کہا کہ میں ہی بادشاہ چین فغفور ہوں۔

سکندر نے تعجب کرتے ہوئے اس سے کہا کہ تو نے اتنی بڑی جرات کیسے کی؟ اور تجھے مجھ پر کیا اعتماد تھا جبکہ میں تیرا دشمن تھا اور تیرے ملک پر قبضے کا خواہشمند تھا۔

بادشاہ نے جواب دیا کہ جناب میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ ایک عقل مند اور صاحب فضیلت سلطان ہیں میرے اور آپ کے درمیان نہ تو پہلے کبھی دشمنی تھی اور نہ ہی میں نے پہلے آپ کے خلاف کسی برائی کا ارادہ کیا، اگر آپ مجھے قتل کر دیتے ہیں تو میری سپاہ بہت زیادہ ہے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، میں آپ کے پاس اس لئے چل کر آیا ہوں کہ آپ اور ہم مصالحت سے کام لیں۔

سکندر نے کہا کہ میں اس شرط پر تجھ سے مصالحت کرنے کو تیار ہوں کہ تم مجھے ملک چین کا تین سال تک کا خراج دو گے، بادشاہ نے جلدی سے اس کی شرط قبول کر لی۔

---

[1] داستانھای مثنوی ا۔ ۱۴۱۔

سکندر نے بادشاہ چین سے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم تین سال کا خراج مجھے ادا کرو گے تو تمہارے ملک کی حالت کیا ہوگی؟

فغفور بادشاہ نے جواب دیا کہ حضور وہی ہوگی کہ اگر ایک دشمن مجھ پر حملہ کرے اور میں مغلوب ہو جاؤں جو کچھ اس وقت میرے ملک پر گزری گی وہی حالت تین سال کا خراج دینے کے برابر ہوگی۔

سکندر نے کہا کہ تم بہت ہی دانا انسان ہو، اگر میں ملک چین کے تین سال کا خراج حاصل کرنے کی بجائے دوسالوں کے خراج پر قناعت کرلوں پھر تیرے ملک کی حالت کیا ہوگی؟

اس نے کہا کہ پہلی حالت سے کچھ بہتر ہوگی۔

سکندر نے کہا اگر میں دو سالوں کے خراج کی جگہ ایک سال کے خراج پر قناعت کرلوں تو پھر تمہارے ملک کی کیا حالت ہوگی۔

اس نے کہا کہ پھر میری سلطنت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا اور میں ہرگز پریشان نہیں ہوں گا۔

سکندر نے کہا کہ اگر میں ایک سال کے خراج کی بجائے تم سے ملک چین کا چھ ماہ کا خراج حاصل کروں تو پھر تمہارے ملک کی حالت کیا ہوگی؟

فغفور نے کہا کہ یہ آپ کا احسان ہوگا، اور آپ ایسا کریں کہ کل آپ میرے مہمان بنیں اور میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے چھے ماہ کا خراج ادا کروں گا۔

دوسرے دن چین کے بادشاہ نے اپنے ملک کے دروازے کھول دیئے اور سکندر اپنی نہتی فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوگیا جیسے ہی سکندر اندر داخل ہوا تو چینی لشکر نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا، چینی لشکر مسلح تھا جب سکندر نے یہ حالت دیکھی تو خوف زدہ ہوا اور سمجھا کہ میرے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔

فغفور سے کہا کہ تو نے مجھے دھوکہ دیا ہے اور مجھے قتل کرنا چاہتا ہے فغفور نے کہا کہ نہیں میں آپ کو کبھی بھی قتل نہیں کروں گا، کیونکہ قضا الہیٰ کے ساتھ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بہت بڑی شاہی عطا کی ہے اور اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی تائید تمہارے شامل حال ہے اور جو شخص خدا کے تائید یافتہ شخص سے جھگڑا کرے گا تو اس کے مقدر میں ہمیشہ شکست ہی شکست ہوتی ہے اسی لئے میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتا ہوں، اور میں آپ کو چھ ماہ کا خراج ادا کرنا چاہتا ہوں جیسے ہی فغفور نے اسے چھ ماہ کا خراج دیا تو اس نے یہ کہہ کر خراج واپس کر دیا اور کہا کہ میں آپ کی فہم وفراست سے متاثر ہو کر آپ سے کچھ بھی وصول نہیں کروں گا۔ [1]

---

[1] خزینۃ الجواہر، ص۶۷۲،

باب73

قناعت

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔

وَاَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَالۡمُعۡتَرَّ ۚ[1]

''(قربانی کے گوشت میں سے) سوال کرنے والے فقیر اور سوال نہ کرنے والے فقیر کو کھلاؤ۔''

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

کن قانعاً تکن أشکر الناس[2]

قناعت اختیار کرتا کہ تیرا شمار شاکر ترین افراد میں ہو سکے۔

مختصر تشریح

قناعت ایک عظیم چیز ہے۔ اگر ایک قناعت کرنے والا شخص یہ قسم کھا کر کہے کہ وہ دنیا و آخرت کا مالک ہے تو خدا اس کی تصدیق کرے گا۔ انسان کو یقین کرنا چاہیے اور تصدیق کرنی چاہیے کہ خدا نے اس کیلئے جو کچھ مقرر کیا ہے وہ عین حکمت ہے۔ جو شخص خداوند کی تقسیم پر راضی رہتا ہے اور اسباب ظاہری پر بھی توجہ مرکوز نہیں کرتا تو خدا اس زحمات سے محفوظ رکھتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ قناعت ایک ایسی سلطنت ہے جو زوال پذیر نہیں ہوتی یہ ایک صفت مرکب ہے جو رضا حق پر سوار ہوتی اور اپنے حامل شخص کو جنت حقیقی تک لے جاتی ہے انسان کو چاہیے کہ جو کچھ خدا نے عطا کیا ہے اس پر قناعت کرے اور جو کچھ خدا نے عطا نہیں کیا تو اس پر صبر کرے۔[3]

ا۔ سیرت امام جعفر صادق علیہ السلام

قناعت ہر وقت اور ہمیشہ پسندیدہ صفت ہے اور خدا قانع شخص سے محبت رکھتا ہے خاص طور پر جب معاشرہ قحط سالی کا شکار

---

[1] سورۃ الحج آیت۔۳۶

[2] جامع السعادات ۲۔۱۰۲۔

[3] تذکرۃ الحقائق ص۔۳۲

ہوجائے اور غذائی مواد کی کمی واقعہ ہوجائے اس وقت قناعت کی خصوصی ضرورت ہوتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر کی ضروریات پورا کرنے کیلئے ایک غلام مقرر تھا۔جس کا نام معتب تھا۔وہ حضرت کے گھر کیلئے ضروریات زندگی کا سامان خرید کرتا۔مدینہ میں ایک دفعہ قحط سالی کی وجہ سے اشیائے خوردونوش کی قیمتیں بہت زیادہ بلند سطح پر پہنچ چکی تھیں۔معتب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مجھے امام علیہ السلام نے بلا کر پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ ہمارے گھر میں اشیائے خوردونوش کی کتنی مقدار موجود ہے۔میں نے بیان کیا کہ الحمدللہ ہمارے پاس اتنا کچھ موجود ہے کہ جس سے تین یا چار ماہ آسانی سے گزر سکیں گے۔امام نے فرمایا کہ گھر میں موجود تمام اشیائے خوردونوش اٹھاؤ اور جا کر بازار میں فروخت کردو تاکہ لوگ آسانی سے ان اشیاء کو خرید کرسکیں۔معتب پریشان ہو کہ آخر امام ان حالات میں کیوں مجھے یہ حکم دے رہے ہیں آپ نے دوبارہ حکم دیا اور تاکید کی کہ جاؤ تمام اشیاء کو بازار میں فروخت کرو۔

معتب کا بیان ہے کہ میں نے امام عالی مقام کے حکم کی تعمیل کی اور گھر میں موجود تمام اشیاء خوردونوش کو اٹھایا اور جا کر بازار میں فروخت کردیا۔امام علیہ السلام نے اس کے بعد مجھے کہا کہ تم میرے گھر کے لئے اتنا ہی خریداری کروگے جتنا کہ ایک متوسط شخص روزانہ خریداری کرتا ہے۔زیادہ خریداری کرنے کی ضرورت نہیں۔اور فرمایا کہ آج کے بعد میں اہل خانہ کی غذا میں آدھے جو اور آدھی گندم ہوگی۔[1]

۲ حضرت سلمان فارسیؓ

ابووائل کہتے ہیں کہ میں ابوذر غفاری کے ہمراہ سلمان فارسیؓ کے گھر گیا جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت سلمانؓ نے کہا: اگر رسول خداؐ نے تکلف سے منع نہ کیا ہوتو میں تمہیں پرتکلف دعوت دیتا۔یہ کہہ کر حضرت سلمان روٹی اور نمک لے آئے۔

ابوذر نے کہا: اگر اس کے ساتھ کچھ پودینہ ہوتا تو اچھا تھا۔سلمان نے دکاندار کے پاس اپنا لوٹا گروی رکھا اور پودینہ لائے۔جب ہم کھانے کھا چکے تو ابوذر غفاری نے کہا:''الحمدللہ الذی قنعنا''اس ذات کی حمد ہے جس نے ہمیں قناعت پسند بنایا۔یہ سب کر سلمان فارسیؓ نے کہا''اگر تم قناعت پسند ہوتے تو میں اپنا لوٹا گروی نہ رکھتا۔[2]

۳۔قناعت کے ذریعے انسان اپنے نفس پر قابو پاسکتا ہے۔

ایک قناعت رکھنے والے عابدانسان کو ہمیشہ نفس پر کنٹرول حاصل ہوتا ہے۔

اسوداور علقمہ، یہ دوافراد بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ہم نے وہاں پر دیکھا کہ

[1] داستانھاو پندھا۔ا۔۳۱
[2] پیغمبرویاران۔۳۔۲۰۲۔

لیف خرما سے بنا ہوا ایک طبق (جیسے پنجابی میں چنگیر کہتے ہیں) موجود تھا جس پر جو سے بنی ہوئی دوخشک روٹیاں رکھی ہوئیں تھیں۔ جس کا چھان بھی اس روٹیوں پر ظاہر تھا۔ امام علیہ السلام نے اپنے زانو پر رکھ کر پہلے انہیں توڑا پھر نمک کے ساتھ کھانا شروع کیا۔ ہم نے حضرت علیؑ کی خادمہ فضہ سے کہا کہ اگر امیر المومنین بالفرض جو کی بنی ہوئی روٹی کھانا بھی چاہتے ہیں تو آپ جو کے آٹے کو چھلنی میں سے چھان تو سکتی تھیں تا کہ روٹیوں پر چھان تو ظاہر نہ ہوتا۔ فضہؓ نے کہا کہ نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ امیر المومنینؑ نے مجھے خود حکم دیا ہے کہ میرے لئے جو کا ایسا کھانا تیار کرو جس میں چھان بھی موجود ہو۔ تو ہم نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا: مولا! آپ اپنے نفس پر اتنا سختی کیوں کررہے ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اس ذریعے سے نفس قابو میں رہتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ مومن بھی اسی طرح سے میری پیروی کریں اور میں چاہتا ہوں کہ میں دنیا میں اسی طرح سے عمل کر کے اپنے اصحاب سے ملاقات کروں۔ [1]

۴۔شاہی دسترخوان کا اثر

سعدی نے گلستان میں قناعت کی فضیلت میں تقریباً چوبیس حکایات درج کیں ہیں انہوں نے آخری حکایات یہ درج کی ہے کہ ایک عابد تھا جس نے ایک مرتبہ سلطان کی غذا کھائی تو اس کی پارسائی اور قناعت ختم ہوگئی۔ اس کا واقعہ سعدی یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ساعابد غار میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اسے دنیا داری سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ ثروت مند لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ دنیا کے زرق و برق سے اسے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ اس وقت کے بادشاہ نے اس عابد کو پیغام بھیجا جناب مہربانی کریں ایک دفعہ ہمارے دسترخوان کو رونق بخشیں۔ اگر ہمارے دسترخوان سے آپ ایک لقمہ بھی اٹھالیں گے تو ہم اپنے لئے سعادت سمجھیں گے۔ عابد فریب میں آ گیا اور بادشاہ کی دعوت کا مثبت جواب دیا اور شام کے کھانے پر وہ بادشاہ کے دسترخوان پر آیا۔ اس نے وہاں خوب کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ عابد پھر غار کی طرف روانہ ہوگیا۔

دوسرے دن بادشاہ اس عابد کا شکر یہ ادا کرنے کیلئے غار کی طرف روانہ ہوا۔ جیسے ہی اس عابد نے بادشاہ کو آتے دیکھا تو اس کے احترام کے لئے کھڑا ہوگیا اور بادشاہ کے رویہ کی تعریف کی۔ اس کے بعد بادشاہ وہاں سے چلا گیا۔ بادشاہ کے جانے کے بعد اس کے دوسرے عابد دوستوں نے اعتراض کیا کہ پہلے تو تم بادشاہوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن اب تم نے بادشادہ کی خوشامد کیوں شروع کردی ہے۔ یہ طریقہ کار عابد کو زیب نہیں دیتا؟ اس عابد نے دوسرے عابدوں کو جواب دیا کہ کیا تم نے بزرگوں سے نہیں سنا کہ جس کے دسترخوان پر کھانا کھاؤ تو اس کی چاکری بھی کیا کرو اور حق نمک بھی ادا کیا کرو۔ اس لیے میں نے اس کے نمک کا حق ادا کیا ہے۔ [2]

---

[1] داستانہاء زندگی علی علیہ السلام ص ۱۱۹۔ انوار نعمانیہ ص ۱۸۔
[2] حکایتھای گلستان ص ۱۸۴۔

۵۔قناعت کرنے والوں کی سیرت

دنیا میں کچھ کم ظرف ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب ان کے ہاتھ میں کچھ دولت آجائے تو اپنی اصلیت تک بھول جاتے ہیں۔ اور ہواؤں میں پرواز کرنا شروع کردیتے ہیں۔ جبکہ شیخ مرتضیٰ انصاریؒ جو کہ صاحب جواہرؒ کے بعد تمام شیعیان جہاں کے مرجع اعظم بنے تھے جس دن آپ مرجع بنے اس دن سے لیکر آپ کی وفات تک آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا آپ ہمیشہ دزفول کے انتہائی غریب طالب علم دکھادیتے تھے۔

جب لوگوں نے آپ کے مکان کی اشیاء کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ انتہائی فقیر ترین شخص کی سی زندگی بسر کررہے تھے۔ جبکہ ہر سال لوگ ان کے پاس کئی لاکھ تومان بطور مال امام اور دوسرے حساب میں جمع کراتے تھے۔لیکن شیخ انصاری اتنی بڑی دولت میں سے اپنے لیے کچھ بھی پسند نہیں کرتے تھے ان کی پوری زندگی صدق وصفا اور قناعت سے عبارت تھی۔

جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے پاس ذاتی طور پر صرف ستر تومان ہی تھے اور اتفاق سے ان کا قرضہ بھی ستر تومان ہی تھا۔ اس رقم سے ان کا قرض ادا کیا گیا۔ان کے ورثا کے پاس فاتحہ اور عزاداری کے مراسم کیلئے کچھ بھی رقم موجود نہ تھی۔ چنانچہ ایک دولت مند شخص جو شیخ انصاری کا عقیدت مند تھا اس نے اپنے طرف سے فاتحہ اور عزاداری کے مراسم برپا کئے اور وہ شخص شیخ انصاری کے ایصال ثواب کیلئے خیرات کرتا رہا۔ان کے پرہیز اور حرص سے دوری کیلئے یہ بات ہی کافی ہے کہ جو شخص بغداد میں آغا انصاریؒ کا وکیل تھا جب اسے اطلاع ملی کہ آغا انصاریؒ اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتے ہیں تو اس نے آغا سے اجازت طلب کی کہ میں آپ کی بیٹی کیلئے بغداد شہر سے اچھا سا جہیز روانہ کرسکوں تو اس کیلئے آغا انصاری: نے منع کردیا۔اور کہا کہ تمہارے پاس مال امام ہے خبردار! اس میں سے کبھی خرچ نہ کرنا۔آپ نے اپنے بیٹی کو معمولی سا جہیز دیکر اپنے دعاؤں کے ساتھ اپنے داماد شیخ محمد حسن انصاری کے گھر روانہ کیا۔[1]

---

[1] سیمای فرزانگان ص۔۴۵۷

باب 74

قیامت

قرآن مجید میں ارشاد خداوند کریم ہے۔

وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ

قیامت کے دن تمہیں تمہارے پورا اجر دیا جائے۔[۱]

حضرت علی علیہ السلام کا فرمایا ہے۔

ان الخلق لامفر لهم عن القيامة

تمام لوگوں کو قیامت سے رہائی نہیں ملے گی۔[۲]

مختصر تشریح

برزخ کے بعد تمام لوگ ثواب واکرام کیلئے جمع ہوں گئے اس دن کا مالک خدا ہوگا۔اچھائی کرنے والے کو جزادی جائے گی اور برائی کرنے والوں کو سزادی جائے۔وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں رہ کر حقائق کی تکذیب کی تھی ملائکہ انہیں عذاب کی طرف لے جائیں گے اور جن لوگوں نے دین خدا کیلئے محنت کی اور اپنے آپ کو برائیوں سے بچایا ہوگا تو ملائکہ ان کو بہشت میں لے جائیں گے۔ اس دن کو قیامت کا دن کہا جائے گا۔جس پر کوئی بھی شخص اعتراض نہیں کر سکے گا۔کیونکہ وہاں ملکوت ہوگی اور تمام اعمال درج ہوں گے لہٰذا کوئی بھی شخص اپنے نامہ اعمال پر اعتراض نہیں کر سکے گا۔

ا۔قیامت کی دوہائی دینے والا

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ نے اعلان نبوت کے پانچوں برس بیاسی افراد کو ساتھ لیکر حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان افرد کو اس لیے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تھا تا کہ وہ مشرکین کی اذیتوں سے بچ سکیں اور دین اسلام کی حبشہ میں تبلیغ بھی ہو سکے۔مہاجرین کا یہ گروہ تقریباً بارہ برس تک حبشہ میں رہا پھر

[۱] سورۃ ال عمران آیت۔۱۸۵۔
[۲] نہج البلاغہ فیض ص۔۴۸۸

ہجرت کے ساتویں برس یہ گروہ مدینہ آیا۔ یہ گروہ تقریباً اس وقت مدینہ میں داخل ہوا جب مسلمانوں نے جنگ خیبر فتح کی تھی۔

روایات میں بیان کیا گیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت جعفرؓ سے پوچھا۔''تم نے کافی عرصہ حبشہ میں بسر کیا ہے کیا تم نے وہاں کوئی عجیب چیز بھی دیکھی؟'' حضرت جعفر طیارؓ نے عرض کیا:''جی ہاں یا رسول اللہ! میں نے ایک سیاہ چہرہ رکھنے والی خاتون کو دیکھا جو راستہ طے کر رہی تھی جس کے سر پر بہت بڑا وزنی تھال تھا۔ ایک مرد اس سے ٹکرایا جس کی وجہ سے وہ عورت منہ کے بل گر پڑی اور اس عورت کا تھال گر پڑا اور وہ تھال ٹوٹ گیا۔ پھر اس عورت نے دھکا دینے والے مرد کی طرف منہ کرکے کہا:''قیامت کے دن حساب کرنے والا تجھے عذاب دے۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب خدا کرسی پر بیٹھے گا اور ظالم سے مظلوم کا حق واپس دلائے گا۔ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کے جملے سنے تو آپ کو بہت تعجب ہوا۔ [1]

۲۔ قیامت کے دن بدترین انسان

عبداللہ بن ابی سلول اسلام کا بدترین دشمن تھا جو رئیس المنافقین کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشیں بنانے میں پیش پیش رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کیلئے آیا۔ جب آپؐ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپؐ اس وقت اپنے گھر میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ قبیلہ کا یہ شخص کتنا برا ہے۔ آپؐ نے اس سے نفرت کا اظہار فرمایا پھر آپؐ نے کہا کہ اسے جازت ہے کہ وہ اندر آئے۔ جب عبداللہ بن ابی سلول آپ کے گھر میں داخل ہوا تو رسولؐ خدا پوری گرم جوشی کے ساتھ اسے ملے اور اس سے باتیں کی۔ جب وہ آپؐ کے ہاں رخصت ہوا تو ام المومنین بی بی عائشہؓ نے کہا: یا رسول اللہؐ! آپؐ نے اس شخص کے آنے سے پہلے اس کے متعلق کسی اچھے تاثرات کا اظہار نہ کیا۔ لیکن وہ شخص جب آپ کے پاس آیا تو آپؐ نے مسکرا کر اس سے ملاقات کی آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عائشہؓ! سنو قیامت کے دن وہ شخص انتہائی بدترین حالت میں ہوگا جس کے شر سے لوگ اس کے احترام پر مجبور ہو جائیں۔ [2]

۳۔ قیامت کا خوف

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی جنگ پر جاتے تھے تو دو دو صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بناتے تھے۔ ایک دفعہ رسول خداؐ کسی جنگ کیلئے جانے لگے تو آپؐ نے سعید بن عبدالرحمان اور ثعلبہ انصاری دونوں کو بھائی بنا دیا۔

سعید رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر جنگ کیلئے روانہ ہوا۔ اور ثعلبہ کے ذمے یہ خدمت لگائی گئی کہ وہ پیچھے گھر کا خیال کرے گا۔ ایک دن ثعلبہ روٹی پانی دینے کیلئے سعیدؓ کے گھر جا رہا تھا۔ شیطان نے اس کے ذہن میں یہ وسوسہ ڈالا کر سعیدؓ کی بیوی پر

---

[1] حکایتہای شنیدنی ۲۔ ۱۲۔ اعلام الوری ص۔ ۲۱۔

[2] بامردم اینکونہ برخورد کنیم ص۔ ۱۲۹۔ مستدرک الوسائل ۲۔ ۹۲۔

نگاہ ڈالو۔ جب اس کی نگاہ سعیدؓ کی بیوی پر پڑی تو وہ انتہائی حسین وجمیل خاتون تھی۔ جیسے دیکھ کر ثعلبہ بے قرار ہوگیا۔ اس نے چاہا کہ اس کی ناموس پر دست دارزی کرے تو سعید: کی بیوی نے کہا کیا یہ بات جائز ہے کہ تیرا بھائی جہاد پر جائے اور تو اس کی ناموس برباد کرنے کا ارادہ کرے!! جیسے ہی ثعلبہ نے عورت کی زبانی یہ کلمات سنے تو سخت متاثر ہوا اور اپنے کیے پر سخت نادم ہوا۔ اس کے بعد بیابان میں چلا گیا اور وہاں ایک پہاڑ کے پاس بیٹھ کر دن رات خدا کے حضور گریہ وبکا میں مشغول ہوگیا۔ جب رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم واپس آئے تو تمام لوگ رسول خدا اور اپنے مسلمان بھائیوں کے استقبال کیلئے گئے لیکن ثعلبہ ان میں شامل نہ تھا۔ سعید گھر آیا اور اپنے خاندان والوں سے ثعلبہ کا حال دریافت کیا تو اس کی بیوی نے اسے سارا قصہ سنایا۔ سعید روتے ہوئے گھر سے اس کی تلاش کو نکلا۔ آخر کا سعیدؓ نے اسے تلاش کیا وہ ایک پتھر کے پیچھے بیٹھا بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ ہائے میری بدبختی قیامت کے دن مجھے کتنا رسوا ہونا پڑے گا۔"

سعیدؓ نے اسے تسلی دی اور چاہا کہ اسے رسول خدا کی خدمت میں لے جائے تا کہ رسول پاک سے اس کی بخشش کیلئے درخواست کی جائے۔ ثعلبہ نے جواب دیا کہ میں رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم سے انتہائی شرمندہ ہوں لیکن اگر تم مجھے رسول اللہؐ کے پاس لے بھی جانا چاہتے ہو تو میرے ہاتھ اور گردن رسیوں میں باندھ کر مجھے گھسیٹ کر رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم کی خدمت میں لے جاؤ۔

سعیدؓ اسے رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم کے پاس لایا آپ نے فرمایا اے ثعلبہ! تم نے بہت بڑا گناہ کیا ہے میرے پاس سے چلے جاؤ اور خدا کے حضور اپنے گناہ کی بخشش کی دعا کرو۔ چنانچہ ثعلبہ چلا گیا۔ وہ دن رات خداوند کریم سے بخشش کی درخواست کرتا رہا۔ ایک عرصے کے بعد نماز عصر کے وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ پر یہ آیت نازل کی:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۠
وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۝۱۳۵

اور جن سے کبھی ناز یبا حرکت سرزد ہوجائے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو اسی وقت خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اللہ کے علاوہ گناہوں کو بخشنے والا کون ہے؟ اور وہ جان بوجھ کر اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ (سورۃ آل عمران۔ ۱۳۵)

پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم نے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت سلمان فارسیؓ کو کہا کہ جاؤ ثعلبہ کو خوشخبری سناؤ۔ یہ دونوں شخصیات بیابان میں گئے اور ثعلبہ کو تلاش کر لیا۔ ثعلبہ خدا کے حضور محو مناجات تھا اور بخشش کی درخواست کر رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر امیر المومنین بھی بے ساختہ گریہ کرنے لگے اور آپؑ نے اسے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ آپؑ اسے لیکر مدینہ شہر لائے اس وقت نماز مغرب وعشاء کا وقت تھا۔ پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم نے نماز پڑھانا شروع کی۔ آپؐ نے سورۃ الفاتحہ کے بعد جب سورۃ التکاثر کی تلاوت فرمائی جب آپؐ پہلی آیت الھکم التکاثر (تمہیں کثرت طلبی غافل کر دیا) پڑھی تو ثعلبہ نے دیوانہ وار نعرہ بلند کیا۔ دوسری آیت۔ حتی زرتم المقابر (یہاں تک کہ تم قبروں کے پاس جا پہنچے) میں ثعلبہ زور زور سے رونے لگا۔ جب رسول خدا نے تیسری ایک کلاسوف تعلمون (ہرگز نہیں! تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا) پڑھی تو وہ بے ہوش ہوکر

زمین پر گر پڑے۔رسول خدا ﷺ نے نماز مکمل کرنے کے بعد اسے دیکھا تو وہ اپنی جان خدا کے حوالے کر چکا تھا۔پیغمبر اکرمؐ نے اپنے اصحاب سمیت اس پر گریہ کیا اور آپ نے اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔رسول خدا ﷺ خود بھی ثعلبہ کے جنازے میں شریک ہوئے حالت یہ تھی کہ آپؐ اپنے پاؤں کی انگلیوں کے بل چل کر اس کے جنازے کی مشایعت کر رہے تھے۔جب رسول خدا ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہؐ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ بہت سے ملائکہ اس کے جنازے میں اس طرح سے مشایعت کر رہے ہیں لہٰذا میں نے بھی فرشتوں کی طرح اس کے جنازے میں مشایعت کی۔[1]

۴۔امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ رونے لگے حاضرین نے عرض کی: ''آپؑ کیوں روتے ہیں آپؑ جوانان جنت کے سردار ہیں اور آپؑ کے حق میں پیغمبر خدا ﷺ نے بہت سی احادیث ارشاد فرمائی ہیں۔آپؑ نے بیس حج پا پیادہ کیۓ اور تین مرتبہ اپنے پورے گھر کو اللہ کے نام پر لٹایا۔اس کے باوجود آپؑ پریشان کیوں ہیں''؟ آپؑ نے فرمایا:

بکی لھول المطلع وفراق الاحبة

یعنی میں مطلع کے خوف اور احباب کی جدائی پر رو رہا ہوں۔''

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں تحریر کرتے ہیں کہ ''مطلع'' سے مراد قیامت ہے۔[2]

۵۔توبہ بن صمہ

ایک شخص جس کا نام توبہ بن صمہ تھا وہ اکثر اوقات اپنے نفس کا خود ہی محاسبہ کیا کرتا تھا۔ایک دن اس نے اپنا محاسبہ کیا تو اس نے کہا (اکیس ہزار پانچ سو) دن گزر چکے ہیں اور اپنے آپ سے کہا کہ ہائے میری حالت پر کیا میں گناہوں کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملاقات کر سکوں گا؟ میں نے جتنی بھی زندگی گزاری ہے اگر بالفرض میں نے ایک دن ایک بھی گناہ کیا ہو تو میرے گناہوں کی تعداد بھی ہزاروں میں بنتی ہے۔نہ جانے اس وقت خداوندتعالیٰ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا یہ کہا اور بے ہوش ہو گیا۔لوگوں نے دیکھا کہ اس بے ہوش کے عالم میں اپنے جان خداوند کریم کے سپرد کر دی تھی۔یہ اس لیے ہوا کہ اس نے اپنا صحیح طریقے سے احتساب کیا تھا۔[3]

[1] خزینۃ الجواہر ص ۳۱۵۔روضۃ الانوار سبزواری۔

[2] پند تاریخ ج۴۔۲۰۸

[3] سرمایہ سعادت ص۔۳۹

باب 75

محنت کی عظمت

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰىۙ ۝۳۹

ہر انسان کو اس کی محنت کا ثمر ملتا ہے۔[۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

المومن اذالم یکن له حرفة یعیش بدینه

جب مومن کوئی کام نہیں کرے گا تو پھر اپنا دین بیچ کر روٹی وغیرہ کھائے گا۔[۲]

مختصر تشریح

بہترین کھانا وہ ہے جو محنت کر کے حاصل کیا گیا ہو اور انسان محنت مشقت کر کے خود بھی کھائے اور اپنے خاندان والوں کو بھی کھلائے۔ طعام کیلئے ضروری ہے کہ وہ پاکیز کسب و کار سے حاصل ہوا۔ اور ایسا شخص مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہوتا ہے جو محنت کر کے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ بھرتا ہے۔ وہ لوگ جو سستی کے عادی ہوتے ہیں تو ایسے لوگ معاش کے معاملے میں مشکلات کا شکار ہوتے ہیں یہ لوگ واجب نان ونفقہ کے ادا کرنے کے بھی قابل نہیں ہوتے ہیں اور حرام افعال سے اپنے زندگی آلودہ کرتے ہیں۔ کسی کام کیلئے ارادہ کر لینا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ یہ شخص اپنے آخرت کے کاموں کیلئے بھی ارادہ کرے گا کیونکہ شخص اپنے ضروریات زندگی حاصل کرنے میں سستی کرتا ہے تو ایسا شخص آخرت حاصل کرنے میں بھی ناکام رہتا ہے۔

۱۔ وقف نامہ

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اپنی ظاہری خلافت کے دور میں فرمایا کہ میری رعیت عراق میں تو خداوند کریم کی نعمات سے مستفید ہو رہی ہے یہاں کے لوگوں کو پینے کیلئے خدا نے میٹھا پانی عطا کیا ہے اور کھانے کو گندم بھی عطا کی ہے۔

---

[۱] سورۃ النجم آیت۔۳۹

[۲] بحار الانوار ۹/۱۰۳

حضرت علی علیہ السلام کا ایک غلام تھا جس کا نام ''ابونیزر'' تھا۔ آپؑ نے اس غلام کو اس شرط پر آزادی دی تھی کہ وہ پانچ سال تک نخلستان میں کام کرے گا اس نے پانچ سال تک نخلستان میں خدمت کی اس کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے اسے آزادی دے دی تھی۔ آزادی کے بعد امام علیہ السلام نے اسے اپنے کھیتوں اور چشموں کی دیکھ بھال کیلئے اپنے پاس رکھ لیا۔ آپ نے ایک چشمہ احداث کیا تھا جسے ''عین ابی نیزرہ'' کہا جاتا ہے۔ ابونیزر بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ امیرالمومنین اپنے کھیتوں میں آئے اور گھوڑے سے اترے مجھ سے کہا کہ کھانے میں کچھ ہے؟ میں عرض کیا۔ جی ہاں مولاً میرے پاس ایسی غذا ہے جو میں نے آپ کے لئے پسند نہیں کرتا میں نے کدو پکائے ہیں۔ میں نے انہیں چربی کے گھی میں تیار کیا ہے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ وہی لے آؤ۔ میں نے وہی غذا آپؑ کے سامنے رکھی آپؑ نے ہاتھ دھوئے اور وہی غذا تناول فرمائی۔ کھانا کھانے کے بعد آپؑ نے پھر ہاتھ دھوئے اور مجھ سے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص خدا کی رحمت سے دور ہے جس کا پیٹ اسے دوزخ میں لے جائے''۔ اس کے بعد آپؑ نے مجھ سے بیلچہ طلب کیا۔ آپ بیلچہ لیکر کنویں میں گئے اور آپ کافی دیر تک بیلچہ کی مدد سے زمین کو کھودتے رہے یہاں تک کہ آپؑ تھک گئے اور اپنے تھکان اتارنے کیلئے کنویں سے باہر آئے اور آپؑ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا آپ نے اپنی انگلیوں کے ساتھ پسینے کے قطرات صاف کیے۔ اس کے بعد آپ دوبارہ اس کنویں میں اُترے اور آپ نے پھر سے بیلچے کی مدد سے زمین کو کھودنا شروع کر دیا کچھ دیر بعد اچانک اونٹ کی گردن کی طرح پانی کا ایک فوارہ نکلا۔ امام علیہ السلام فوراً باہر تشریف لائے اس وقت آپ پسینے سے شرابور تھے اور فرمایا کہ یہ میری طرف سے صدقہ ہے صدقہ ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے مجھ سے کاغذ، قلم اور دوات طلب کی۔ میں نے جلدی آپؑ کو کاغذ، قلم اور دوات دی۔ امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا کہ یہ وقف بندہ خدا علی ابن طالب کی طرف سے مدینہ کے غرباء کیلئے نہ تو اسے بیچا جاسکتا ہے نہ ہی کسی کو ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ کسی کی ملکیت میں آسکتا ہے۔ یہاں تک کہ آسمانوں اور زمینوں کا خدا اس کا مالک بنے۔ البتہ اگر حسنینؑ کریمین کو اس کی ضرورت محسوس ہو تو وہ اس کے مالک قرار پائیں گے۔[1]

۲۔ عمر بن مسلم

عمر بن مسلم امام جعفر صادق علیہ السلام کا دوست تھا جو وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ جب وہ کافی دنوں سے امام علیہ السلام کو نظر نہ آیا تو آپؑ نے اس کے دوست علی بن عبدالعزیز سے اس کا احوال دریافت کیا۔ علی بن عبدالعزیز نے جواب دیا: ''میں آپ پر قربان جاؤں اس نے کام کاج ترک کر دیا ہے اور اس نے زہد و تقویٰ اختیار کر لیا ہے اور وہ دن رات عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا ''خدا اسے ہلاک کرے کیا وہ نہیں جانتا کہ جو کام کاج کرنا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔ جب رسول اللہ پر اس آیت کا نزول کیا: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ ''جو شخص گناہوں سے بچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے راستے بنا دیا ہے اور اسے

[1] اسلام وکار وکوشش ص۔ ۲۴۔

وہاں سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔'' (اطلاق ۔ ۲ ۔ ۳) جب مسلمانوں نے یہ آیت سنی تو انہوں نے کام کاج کو خیر باد کہہ دیا اور تجارت سے ہاتھ کھینچ لئے گوشہ نشین ہو کر عبادت میں مصروف ہو گئے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ خود روزی رسان ہے اور اپنے دین دار بندوں کو کبھی بھی رسوال نہیں کرے گا۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر سنی تو آپ نے ان سب لوگوں کو بلایا وران سے پوچھا کہ تم نے کام کاج کیوں چھوڑ دیا؟ ان لوگوں نے کہ کہ اللہ تعالیٰ روزی کا ذمہ لے لیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے اگر کوئی شخص محنت کرنے کے قابل ہو اور وہ محنت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔[۱]

۳۔ صدقہ کھانے سے کام کاج کرنا بہتر ہے

ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک غریب شخص آیا اور آپ سے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تمہارے گھر میں جو کچھ بھی ہے لے آؤ۔ وہ شخص تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا۔ اس نے کہا کہ میرے گھر میں اس پیالے اور کمبل کے علاوہ کچھ بھی موجود نہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ کوئی ہے جو ان دو چیزوں کو خرید کرے۔ الغرض آپ نے وہ دو اشیاء دو درہم میں فروخت کر دیں آپ نے اسے ایک درہم دیا کہ اس سے اپنے گھر کیلئے اشیاء ضرورت خرید کرو اور دوسرے درہم سے آپ نے ایک کلہاڑی اسے خرید کر دی اور اس سے فرمایا کہ بیابان میں چلے جاؤ۔ وہاں سے لکڑیاں کاٹ کر اکٹھی کر کے بازار میں فروخت کرنا۔ اس شخص نے آپؐ کے کہنے پر عمل کیا اور کچھ دنوں کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مولا! اب میرے معاشی حالات درست ہو گئے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مزدوری کرنا صدقہ لینے سے بہتر ہے وہ اس لیے کہ صدقہ لینے والا شخص جب قیامت کے دن خدا کے حضور پیش ہوگا تو اس کے چہرے پر صدقہ کے نشانات ہوں گے۔[۲]

۴۔ اپنے آپ کو زحمت میں ڈالنا

فضل بن ابی قرہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ آپؑ خود اپنے زمینوں پر کام کاج میں مشغول تھے۔ ہم نے عرض کیا: ''ہم آپ پر قربان جائیں آپؑ ہمیں حکم دیں یا اپنے غلاموں کو حکم دیں کہ وہ یہ کام کر دیں۔'' امام علیہ السلام نے فرمایا: ''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہوں جاؤں اور اپنے رزق حلال کیلئے سختیوں کو جھیلوں''۔ پھر آپ نے فرمایا: ''حتیٰ کہ حضرت علی علیہ

---

[۱] داستانھا و پندھا ۲/۹/ ۷۔ تفسیر نور الثقلین ۵/ ۳۵۴

[۲] حکایتھای شیرین ۳۔ ۵۷۔

السلام بھی رزق حلال کے تلاش کرنے کیلئے اپنے آپ کو سختیوں میں ڈالا کرتے تھے۔[1]

۵۔یعقوب بن لیث صفار

یعقوب اصل میں تانبے کے برتن بنانے والا تھااسی لئے اسے صفار کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس نے لشکر تیار کرلیا اورخوارج کوقتل کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے معاملہ آگے بڑھا اس نے خراسان اورسجستان اوردوسرے علاقہ اس نے تسخیر کر لیے اورانہیں اپنے تصرف میں لے آیا اوراس کی حکومت مضبوط ہوگئی۔ یعقوب صفارمردسیاست دان تھااوراس نے اس طرح لشکرکی تدبیر کی ہوئی تھی کہ اس جیسی سنی نہیں گی تھی منقول ہے کہ ایک دفعہ اس نے حکم دیا کہ جنگ کیلئے باہرنکلواس کے لشکر نے یہ سنتے ہی فوراً اپنے گھوڑے چراگاہوں سے پکڑے اورسوار ہوکر دوڑ پڑے ایک شخص کے گھوڑے کے منہ میں گھاس تھی اس نے وہ گھاس اس کے منہ سے چھین لی اس خوف سے کہ اس کے گھاس چبانے جتنی دیر نہ ہوجائے اورفارسی زبان میں اسے گھوڑ سے کہنے لگا کہ امیر یعقوب نے گھوڑوں کوتازی گھاس کھانے سے منع کر دیا۔ حکایت ہے کہ ایک شخص کولوگوں نے دیکھا کہ ہتھیاروں کے نیچے اس نے لباس نہیں پہن رکھا تھا کہ امیر کے منادی نے صدادی کہ ہتھیار لگاؤ تو میں نے اس وجہ سے کہ امیر کے حکم یں تاخیر نہ ہولباس نہیں پہنا اورہتھیاروں کے پہننے پر اکتفا کرلیا۔[2]

---

[1] شیندھای تاریخص ۷ ۴۔ محجۃ البیضا۳۔ ۱۴۸۔

[2] تتمۃ المنتھی ص ۲۶۲

باب76

گداگری

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔

وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ۝۱۰

اور سائل کومت جھڑکو۔[1]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

لولا ان لسائل یکذب ما قدس من رده

اگر گداگر جھوٹے نہ ہوتے تو انہیں خالی ہاتھ بھیجنے والا کبھی بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔[2]

مختصر تشریح

کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ گداگر بنایا ہوا ہے اس کے علاوہ وہ کوئی کام کاج نہیں کرتے بعض اوقات ان کے گھروں میں اشیاءِ ضرورت بھی موجود ہوتی ہیں اس کے باوجود وہ لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرتے ہیں ایسے لوگ جب قیامت کے دن خدا کے حضور پیش ہوں گے تو ان چہرے پر گوشت موجود نہیں ہوگا۔

مومن کبھی کتے کی طرح سے ذخیرہ اندوز نہیں ہوتا ہے مومن حرص وطمع سے بھی پاک ہوتا ہے اس کی عزت اسے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے روکتی ہے۔ جو چہرہ خدا کے آگے جھکے اور جو ہاتھ قنوت کیلئے آسمان کی طرف بلند ہوں یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ چہرہ کسی کے سامنے ذلیل اور وہ ہاتھ کسی کے سامنے بھیک مانگیں البتہ مومنین کہ چاہیے کہ وہ حقدار لوگوں کو پہچانیں اور ان کی آبرو کی حفاظت کرتے ہوئے ان کی مدد کریں تا کہ وہ ذلیل نہ ہونے پائیں۔

ا۔امام علیہ السلام اور سائل

سمع بن عبدالملک کا بیان ہے کہ ہم مقام منیٰ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ تھے اور انگور کھا رہے تھے۔اتنے

[1] سورۃ الضحیٰ آیت۔۱۰

[2] جامع السعادت ۲۔۹۸

میں ایک سائل آیا اور خیرات طلب کی۔ آپ نے فرمایا ''اسے انگور کا ایک خوشہ دے دو''۔

جب اسے خوشہ دیا جانے لگا تو اس نے کہا: ''اس کی بجائے مجھے کچھ نقد رقم دے دیں۔'' حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا تمہیں فراخی دے یعنی معاف کرو'' سائل چلا گیا۔ کچھ دیر بعد سائل دوبارہ آیا اور کہا ''وہ خوشہ انگور ہی دے دیں۔''

حضرت جعفر صادقؑ نے اسے کچھ بھی نہ دیا اور فرمایا: ''جاؤ معاف کرو۔'' کچھ دیر بعد دوسرا فقیر آیا تو امامؑ نے اسے تین دانے انگور کے دیئے۔ فقیر نے وہ انگور لیے اور کہا: رب العالمین کی حمد ہے جس نے مجھے روزی عطا کی۔'' آپؑ نے اس کا جذبہ شکر دیکھ کر حکم دیا ''دو مشت انگور بھر کر اسے دیئے جائیں جب فقیر کو دو مشت انگور ملے تو اس نے کہا: ''الحمد رب العالمین'' امام علیہ السلام نے اپنے غلام سے پوچھا کہ اس وقت تمہارے پاس ہے؟''

غلام نے کہا: میرا اندازہ ہے کہ اس وقت میرے پاس بیس درہم موجود ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: ''یہ درہم اس فقیر کو دے دو۔'' غلام نے فقیر کو درہم دیئے تو اس نے کہا: ''الحمد لله هذا منك وحدك لا شريك لك: اللہ تیری حمد ہے تو واحد لاشریک ہے اور یہ تیری عطا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا پیراہن اتار کر اسے دیا اور کہا ''لو یہ پہن لو۔''

فقیر نے وہ پیراہن لیکر کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے لباس دیا اور پھر کہا کہ امامؑ آپ کو اللہ جزائے خیر دے۔'' یہ کہہ کر فقیر چلا گیا۔ اس دن ہم نے اندازہ لگایا کہ اگر سائل مسلسل اللہ کی تعریف وثنا کرتا رہتا تو امام علیہ السلام اسے مسلسل عطا کرتے رہتے لیکن جب اس نے آپ کو دعا دی اور آپؑ کا شکریہ ادا کیا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

۲۔ سوال نہ کرنا شرط جنت ہے:

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انصار کا ایک گروہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کرنے کے بعد انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! ہم ایک حاجت لے کر آپؐ کے پاس آئے ہیں''۔

آپؐ نے فرمایا: ''اپنی حاجت بیان کرو''۔

انہوں نے کہا: ''ہماری حاجت بہت بڑی ہے''۔

آپؐ نے فرمایا: ''تمہاری حاجت جو بھی ہو بیان کرو''۔

انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہؐ! ہماری حاجت یہ ہے کہ آپؐ ہمارے لئے جنت کی ضمانت دیں''۔

یہ سن کر کچھ دیر تک آپؐ نے سر جھکائے رکھا اور زمین پر کچھ لکیریں کھینچیں، پھر سر اٹھا کر فرمایا میں تمہیں اس شرط پر جنت کی ضمانت دیتا ہوں کہ تم کسی سے سوال نہیں کرو گے۔

انصار نے کہا: ''ہمیں یہ شرط منظور ہے''۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے تھے کہ انصار نے اپنے وعدہ کو اس طرح سے نبھایا کہ اگر وہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور اُن

کے ہاتھ سے چابک گر پڑتا تو وہ کسی سے چابک اٹھانے کے لئے سوال نہیں کرتے تھے،فوراً گھوڑا روک لیتے اور خود نیچے اتر کر اپنا چابک اٹھاتے تھے اور اگر دسترخوان پر بیٹھے ہوتے تو ساتھ والے شخص سے کبھی پانی طلب نہ کرتے خود ہی اُٹھ کر پانی پی لیتے تھے۔[1]

۳۔ حدتنگ دستی:

ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ آپؑ کا ایک شیعہ ہے جس کا نام عمر ہے جو بڑا پرہیز گار ہے۔

ایک دن وہ عیسیٰ بن اعین کے پاس امداد کی درخواست لے کر گیا۔

عیسیٰ نے کہا:''میرے پاس زکواۃ کی رقم موجود ہے لیکن میں اس میں سے تجھے زکواۃ نہیں دوں گا، کیونکہ میں نے چند دن قبل تمہیں گوشت اور خرما خریدتے ہوئے دیکھا ہے یہ سراسر اسراف ہے۔

اس شخص نے کہا معاملہ یہ ہے کہ چند دن قبل مجھے ایک درہم ملا میں نے ایک تہائی کا گوشت خریدا دوسری تہائی کی کھجوریں خریدلیں اور ایک تہائی کو اپنی دیگر ضروریات میں خرچ کیا۔

حضرت صادق علیہ السلام یہ سن کر افسردہ ہوئے اور کئی دن تک اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کی دولت میں غریبوں کا حصہ رکھا ہے تا کہ وہ اچھے طریقوں سے زندگی بسر کر سکیں اور اگر اس حصے میں ان کی کفالت نہ ہو، انہیں اس سے بھی زیادہ دینا چاہیے تا کہ ان کی خوراک و پوشاک، شادی اور تصدق اور حج کی ضروریات پوری ہو سکیں، غرباء پر سختی نہیں کرنی چاہیے خاص کر عمر جیسے افراد پر تو بالکل سختی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ پرہیز گار انسان ہے[2]

۴۔ آبرومند مفلس

مدینہ کے قریب ینبع کے مقام پر امیر المومنین علیہ السلام کا کھجوروں کا باغ تھا، جب کھجوریں اتاری گئیں تو آپ نے اس میں سے پانچ وسق جو تقریبا(۹۰۰) نو سو کلوگرام کے برابر تھیں آپ نے ایک مومن کے پاس روانہ کیں جب کہ اس نے آپؑ سے ان کا سوال بھی نہیں کیا تھا۔

ایک شخص جو وہاں پر موجود تھا اس نے کہا کہ خدا کی قسم اس نے آپ سے کھجوریں مانگی تو نہیں جو آپؑ نے اتنی بڑی مقدار اس کے پاس روانہ کردی، خدا کی قسم اگر آپؑ اسے ایک کلوگرام کھجوریں بھی دے دیتے تو وہ اس پر بھی راضی ہو جاتا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:''خدا کرے تجھ جیسے انسان مسلمانوں میں زیادہ نہ ہوں تو عجیب انسان ہے بخشش میں کر

---

[1] فروع کافی ۴/۲۱۔

[2] پند تاریخ ۱/۱۲۲،شرح من لایحضرہ الفقیہ کتاب زکواۃ ص ۳۹۔

رہاہوں اور بخل تو کررہا ہے، جس چیز کی وہ مجھ سے امید کرتا ہے اور وہ چیز میں اسے اس کے سوال کرنے کے بعد عطا کروں تو گویا میں نے وہ چیز اسے فروخت کی ہے، جس چہرے کے ساتھ وہ خدا کی عبادت کرتا ہے اور وہ چہرہ میرے آگے شرمندہ ہوگا اور میں ایک مسلم بھائی کی شرمندگی برداشت نہیں کرتا، اسی لئے میں نے ایک مسلم بھائی کی ضروریات کا اندازہ کرکے اس کے سوال کرنے سے پہلے یہ کھجوریں اس کے پاس بھیج دی ہیں''۔

جوشخص اپنے بھائی کی مالی مدد نہیں کرتا تو وہ شخص اپنے دینی بھائیوں کے لئے بہشت کی دعا کرنے میں ہی بخل کرتا ہے کیونکہ وہ اس فانی دنیا میں اپنے دینی بھائیوں کی مدد کرنے سے بچتا ہے اور اپنی دعاؤں میں کہہ رہا ہوتا ہے پروردگار! تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جنت میں جگہ دے۔[۱]

۵۔ ایسا بھی ممکن ہے:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا تھا اور دسترخوان پر مرغ بریاں رکھا ہوا تھا، دروازے پر سائل نے صدا دی اور روٹی کا سوال کیا۔

مالک مکان بڑے غصے سے دسترخوان سے اُٹھا اور فقیر کو جھڑکیاں دے کر بھگا دیا۔

کچھ عرصے کے بعد وہ شخص مفلس ہوگیا اور تنگ دستی کی وجہ سے اس نے بیوی کو طلاق دے دی۔

پھر ایک عرصے کے بعد اس عورت کی دوسری جگہ شادی ہوگئی، ایک مرتبہ وہ عورت اپنے شوہر کے دسترخوان پر بیٹھی ہوئی تھی اور اُن کے سامنے مرغ بریاں رکھا ہوا تھا اتنے میں دروازے پر ایک سائل نے صدا دی اور روٹی کا سوال کیا۔

شوہر نے بیوی سے کہا کہ یہ بھنا ہوا مرغ جا کر سائل کو دے دو۔

عورت نے مرغ کو ایک برتن میں رکھا اور دروازے پر گئی، پھر دروازے سے روتی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آئی۔

شوہر نے رونے کا سبب پوچھا تو عورت نے کہا: ''دروازے پر جو سائل آیا ہے یہ میرا سابقہ شوہر ہے ایک دفعہ میں اور یہ آج کی طرح دسترخوان پر بیٹھے تھے اور ہمارے سامنے بھنا ہوا مرغ رکھا تھا کہ سائل نے دروازے پر صدا دی، میرا شوہر ناراض ہوکر گیا تھا اور سائل کو دھکے دے کر بھگا دیا تھا اور وہ خود سائل بن کر روٹی کا سوال کررہا ہے''۔

یہ سن کر شوہر نے بیوی سے کہا: ''اچھا تو سنو! اس دن تمہارے شوہر نے جس فقیر کو دھکے دیئے تھے وہ سائل میں ہی تھا''۔[۲]

---

[۱] اسلام و مستمندان ص ۲۵، فروغ کافی طبع قدیم ص ۱۶۷۔

[۲] دنیای جوان ص ۱۳۳، آثار الصادقین ۱۳۹/۸۔

باب نمبر 77

دوسروں کی مدد کرنا

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُّرِيدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهُ"[۱]

موسیٰ وخضر نے وہاں دیکھا کہ ایک دیوار جھکی ہوئی تھی اور گرنے کے قریب تھی تو خضر نے اسے سیدھا کر دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"من قضی لا خیه المومن حاجة فکانما عبدالله دهره"[۲]

جو شخص اپنے مومن بھائی کی ایک حاجت پوری کرے تو گویا اس نے پوری زندگی خدا کی عبادت کی ہے۔

مختصر تشریح:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس طرح سے خلق فرمایا کہ تمام انسان ایک دوسرے سے متصل رہتے ہیں اور اپنی حاجات کے لئے ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

مومن کو کبھی مکان کے کرائے کے لئے یا بیماری کی صورت میں یا کسی سے سفارش کروانے کے لئے مدد کی ضرورت پڑتی ہے لوگوں کے پاس وسائل بھی موجود ہوتے ہیں پھر بھی وہ بہانے سے کام لیتے ہیں اور اس کی مدد نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دشمنوں کے ساتھ گرفتار کرا دیتا ہے اور انہیں قیامت کے دن بھی عذاب میں مبتلا کرے گا۔

مومنین کی حاجات پوری کرنے کے لئے بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، اور کتب احادیث میں اس کی اتنی تاکید کی گئی ہے انسان اُسے دیکھ کر تعجب کرتا ہے کہ راہ سعادت کتنا کھلا ہوا ہے اور اس پر چلنے والے بہت ہی کم ہیں۔

---

[۱] سورہ کہف (آیت نمبر ۷۷)

[۲] جامع السعادات ۲/۲۳۰۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص اپنے کس مومن بھائی کی مدد کرے تو اس کا یہ عمل راہ خدا میں ایک ہزار غلام آزاد کرنے، ایک ہزار گھوڑے دینے اور جہاد کرنے سے بہتر ہے۔

یہ ابلیسی وسوسے ہوتے ہیں جو انسان کو دوسروں کی مدد کرنے سے روکتے ہیں جب کہ اس کی بہت زیادہ تاکید وارد ہوئی ہے۔[1]

۱۔ نو ہزار سال:

میمون بن مھران بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ امام حسن مجتبیٰؑ کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھا تھا وہاں پر ایک شخص آیا اور امام علیہ السلام سے عرض کی: ''اے فرزند رسول خدا! میں نے ایک شخص کا قرضہ دینا ہے اور میرے پاس ادائیگی کے لئے رقم نہیں ہے اور دوسری شکل میں وہ قاضی کے پاس میری شکایت کر کے مجھے زندان بھجوا دے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''میرے پاس اس وقت اتنی رقم نہیں ہے کہ میں تمہارا قرض ادا کرسکوں'' پھر اس شخص نے عرض کیا: ''مولا آپ کوئی ایسا کام کریں جس سے میں زندان جانے سے بچ جاؤں''۔

امام علیہ السلام حالت اعتکاف میں تھے پھر امام علیہ السلام نے اپنا جوتا پہنا، میں نے عرض کی: ''مولا! کیا آپ کو یہ بات بھول گئی ہے کہ آپ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حالت اعتکاف میں آپ مسجد سے باہر کسی کام کے لئے نہیں جاسکتے؟''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''نہیں مجھے یہ بات بھولی نہیں ہے لیکن میں نے اپنے والد ماجد سے یہ بات سنی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرے وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے نو ہزار سال تک اللہ کی عبادت کی ہو (جیسے اس نے ان نو ہزار سالوں میں دن کو روزے اور رات کو خدا کی عبادت کی ہو)''۔[2]

۲۔ طواف قطع کرنا:

ابان بن تغلب بیان کرتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ طواف بیت اللہ میں مصروف تھا۔

دوران طواف میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ باہر آؤ میری ایک بات سنو اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میں امام علیہ السلام سے جدا ہو جاؤں لہٰذا میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی۔

طواف کے دوسرے چکر کے دوران اُس شخص نے مجھے اشارہ کیا کہ میں اس طرف جاؤں اتفاق سے امام علیہ السلام نے اُسے اشارہ کرتے ہوئے دیکھ لیا، اور مجھ سے فرمایا کہ ابان کیا اس شخص کو تجھ سے کوئی کام ہے، میں نے عرض کیا جی ہاں مولا! امام علیہ

---

[1] احیاء القلوب ص ۱۲۱۔

[2] روایتھا و حکایتھا ص ۱۲۲، داستانھای پراگندہ ۱۵۲۔

السلام نے مجھ سے پوچھا کہ وہ کون ہے میں نے عرض کیا مولا! وہ میرے دوستوں میں سے ایک دوست ہے۔

آپؑ نے پوچھا کہ کیا وہ ہمارا محب اور شیعہ ہے میں نے عرض کی جی ہاں!۔

آپؑ نے فرمایا کہ جاؤ اس کی خواہش پوری کرو۔

میں نے عرض کیا: ''مولا! کیا میں طواف قطع کرسکتا ہوں؟''

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

پھر میں نے عرض کیا: ''مولاؑ! اگر طواف واجب ہو تو کیا مومن کی حاجت پوری کرنے کے لئے اُسے قطع کیا جاسکتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! اُسے توڑا جاسکتا ہے۔

پھر میں طواف قطع کیا اور اس شخص سے جا کر ملا۔[1]

۳۔ باہمی تعاون وایثار:

واقدی کہتے ہیں کہ میرے دو اچھے دوست تھے ایک دوست ہاشمی تھا اور دوسرا غیر ہاشمی تھا، اتفاق یہ ہوا کہ عید الفطر کے دن قریب آ گئے اور ہمارے گھروں میں فاقوں کی تیاری ہو رہی تھی۔

میری بیوی نے کہا: ''عید کے دن میں اور آپ تو کسی نہ کسی طرح سے صبر کرلیں گے، مگر ہمارے چھوٹے بچے دوسرے لوگوں کے بچوں کو جب رنگ برنگے کپڑے پہنے ہوئے دیکھیں گے تو وہ صبر نہیں کریں گے، لہٰذا چاہے کسی سے قرض کیوں نہ لو بچوں کے لئے لباس ضرور خریدو۔

بیوی کے مسلسل اصرار پر میں نے اپنے ہاشمی دوست کو خط لکھا کہ: ''میں اس وقت انتہائی پریشان ہوں خدا کے لئے آپ میری مدد فرمائیں، چنانچہ میرے دوست نے میرے پاس ایک تھیلی روانہ کی جس میں ایک ہزار درہم تھے۔

ابھی میں وہ تھیلی گھر میں لیکر نہیں گیا تھا کہ میرے دوسرے دوست کا مجھے رقعہ ملا جس میں اس نے تحریر کیا تھا: ''اس وقت جب کہ عید سر پر آرہی ہے میرے مالی حالات انتہائی خراب ہیں آپ میری مالی مدد کریں''۔

واقدی کہتے ہیں کہ میں نے وہی تھیلی کھولے بغیر اس دوست کے پاس روانہ کردی اور شرمندگی کی وجہ سے گھر نہیں گیا پوری رات مسجد میں گزار دی، صبح ہوئی میں گھر میں گیا خیال تھا کہ میری بیوی میرے اس فعل پر مجھے سرزنش کرے گی لیکن جب میں نے اسے پورا واقعہ سنایا تو اس نیک بخت نے کہا:

''چلو اچھا ہوا تم نے ایک غریب دوست کی آڑے ہاتھوں مدد کردی''۔

ابھی میں گھر میں اپنی بیوی سے گفتگو کررہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی میں باہر آیا تو دیکھا کہ میرا ہاشمی دوست وہ تھیلی

---

[1] شنید نیہای تاریخ ص ۶۹، محجۃ البیضاء ۳/۳۵۶۔

لئے کھڑا تھا جو اس نے مجھے بھیجی تھی اور میں نے اپنے دوست کو روانہ کی تھی۔

اس نے مجھ سے کہا: ''یہ تھیلی میں نے آپ کو روانہ کی تھی آپ نے اس سے کیا معاملہ کیا۔

میں نے بتایا کہ مجھے تیری تھیلی ملی تو اسی کے ساتھ ہی میرے فلاں دوست کا رقعہ ملا جس میں اس نے اپنی مالی پریشانی کا ذکر کیا تھا، تو میں نے اپنے دوست کو اپنی ذات پر ترجیح دی اور تمہاری ارسال کردہ تھیلی کھولے بغیر میں نے اسے ارسال کر دی۔

یہ سن کر میرا ہاشمی دوست ہنسنے لگا اور کہا کہ سنو اصل واقعہ یہ ہے'' جب تمہارا رقعہ مجھے ملا تو اس وقت میرے گھر میں بس یہی تھیلی تھی میں نے وہ تھیلی تمہیں روانہ کر دی اور میں نے دل میں سوچا کہ میں اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے کس سے درخواست کروں؟ چنانچہ میں نے اپنے فلاں دوست کو خط لکھا کہ میں مالی پریشانی کا شکار ہوں آپ میری مدد کریں، اور جیسے ہی اُسے میرا رقعہ ملا تو میرے اس دوست کے پاس بھی کچھ نہیں تھا اس نے فوراً ہی تجھے رقعہ لکھ دیا اور تم نے وہ تھیلی اسے روانہ کر دی، اور وہ ہمارا مشترکہ دوست وہی تھیلی لیکر خوشی خوشی میرے پاس آیا اور کہا کہ بھائی میرے اپنے گھر میں اس وقت کوئی چیز نہیں تھی البتہ میں نے ایک دوست سے یہ رقم ادھار لی ہے تم خرچ کرو آگے اللہ مالک ہے اور یوں میری بھیجی ہوئی تھیلی میرے پاس واپس آ گئی۔

اب ہم اس ایک ہزار کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اس میں سے ایک سو درہم تیری بیوی کو دیتے ہیں اور باقی ہم میں سے ہر ایک کو تین تین سو درہم حصے میں آتے ہیں۔

چنانچہ میرے ہاشمی دوست نے اس رقم کو تقسیم کر دیا اور چلا گیا۔

ہمارے اس واقع کی اطلاع کسی طرح سے مامون کو مل گئی تو اس نے مجھے اپنے پاس بلایا اور واقعہ کی تفصیل سنی۔

پورا واقعہ سننے کے بعد اس نے سات ہزار درہم منگوائے اور کہا: ''ان میں سے ایک ہزار درہم تیری بیوی کے ہیں اور باقی چھے ہزار درہم تم تینوں آپس میں برابر تقسیم کر لینا۔

۴۔ چراغ کا بجھا دینا:

حارث بیان کرتا ہے کہ ایک رات میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں امام عالی مقام علیہ السلام سے محو گفتگو تھا اور دوران گفتگو میں نے عرض کی کہ مولا! مجھے آپ سے ایک کام بھی ہے۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تو مجھے اس قابل سمجھتا ہے کہ میں تیری حاجت پوری کر سکوں گا۔

میں نے عرض کی: ''جی ہاں! یا علی! خدا آپ کو جزائے خیر دے''۔

اچانک امام علیہ السلام اپنی جگہ سے اُٹھے اور آپ نے چراغ بجھا دیا اور بڑے لطف و کرم کے ساتھ میرے پہلو بہ پہلو آ بیٹھے اور فرمایا جانتے ہو میں نے یہ چراغ کیوں بجھایا؟ میں نہیں چاہتا کہ تم اگر مجھ سے کوئی سوال کرو اور سوال کی وجہ سے تمہارے چہرے پر ذلت احتیاج طاری ہو میں اُسے دیکھنا برداشت نہیں کرتا، کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ جب

مومنین کی حاجت کسی دوسرے دل میں سپرد کی جائے تو یہ ایک خدائی امانت ہوتی ہے اُسے چاہیے کہ وہ اسے دوسرے لوگوں سے پوشیدہ رکھے اوراس کو فاش نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے عبادت کا ثواب دے گا اور اگر کوئی اس امانت کو فاش کرے تو سننے والوں کا حق ہے اور اس صاحب حاجت مومن کی مدد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔[۱]

۵۔ علمائے حق کی سیرت:

علمائے نجف اشرف میں سے ایک عالم کا بیان ہے کہ میں ایک دن سبزی فروش کی دکان پر کھڑا تھا کہ میں نے دیکھا کہ مرحوم آیت اللہ سید علی آقا قاضی (متوفی ۱۳۶۶) جھکے ہوئے تھے اوراس سبزی فروش کی دکان سے ناکارہ پالک چن رہے تھے، آپ نے باسی پالک اٹھائی اور وہ پالک دکاندار کے حوالے کی اور سبزی فروش نے اس کا وزن کیا اور آپ نے اُسے قیمت ادا کی اور وہ باسی پالک اٹھا کر عبا کے دامن مین چھپا کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

میں اُن کے پیچھے روانہ ہوا اور جا کر اُن سے کہا کہ حضرت آپ نے جو پالک کے پتوں کا انتخاب کیا یہ تو انتہائی باسی ہے، آخر آپ نے ایسا کیوں کیا؟

آپ نے مجھے فرمایا کہ جناب بات یہ ہے کہ دکاندار انتہائی غریب ہے اور مذہب حقہ کا پیروکار ہے میں کبھی کبھی اس کی مدد کیا کرتا ہوں، میں یہ نہیں چاہتا کہ اس کی مدد بلاعوض کروں اگر میں نے ایسا کیا تو اس شخص کی عزت، آبرو اور شرم مجروح ہو گا، اور اگر میں نے ایسے ہی اس کی مدد شروع کر دی تو ہوسکتا ہے کہ اس میں مفت خوری کی عادت جنم لے لے اور اگر ایسا ہو گیا تو یہ شخص کام کاج کرنا چھوڑ دے گا، ہمارے لئے کیا فرق ہے کہ اگر ہم تر و تازہ سبزی خریدیں یا باسی، مجھے معلوم ہے کہ یہ باسی سبزی اس سے کوئی بھی نہ خریدتا، دوپہر کے بعد اسے یہ باسی پالک دکان سے باہر پھینکنی پڑتی، اسی لئے میں نے اس سے یہ باسی پالک خریدی تا کہ وہ نقصان سے بچ جائے۔[۲]

---

[۱] بامردم اینگونہ برخورد کینم ص ۹۵، وافی ۶/ ۵۹۔

[۲] سیمای فرزانگان ص ۴۹ ف ۳۔ مہر تابان ص ۲۰۔

باب نمبر 78

کینہ

قرآن مجید میں ارشادخداوندی ہے:

"وَنَزَعۡنَا مَا فِيۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ"[۱]

اورہم ان کے سینوں میں موجودکدورتوں کونکال لیں گے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"المومن کیس بجقود"[۲]

مومن کینہ پرورنہیں ہوتا۔

مختصرتشریح:

کینہ کی جگہ دل میں ہوتی ہے کینہ پرورشخص کبھی بھی عزت واحترام حاصل نہیں کرسکتا،کینہ میں مبتلاشخص لوگوں پرتہمتیں لگائے گا اورلوگوں کے متعلق فحش گفتگوکرے گا وہ غلط قسم کی باتیں کرکے لوگوں کواُن کی عزت اورآبرواوردولت سے محروم کرنے کی کوشش کرے گا جب بھی اُسے کوئی مناسب موقع ملتاہے تووہ کینے کا بھرپوراظہارکرتا ہے۔

کینہ پرورشخص اپنے فریق مخالف کودیکھ کررنج والم میں گرفتارہوتاہے اوراگروہ کینہ نہ رکھے تواس کی آتش غضب تیزہوجاتی ہے،کینہ رکھنے والے شخص کی قوت عقل،قوت غضب کے سامنے مغلوب ہوجاتی ہےبعض اوقات اس سے ایسے افعال سرزدہوتے ہیں جس کی وجہ سے اُسے ساری زندگی کی پشیمانی اٹھانی پڑتی ہے،اورمومن کبھی بھی کینہ پرورنہیں ہوتا کیونکہ حسدوکینہ کی وجہ سے اچھائیاں ختم ہوجاتی ہیں،کینہ سے قوت عقل کا خاتمہ ہوجاتاہےاورکینہ پرورشخص دوزخ کا ایندھن بنتا ہے۔[۳]

---

[۱] سورہ الاعراف آیت نمبر ۴۳۔

[۲] جامع السعادات ۱/۳۱۱۔

[۳] احیاء القلوب ص ۶۴۔

۱۔ ولید بن عقبہ کی کینہ پروری:

ولید (گورنرکوفہ) کے باپ کا نام عقبہ تھا اورعقبہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدترین دشمن تھا، اس نے ایک دفعہ مکہ معظّمہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کی تھی، جنگ بدر میں یہی عقبہ رسول اللہ سے جنگ کرنے کفار کے ہمراہ آیا تھا جنگ بدر میں کفار مکہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور عقبہ لشکر اسلام کے ہاتھوں قیدی ہوا تھا۔

اُسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش کیا گیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے تحت امیر المومنین علیہ السلام نے اُسے قتل کردیا تھا۔

اسی لئے اُس کا بیٹا ولید ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام سے کینہ رکھتا تھا، وہ حضرت عثمان کا رشتہ دار تھا اور حضرت عثمان نے اپنے دورِ خلافت میں ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر بنادیا تھا یہ شخص شراب نوش تھا اور حضرت علی علیہ السلام کا بدترین دشمن تھا اور زندگی کے آخری لمحات تک مولا علی علیہ السلام پر سب وشتم کرتا رہا۔

ولید جب بیمار ہوا تو امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اس وقت وہ بے ہوش تھا جیسے ہی اس نے آنکھ کھولی تو حضرت امام حسن علیہ السلام سے کہا کہ میں نے جتنے بھی گناہ کئے ان سب پر میں پشیمان ہوں البتہ تیرے والد کے متعلق میں نے جو دشنام گوئی کی تو اس پر ہرگز پریشان نہیں ہوں۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اس کی وجہ بھی میں جانتا ہوں کیونکہ میرے والد ماجد نے تیرے کافر باپ کو قتل کیا تھا اور جب تو نے کوفہ میں شراب نوشی کی تھی تو میرے والد ماجد نے تیرے اوپر حد شرعی جاری کی تھی لہٰذا مجھے بھی یہ امید نہیں ہے کہ تو میرے والد کا وفادار بن سکے یا اُن سے محبت کرے۔[۱]

۲۔ ہند جگر خوار:

جنگ احد میں جناب حمزہ بن عبدالمطلب شیر غضب ناک کی طرح حملہ کر رہے تھے جنگ احد میں آپ نے تیس کفار کو قتل کیا اور اس کے بعد شہید ہوئے، جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے اور جنگ بدر میں کفار کے لشکر میں ہند زن ابوسفیان کے باپ اور بھائی کو قتل کیا تھا اس لئے ہند کے دل میں حضرت حمزہؓ کا کینہ گھر کرگیا تھا۔

جنگ احد میں وحشی جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا اسے ہند نے کہا کہ اگر تو حمزہ کو شہید کردے تو میں تجھے نقد انعامات، زیورات اور آزادی دلوادوں گی۔

چنانچہ اس نے چھپ کر حضرت حمزہؓ پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں حضرت حمزہؓ شہید ہوگئے اور وحشی آپؓ کے شکم کو چاک کر

---

[۱] کیفر کردار ۱/۱۰۹۔

کے آپ کا جگر نکال کر ہند کے پاس لے گیا، اس نے چاہا کہ اس میں سے کچھ کھا لے منہ میں رکھا تو خداوند عالم نے اسے سخت کر دیا تا کہ حضرت حمزہؑ کے اجزائے بدن کافر کے جسم سے نہ ملیں اُس نے فوراً نکال دیا، اسی لئے وہ ہند جگر خوار کے نام سے مشہور ہوگئی۔

اُس کے پاس جتنے بھی زیوارت تھے اس نے سب کے سب وحشی غلام کو دے دیئے اور خود جناب حمزہؑ کی لاش پر آئی آپؑ کے کان اور بدن کے کچھ اجزا کاٹ لئے باقی عورتیں بھی اس کی اقتداء میں مقتل گاہ میں آئیں اور انہوں نے باقی شہداء کا مُثلہ کیا۔

ابوسفیان جناب حمزہؑ کی لاش پر آیا اور اپنے نیزے کی نوک آپ کے منہ میں چھبو کر کہنے لگا اے عاق (نافرمان) اس تکلیف کو چکھ۔[1]

۳۔ ابن سلار:

چھٹی صدی ہجری میں ایک شخص مصری افواج کا سالار بنا اتفاق سے اس کا نام بھی ابن سلار تھا، پھر ترقی کرتے کرتے مقام وزارت حاصل کیا اور اس نے بھرپور طریقے سے لوگوں پر حکومت کی۔

ابن سلار کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ یہ ایک بہادر اور ہوشیار شخص تھا البتہ اس میں عیب یہ تھا کہ وہ کینہ پرور تھا، اس کی کینہ پروری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے جس وقت یہ ایک معمولی سپاہی تھا اس پر کسی کوتاہی کی وجہ سے کچھ جرمانہ عائد ہوا تھا۔

یہ اُس وقت کے خزانے کے افسر ابی الکرم کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اس پر ناجائز جرمانہ عائد کیا گیا ہے لہٰذا اس کا جرمانہ معاف کر دیا جائے، اس نے ابی الکرم کے سامنے جتنی بھی گفتگو کی لیکن ابی الکرم پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ابی الکرم نے کہا کہ تو کچھ بیان کر رہا ہے مجھے سنائی نہیں دیتا۔

ابن سلار ناراض ہو کر اس کے دفتر سے باہر آیا البتہ ہمیشہ کے لئے اس نے ابی الکرم کے خلاف اپنے دل میں کینہ رکھ لیا۔

جب ابن سلار منصب وزارت پر فائز ہوا تو اُسے انتقام لینے کا موقع مل گیا آخر کار اس نے ابی الکرم کو اپنے دربار میں طلب کیا اور حکم دیا کہ اس کے ایک کان میں اتنی اتنی بڑی میخ ٹھونک دو جو اس کے دوسرے کان سے نکلے۔

جب ابی الکرم کے کان میں میخ ٹھونکی جا رہی تھی اور وہ چیخ رہا تھا تو ابن سالار نے کہا کہ مجھے تیری چیخیں سنائی نہیں دیتیں، آخر کار وہ شخص ہلاک ہو گیا۔[2]

۴۔ کینہ دوستی میں بدل گیا

شیبہ مکہ کے رہنے والا ایک کافر تھا اس کا باپ عثمان کفار مکہ کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوا تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں قتل

---

[1] منتھی الامال ۱/۶۱۔

[2] داستانھا و پندھا ۱۶۳/۱، لغت نامہ دھخدا ابوسعد ص ۳۲۰۔

ہوگیا، اس جنگ میں اس کے خاندان کے آٹھ افراد مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے جس کی وجہ سے شیبہ کے دل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کینہ گھر کر گیا تھا۔

شیبہ بیان کرتا ہے کہ مجھے جتنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی تھی پوری کائنات میں اور کسی سے اتنی دشمنی نہ تھی اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ محمدؐ کی وجہ سے میرے خاندان کے آٹھ افراد قتل ہوئے تھے اور وہ سب کے سب حکومت اور پرچمداری کے قابل تھے، میرے دل میں ہمیشہ کینہ کی آگ بھڑکتی رہی یہاں تک کہ مکہ فتح ہوگیا مجھے سخت مایوسی ہوئی اور سوچتا رہا کہ اب میں محمدؐ سے کیسے بدلہ لے سکتا ہوں جب کہ پورا عرب محمدؐ کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا۔

پھر فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ حنین کے لئے روانہ ہوئے راستے میں قبیلہ بن ہوازن کے لوگوں نے چھپ کر لشکر اسلام پر حملہ کیا لشکر اسلام کے اس لڑائی میں پاؤں جم نہ سکے، لشکر اسلام کو شکست ہوئی اور لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے، شیبہ بیان کرتا ہے کہ میں بھی لشکر اسلام میں شامل تھا اور اس وقت میں نے سوچا کہ اب مجھے موقع مل جائے گا اور حضرت محمدؐ سے اپنے خاندان والوں کا بدلہ لے سکوں گا اور میں نے چاہا کہ میں جا کر محمدؐ پر حملہ کروں اور میں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں طرف اُن کے چچا حضرت عباس کھڑے ہیں اور چاہا کہ محمد مصطفی پر بائیں طرف سے حملہ کروں وہاں پر میں نے دیکھا کہ آپؐ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث کھڑا ہوا ہے جو آپؐ کی حفاظت کر رہا ہے میں نے سوچا کہ یہ بھی ایک دلیر شخص ہے جو محمدؐ کی محافظت کر رہا ہے۔

چنانچہ میں پشت پیغمبرؐ کی طرف آکر حملہ کرنا چاہتا تھا اور میں آپؐ کے پشت کی طرف اتنا قریب تر ہو چکا تھا اور اگر میں چاہتا تو اپنی تلوار سے محمد مصطفیؐ پر حملہ کر سکتا تھا میں نے تلوار بلند کی اور اچانک ایک شعلہ سا میرے اور محمدؐ کے درمیان حائل ہوگیا، اس شعلے کی چمک اتنی زیادہ تھی کہ میری آنکھیں چندھیا گئیں میں پیچھے ہٹا اور سمجھ گیا کہ خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا شیبہ! میرے پاس آؤ، جب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو انہوں نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ پروردگار! اس کے سینے سے شیطان کو دور فرما، اس کے بعد جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی طرف نگاہ کی تو آپ مجھے کائنات میں سب سے زیادہ محبوب دکھائی دیئے، اس طرح سے میرا کینہ دوستی میں بدل گیا۔

پس اس کے بعد میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے اتنی زیادہ جذبہ سے جنگ کی کہ اگر آپؐ کے دشمنوں میں میرا باپ بھی ہوتا تو میں اُسے بھی قتل کر دیتا، جب جنگ ختم ہوئی تو میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے شیبہ تمہارے لئے وہ بہتر ہے جو خدا نے چاہا یا وہ بہتر تھا جو تو چاہتا تھا۔ [1]

---

[1] پیغمبر و یاران ۳/۲۹۸۔ بحارالانوار ۲۱/۱۵۶۔

۵۔ کینہ پرور منافق:

منافق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوتی ہے کہ منافق کینہ پرور ہوتا ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کینے مختلف انداز میں پروان چڑھتے رہے۔

ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مسجد میں مہاجرین اور انصار کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اسی دوران حضرت علی علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب حضرت علی علیہ السلام کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور پیغمبر اکرمؐ نے بھی بڑی گرمجوشی سے علی علیہ السلام کا استقبال کیا اور حضرت علی علیہ السلام آ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ گئے، حاضرین میں دو افراد جو بڑے مشہور منافق تھے انہوں نے آپس میں سرگوشی کی۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو آپس میں سرگوشیاں کرتے دیکھا تو فرمایا کہ تم آہستہ باتیں کیوں کر رہے ہو، اُن پر آپؐ سخت ناراض ہوئے اور غضب کے اثرات آپؐ کے چہرہ مقدس پر ظاہر تھے اور فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی بھی شخص جنت میں نہیں جائے گا جب تک مجھ سے محبت نہ رکھے، لوگو! آگاہ رہو وہ شخص جھوٹا ہے جو یہ گمان رکھے کہ وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور علیؑ ابن ابی طالبؑ سے عداوت رکھے، اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

"فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (سورۃ مجادلہ آیت نمبر ۹)

جب آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور سرکشی کے لئے آپس میں سرگوشی نہ کرو۔[۱]

[۱] حکایتھای شنیدنی ۱۵۹/۴۔ بحارالانوار ۲/۷۰ ۳۹۔

باب نمبر 79

گریہ

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا [1]

انہیں چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں۔

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

"بکاء العیون وخشیة القلوب من رحمة الله تعالیٰ" [2]

آنکھوں کا رونا اور دل میں خضوع وخشوع کا پیدا ہونا رحمت خداوندی کی نشانی ہے۔

مختصر تشریح:

رحمت خدا کے مظاہر میں رونا بھی شامل ہے جب دل میں درد اٹھے اور انسان کی حالت خراب ہو تو اس وقت بے اختیار انسان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، دنیادار لوگ اپنی دنیا کی وجہ سے روتے ہیں جب کے مصیبت زدہ لوگ اپنی مصیبت پر گریہ کرتے ہیں اور عشاق الٰہی عشق خداوندی میں گریہ کرتے ہیں، بہر نوع گریہ توفیق خداوندی سے ہوتا ہے اگر توفیق الٰہی میسر ہو تو آنکھوں میں آنسو ضرور آجاتے ہیں لیکن بعض دفعہ رونے کی بنیاد مکر وفریب پر مبنی ہوتی ہے جیسے جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف کو کنویں میں دھکا دیا اور رات کو روتے ہوئے گھر واپس آئے۔

وہ شخص جسے آنکھوں سے آنسو نہ آئیں اور رو نہ سکے تو کم از کم خوف خدا میں اُسے رونے کی شکل ضرور بنانی چاہی تا کہ خدا کی رحمت کا مستحق بن سکے۔

اسی طرح سے سیدالشہداء کے غم میں رونے کی بھی آئمہ ہدی کی طرف سے بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے۔

---

[1] سورہ توبہ آیت نمبر ۸۲۔

[2] تفسیر معین ص ۳۰۹۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام:

علماء بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اصل نام عبدالغفار یاسکن تھا، آپؑ کی بددعا کی وجہ سے طوفان آیا جب تمام دنیا طوفان میں ڈوب گئی اور جب پانی خشک ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام اپنے مومن ساتھیوں کے ساتھ زمین پر آباد ہوئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئے اور فرمایا کہ اس سے قبل آپ تر کھان تھے اور لکڑی کا کام کیا کرتے تھے اور آپ کچھ دنوں کے لئے کوزہ گری کا پیشہ اختیار کریں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کوزہ گری شروع کردی اور جب کچھ دنوں کے بعد انہوں نے بہت زیادہ کوزہ بنائے اور جب کوزے پک گئے تو حضرت جبرائیل امین نازل ہوئے اور فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے ہاتھوں سے انہیں توڑ دو، حضرت نوح علیہ السلام نے چند کوزے بڑی ناگواری سے توڑے، جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپؑ تمام کوزے کیوں نہیں توڑتے، فرمایا: ''میں نے بڑی محنت سے یہ تمام کوزے بنائے ہیں میرا دل نہیں چاہتا کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے توڑوں''۔

جبرائیل امین نے فرمایا: ''نوحؑ! یہ بتاؤ کیا ان کوزوں میں کوئی جان ہے؟ کہا: ''نہیں'' جبرائیل امین نے فرمایا: ان کوزوں کے والدین یا کوئی اولاد ہے؟ نوح علیہ السلام نے فرمایا: ''نہیں'' جبرائیل امین علیہ السلام نے فرمایا کہ آپؑ نے جو کوزے بنائے مٹی اور پانی سے بنائے جب کہ مٹی بھی خدا کی ہے اور پانی بھی خدا کا ہے آپ نے تھوڑی سی محنت کر کے یہ کوزے تیار کئے، اب آپ ان کوزوں کو توڑنے پر راضی نہیں جو بے جان کوزے ہیں لیکن نوحؑ اندازہ تو کرو آپؑ نے اپنی بددعا کی وجہ سے کتنی مخلوقات کو ضائع کروا دیا جب کہ سب کے سب جاندار تھے، اُن کے والدین اور اولادیں بھی تھیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب حضرت جبرائیلؑ کی یہ بات سنی تو اتنا گریہ کیا کہ اس نوحہ گری کی وجہ سے آپؑ کا لقب نوحؑ مشہور ہو گیا۔[1]

۲۔ حضرت زہراؑ کا گریہ:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وجہ سے حریم ولایت پر تجاوز کی وجہ سے مسلمانوں کے ظلم وستم کی وجہ سے جناب زہرا سلام اللہ علیہا بہت زیادہ گریہ کرتی تھیں۔

مدینہ کے لوگ بی بیؑ کے رونے سے عاجز آگئے تھے اور انہوں نے بی بیؑ سے کہا کہ بی بی ہم آپ کے رونے کی وجہ سے بہت پریشان ہوتے ہیں، بی بیؑ مجبور ہو کر شہداء احد کی قبروں پر جا کر گریہ کرتی تھیں اور شام کے وقت گھر واپس آجاتی تھیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مدینہ کے مسلمان حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا کہ ابوالحسنؑ! فاطمہ دن رات اپنے والد ماجد

---

[1] جامع النورین ص ۱۲۲۔

کےغم میں روتی ہےاوران کے رونے کی وجہ سے ہم راتوں کوسونہیں سکتے ہم دن بھرمحنت مشقت کرتے ہیں اوررات کوفاطمہ کے رونے کی وجہ سےہمیں نیندنہیں آتی، یاعلیؑ آپ فاطمہ زہراؑ سے کہیں کہ وہ رونے کا وقت مقرر کرے یادن کوروئے یارات کو۔

حضرت علی علیہ السلام نے اُن مسلمانوں کا پیغام بی بی فاطمہؑ کو دیا تو انہوں نے کہا یاعلیؑ آپ اُن سے کہیں کہ میں چند دن کی مہمان ہوں اس کے بعد میں بھی وہاں چلی جاؤں گی جہاں میرے والد ماجد چلے گئے ہیں بعد میں تمہیں میرے رونے کی وجہ سے پریشان نہ ہوگی، اس جواب کے بعد حضرت علیؑ نے بقیع کے مقام پر بی بی کے رونے کے لئے ایک چھوٹا سا گھر بنایا تھا جسے ''بیت الاحزان'' کہا جاتا تھا، بی بی صبح کے وقت اپنی اولاد کو لے کر جاتیں اور وہاں سارا دن مصروف گریہ رہتیں اور شام کوحضرت علیؑ آپ کو گھر لے آتے تھے۔[1]

۳۔ ۳۵سال کا گریہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امام زین العابدین نے اپنے والد ماجد سید الشہداء پر پینتیس برس تک گریہ کیا، آپؑ دن کو حالت روزہ میں ہوتے اور رات کو عبادت خداوندی میں مشغول ہوتے تھے جب افطار کا وقت ہوتا تو غلام آپ کے سامنے غذا اور پانی لے آتا اور عرض کرتا کہ مولا! افطار کیجئے اس وقت جب آپ کی نگاہ غذا اور پانی پر پڑتی تو آپ کے منہ سے ایک آہ سرد نکلتی اور کہتے ہائے میرے والد مظلوم جن کو بھوکا پیاسا شہید کیا گیا، پھر آپ اتنا روتے کہ آپ کے آنسو سے آپ کی غذا تر ہو جاتی تھی اسی حالت میں آپؑ کی پوری زندگی بسر ہوئی یہاں تک کہ رب العالمین کے حضور پہنچ گئے۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام کے ایک دوست کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام سجادؑ صحرا کی طرف تشریف لے گئے اور میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے صحرا میں پہنچا، میں نے دیکھا کہ امام عالی مقام نے سخت پتھروں پر اپنا سر سجدہ میں رکھا ہوا تھا اور آپ گریہ کر رہے تھے، آپ کی چیخیں بلند ہوئیں اور حالت سجدہ میں کہہ رہے تھے:

''لا الہ الا اللہ حقا حقا لا الہ الا اللہ تعبداً ورقا لا الہ الا اللہ ایماناً و صدقاً''

آپ نے ہزار مرتبہ یہ تسبیح پڑھی۔

اس کے بعد آپ نے جب سجدہ سے سر اُٹھایا تو آپؑ کا چہرہ مبارک اور ریش اطہر آنسوؤں سے بھری ہوئی تھی۔

میں نے عرض کیا: ''مولا! آپؑ اپنا غم ختم کریں اور کم گریہ کیا کریں''۔

آپؑ نے فرمایا: ''وائے ہو تم پر تم نے بھی انصاف نہیں کیا، حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹے عطا کئے تھے اُن میں سے ایک بیٹا اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا وہ اتنا روئے کہ اُن کے بال سفید ہو گئے اُن کی قامت خمیدہ ہو گئی اُن کی آنکھیں سفید ہو گئیں اُن کا بیٹا بھی زندہ تھا جب کہ میں نے اپنے والد ماجد، بھائیوں اور سترہ خاندان کے لوگوں کو خاک وخون میں غلطان دیکھا ہے یہ

[1] مصیبت بزرگ ص ۷۴۔ بحار الانوار ۱۷۷/۴۳۔

دیکھنے کے بعد میں اپنا گریہ کیسے کم کرسکتا ہوں۔[1]

۴۔ گریہ رحمت:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف دو بیویاں صاحب اولاد بنیں تھیں، ایک بی بی خدیجہ الکبری اور دوسری ام المومنین بی بی ماریہ قبطیہ۔

اللہ تعالی نے بی بی ماریہ قبطیہ کو ایک بیٹا عطا کیا تھا جس کا نام آپؐ نے ابراہیم رکھا تھا اور جناب ابراہیم اس دنیا میں ایک سال دو ماہ اور آٹھ دن تک زندہ رہے، ماہ ذی الحج ۸ھ کو اُن کی وفات ہوئی تھی۔

جیسے ہی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپؐ بہت زیادہ مغموم ہوئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور آپؐ فرمارہے تھے کہ آنسو بہہ رہے ہیں اور دل مغموم ہے لیکن ہم ایسی کوئی بات نہیں کہیں گے جو خدا کی ناراضگی کا سبب ہو۔

پھر آپؐ آہ سرد بھر کر کہتے تھے ابراہیم! تیری وفات نے ہمیں غمزدہ کردیا۔

ام المومنین بی بی عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول خدا اپنے بیٹے کی وفات پر رو رہے تھے تو ایک شخص نے عرض کیا؛ ''یارسول اللہ! آپ تو ہمیں اس طرح رونے سے منع کرتے ہیں اور آپؐ خود کیوں رو رہے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: ''یہ رونا نہیں ہے بلکہ یہ رحمت ہے اور شفقت کا اظہار ہے جو کسی پر رحم نہیں کرتا وہ رحمت خدا کا بھی مستحق نہیں ہوتا۔[2]

۵۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا گریہ:

ایک دفعہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ چند عبادت گزار افراد نے بیت المقدس میں بالوں کا لباس اور پشم کی ٹوپیاں پہنی ہوئیں ہیں، تو انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ سے تقاضا کیا کہ وہ اُن کے لئے ایسا ہی لباس بنادیں، اُن کی والدہ ماجدہ نے اُن کو ویسا ہی لباس بنادیا اور آپ اسے پہن کر علمائے حق کے ساتھ بیت المقدس میں مشغول عبادت ہو گئے، وہ عبادت اور خوف خدا میں گریہ کرتے کرتے بہت ہی کمزور ہو گئے تھے، ایک دفعہ اللہ تعالی نے جناب یحییٰ کو وحی فرمائی کہ تو بہت کمزور ہے تو اتنا گریہ کیوں کرتا ہے، مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم اگر تجھے آتش دوزخ کا علم ہوتا تو تو نے جو لباس زیب تن کیا ہوا ہے اس کی جگہ لوہے کا لباس پہنتا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام یہ خطاب سن کر اتنا روئے کہ انتہائی کمزور ہو گئے ایک دن حضرت یحییٰ علیہ السلام سے حضرت زکریا

---

[1] نمونہ معارف ۲/۵۸۹۔انوار نعمانیہ ۲/۲۷۔

[2] داستانھا و پندھا ۷/۱۵۷۔وسائل الشیعہ ۲/۹۲۱۔

علیہ السلام نے فرمایا:’’ پیارے فرزند!تم اتنا گریہ کیوں کرتے ہو؟ میں نے تو تجھے خدا سے مانگ کر حاصل کیا ہے کہ خدا مجھے ایسا فرزند عطا کرے جو میرا نور چشم ہو۔

یحیی علیہ السلام نے عرض کیا:’’ بابا جان!ایک دن آپ نے خود ہی فرمایا تھا کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک وادی ہے اور اس وادی کو وہ عبور کرے گا جو خوف خدا میں زیادہ گریہ کرے گا،اسی لئے میں رورہا ہوں تا کہ میں اس وادی کو عبور کرسکوں۔

ایک دن حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کو وعظ ونصیحت کررہے تھے تو اس دوران حضرت زکریا علیہ السلام نے وادی سکران (جو کہ جہنم کی ایک وادی ہے) کا ذکر کیا جیسے ہی حضرت یحیی علیہ السلام نے لفظ سکران سنا تو روتے ہوئے وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور شہر سے باہر چلے گئے اُن کے جانے کے بعد اُن کے والد، والدہ اور بنی اسرائیل کے چند جوان اُن کو تلاش کرنے کے لئے شہر سے باہر گئے۔[1]

[1] رسالہ لقاءاللہ ص ۱۵۷/۶۴۔

باب نمبر 80

گناہ

قرآن مجید کا ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

"فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ"[1]

ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"یسن من عرق یضرب ولا نکبة ولا صداع ولا مرض الا بذنب"[2]

جب بدن میں کوئی رگ حرکت کرے یا انسان پر کوئی تکلیف آئے یا اس کا سر درد کرے یا جب بیماری میں مبتلا ہو تو اس کی وجہ اس کے گناہ ہوتے ہیں۔

مختصر تشریح:

گناہ کرنا ایک بیماری ہے اور انسان کا اپنے عیوب سے بے خبر رہنا اس بیماری کا سبب ہے جو کہ گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے۔

اپنے گناہ کو چھوٹا تصور کرنا بدترین جرم ہے گناہ کبھی بھی چھوٹا نہیں ہوتا، گناہ خدا کی نافرمانی کا نام ہے، گناہوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ گناہ ہیں جن کا تعلق انسان اور خدا کے ساتھ ہے مثلاً ایک انسان نماز نہیں پڑھتا تو اب خدا جانے اس کا بندہ جانے خدا جو چاہے اسے اس کی سزا دے۔

ایک جرم وہ ہے جو ایک انسان اپنے جیسے دوسرے انسان سے کرتا ہے جب تک فریق مخالف کی رضا حاصل نہ کر لی جائے تو قیامت کے دن حساب دینا بہت مشکل ہو جائے گا۔

گناہ کی دوا استغفار ہے، گناہوں سے شفا کی علامت یہ ہے کہ انسان اس گناہ کو ترک کر دے۔

---

[1] عنکبوت آیت نمبر ۴۰

[2] جامع السعادات ۳/۴۷۔

اور اگر شیطان اسے پھر بھی گمراہ کرے تو فوراً توبہ کرے اور آئندہ انسان اس گناہ کا اصرار نہ کرے۔

ا۔ حمید بن قحطبہ طائی کا گناہ:

عبداللہ بن بزاز نیشاپوری سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میرے اور حمید بن قحطبہ طوسیٰ کے درمیان ایک معاملہ تھا، جب میں اس سے ملنے گیا اس وقت ماہ رمضان تھا، جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ حمید گھر میں بیٹھا ہے جس میں پانی کی ایک نہر جاری تھی، اس نے اپنے ہاتھ دھوئے اور مجھے بھی ہاتھ دھونے کا حکم دیا، میں نے ہاتھ دھوئے پھر اس کا خادم طعام لیکر حاضر ہوا، میرے دل سے یہ بات محو ہوگئی تھی کہ ماہ رمضان ہے اور میں روزہ سے ہوں، جب میں نے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھایا تو مجھے یاد آیا کہ میں حالت روزہ سے ہوں۔

میں نے ہاتھ کھینچ لیا حمید کہنے لگا کہ کیوں ہاتھ کھینچ لیا؟ میں نے کہا کہ ماہ رمضان ہے اور میں بیمار نہیں اور کوئی وجہ بھی نہیں جو موجب افطار ہو شاید امیر کے لئے اس سلسلے میں کوئی علت اور عذر ہو جو اس کے لئے افطار کا سبب بنے وہ پلید کہنے لگا مجھے کوئی بیماری نہیں اور میرا بدن بھی صحیح وسالم ہے یہ کہہ کر وہ رونے لگا جب کھانا کھانے سے فارغ ہوا تو میں نے کہا اے امیر تیرے رونے کا سبب کیا ہے اس نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ جس زمانے میں ہارون طوس میں تھا ایک رات آدھی رات کے وقت اس نے مجھے بلایا جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ شمع اس کے پاس جل رہی ہے اور ننگی تلوار رکھی ہوئی ہے، اور ایک خادم اس کے پاس کھڑا ہوا ہے جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا تو کس قدر میری اطاعت کے لئے حاضر ہے میں نے کہا جان و مال سے تیرا مطیع ہوں، پس کچھ دیر تک سر جھکائے رہا پھر مجھے جانے کی اجازت دی، جب میں واپس گیا تو پھر قاصد بلانے آیا اور اس دفعہ مجھے ڈر لگا میں نے کہا "انا للہ وانا الیہ راجعون" گویا مجھے قتل کرنا چاہتا تھا جب اس نے مجھے دیکھا تو اسے شرم محسوس ہوئی اب مجھے بلاتا ہے تو قتل کردے۔

جب میں اس کے پاس دوبارہ گیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ میری اطاعت تیرے نزدیک کیسی ہے؟ تو میں نے کہا کہ جان و مال اور فرزند و اہل وعیال کے ساتھ تیرا فرمانبردار ہوں، پس اس نے تبسم کیا، دوبارہ مجھے رخصت کیا، ابھی میں اپنے گھر میں داخل ہی ہوا تھا کہ دوبارہ اس کا قاصد آیا اور مجھے اس کے پاس لے گیا، جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے پہلے والی بات کا اعادہ کیا تو اس دفعہ میں نے جواب دیا کہ میں جان و مال سے بیوی واولاد اور اپنے دین کے ساتھ تیری اطاعت کرتا ہوں۔

رشید نے جب یہ جواب سنا تو ہنسا اور کہنے لگا یہ تلوار لو اور جو حکم تجھے یہ غلام دے اس کو بجالاؤ، پس خادم نے میرے ہاتھ میں تلوار دی اور مجھے ایسے مکان میں لے گیا جس کا دروازہ مقفل تھا پس اس نے تالا کھولا اور مجھے مکان کے اندر لے گیا، جب اندر گیا تو ایک کنواں دیکھا جو مکان کے صحن میں کھدا ہوا تھا، اور اس صحن کے اطراف میں تین حجرے تھے جن کے دروازوں پر تالے لگے تھے، پس اس نے اُن میں ایک کا دروازہ کھولا اور اس حجرے میں بیس افراد دیکھے، بوڑھے جوان اور بچے جن کے سروں پر گیسو تھے اور وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور وہ سب کے سب اولاد علیؑ اور فاطمہ علیہا السلام تھے، پس اس خادم نے مجھ سے کہا خلیفہ نے تجھے حکم

دیا ہے کہ ان کی گردن اڑا دو پھر وہ ایک ایک کو میرے پاس لے آتا اور میں اس کنویں کے پاس کھڑا تھا اور اُن کی گردن اڑا دیتا اور یہاں تک کہ میں نے ان تمام کو قتل کر دیا، اس کے بعد اُن کے سر اور بدن اس کنویں میں پھینک دیئے اور اس نے دوسرے حجرے میں سے بھی بیس افراد کو نکال کر میرے سامنے لایا اور کہا کہ ان کو بھی قتل کر دو، اس کے بعد اس نے تیسرے حجرے کا دروازہ کھولا اس میں بھی بیس سادات قید تھے اُن کو بھی میں نے قتل کیا جب ان آخری بیس افراد میں سے میں نے انیس افراد کو قتل کر دیا اور میرے سامنے بیسویں کو لایا گیا تو وہ ایک بوڑھا شخص تھا، اس نے مجھ سے کہا تیرے ہاتھ کٹ جائیں اے بد بخت ملعون تو کیا عذر پیش کرے گا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں جب آپؐ نے تجھ سے پوچھا کہ تو نے میری اولاد کے ساٹھ افراد کو کیوں ظلم و جور سے قتل کیا تھا؟۔ جب میں نے یہ بات سنی تو میں کانپ گیا اور مجھے رعشہ محسوس ہونے لگا۔

تو خادم میرے پاس آیا اور وہ چیخا تو میں نے اس بوڑھے علوی کو بھی قتل کر دیا۔

جب میں اولاد رسول میں سے ساٹھ افراد کو بے گناہ قتل کر چکا ہوں تو مجھے روزہ اور نماز کیا فائدہ دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ میں ہمیشہ جہنم میں رہوں گا۔[1]

۲۔ ایک گناہگار کی جلاوطنی:

بنی اسرائیل میں ایک فاسق اور گناہگار شخص رہتا تھا اور شہر کے لوگ اس کے گناہوں کی وجہ سے تنگ آ چکے تھے انہوں نے خدا کے حضور اس کے خلاف بد دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اس فاسق انسان کو اس شہر سے جلاوطن کر دو تا کہ اس کی وجہ سے باقی لوگوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گناہگار جوان کو جلاوطن کیا وہ شخص دوسرے شہر میں چلا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی کے تحت اُسے اُس شہر سے بھی جلاوطن کرا دیا، اب اس کے رہنے کو کوئی جگہ نہ رہی وہ شخص ایک غار میں آ کر بیٹھ گیا، غار میں رہنے کے بعد وہ فاسق جوان بیماری میں مبتلا ہو گیا اور وہاں پر کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جو اس کی عیادت کرتا، اس وقت اس گناہگار کو اپنی موت کا یقین ہو گیا اس وقت اس گناہگار نے خدا کے حضور گڑگڑا کر التجا کی کہ پروردگار! اگر اس وقت میرے خاندان والے میرے ساتھ ہوتے تو میری اس بیچارگی کو دیکھ کر ضرور روتے، تو نے میرے والدین، میری بیوی اور میری اولاد کے درمیان جدائی ڈالی ہے لیکن آخرت کے دن مجھے دوزخ کا ایندھن نہ بنانا۔

اللہ تعالیٰ کو اس کی وہ مناجات پسند آئیں اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو اس کے ماں باپ اور بیوی بچوں کی شکل دے کر اس کے پاس بھیجا، جب اس گناہگار شخص نے اپنے رشتہ داروں کو غار میں دیکھا تو بہت خوش ہوا اور چند لمحات کے بعد اس کی روح پرواز ہو گئی۔

---

[1] کیفر کردار۔ ۴۰۲/۱۔ عیون اخبار الرضا ۱۰۹/۱۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرا ایک دوست فلاں پہاڑ کی فلاں غار میں وفات پا چکا ہے آپ جائیں اُسے غسل دیں اور دفن کریں۔

موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پر آئے اور اس کی لاش کو غور سے دیکھا تو آپؑ پہچان گئے یہ تو وہی گناہگار جوان ہے جس کے متعلق خدا نے انہیں جلاوطنی کا حکم دیا تھا۔

اور عرض کیا: ''اے پروردگار! یہ تو وہی فاسق نوجوان ہے جس کے متعلق تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اسے جلاوطن کروں۔

خدا نے فرمایا: ''ہاں موسیٰؑ! یہ جوان وہی ہے میں نے اس کے گریہ و بکا کی وجہ سے اس پر رحم کیا ہے اور میں نے اس کو معاف کر دیا ہے۔[1]

۳۔ حضرت عیسیٰ وطلب باران:

ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی طلب باران کے لئے شہر سے باہر صحرا میں پہنچے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم میں سے جس شخص نے گناہ کیا ہے وہ ہمیں چھوڑ کر واپس شہر کو چلا جائے، یہ سننے کے بعد سب لوگ واپس شہر کو چلے گئے صرف ایک نوجوان آپ کے ساتھ باقی بچا۔

آپؑ نے اس جوان سے فرمایا: ''اے جوان کیا تم نے کبھی بھی گناہ نہیں کیا؟

نوجوان نے جواب دیا: ''حضور! مجھے یاد تو نہیں ہے کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہو البتہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا ایک عورت میرے سامنے سے گزری تو میری آنکھیں اس پر ٹھہر گئی، جیسے ہی وہ دور گئی تو میں نے اپنی اس آنکھ کے ڈھیلے کو نکال اس کی طرف پھینک دیا''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ''تم نے بہت بڑی توبہ کی ہے لہٰذا اب تم دعا کرو اور میں امین کہوں گا۔

چنانچہ اس جوان نے بارش کی دعا مانگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے امین کہی اور خدا نے اُن کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور باران رحمت نازل فرمائی۔[2]

۴۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی وجہ:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک قبیلے کا سردار تھا اور اُس کی دوسرے قبائل سے دشمنی بھی رہتی تھی، ایک دفعہ کسی دوسرے بادشاہ نے اس کے قبیلہ پر حملہ کر دیا، نتیجہ میں مقامی قبیلہ کو شکست ہوئی اور بادشاہ کے لشکر نے اُن کی عورتوں کو قیدی کر لیا اور اُن کا مال و دولت لوٹ

[1] عنوان الکلام ص ۷۸۔ جامع الاخبار۔

[2] شنیدھای تاریخ ص ۲۲۔ محجۃ البیضاء ۱/۲۹۹۔

لیااوراس قبائل کے افراد جو باقی بچے تھے وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جب بادشاہ اُن عورتوں کو اپنے ساتھ لیکر چلا گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان عورتوں کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

جنگ سے فرار کرنے والے افراد بعد میں شرمندہ ہوئے اور انہوں نے کچھ اپنے شعرا کو کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں اچھے اچھے اشعار پڑھواور اُن میں ہماری عذرخواہی ظاہر کرو، تا کہ اسے ہمارے اوپر ترس آجائے۔

چنانچہ بادشاہ راضی ہو گیا اور اس قبیلے کے افراد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی عورتوں کی واپسی کی درخواست کی۔

بادشاہ نے کہا کہ عورتوں کی تو شادیاں ہو چکی ہیں اب میں انہیں تمہارے ساتھ جانے پر مجبور نہیں کروں گا، ہاں البتہ میں عورتوں کو اختیار ضرور دیتا ہوں اُن میں سے جو عورت تمہارے ساتھ جانے پر راضی ہو تو وہ تمہارے حوالے کر دوں گا۔

قیس بن عاصم کی بھی ایک بہن جو اس معرکے میں قید ہوئی تھی، بادشاہ نے اس کی شادی ایک قوی ہیکل اور خوبصورت جوان سے کی تھی۔

جب اس عورت سے یہ کہا گیا کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ واپس جاؤ تو اس نے کہا کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ کبھی بھی نہیں جاؤں گی میں اپنے شوہر کے ساتھ ہی رہوں گی، قیس بن عاصم نے اُسے بہت منت سماجت کی لیکن عورت راضی نہ ہوئی۔

اس کے بعد قیس اپنے وطن واپس آیا اور کہا کہ عورتوں میں کوئی وفا نہیں ہوتی لہذا اسے زندہ رکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں اس دن سے عرب کے قبائل میں بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم بد شروع ہوئی۔[1]

۵۔گناہوں کا کفارہ:

بنی اسرائیل کے ایک نبی کا ایک جگہ سے گزر ہوا اس نے دیکھا کہ وہاں ایک دیوار گری ہوئی ہے اور اس دیوار کے نیچے ایک شخص کا آدھا وجود اندر دھنسا ہوا اور آدھا وجود باہر ہے، نبی نے دیکھا کہ حیوانات اس کے جسم پر مسلط تھے اور اس کا گوشت کھا رہے تھے۔

وہ نبی وہاں سے روانہ ہوا اور دوسرے شہر میں گیا اور دیکھا کہ اس شہر کا مشرک بادشاہ مر گیا تھا اور تمام اہل شہر اس کے مراسم عزا میں مصروف تھے بہت سے لوگ اس کے جنازے میں شامل تھے جب نبی نے یہ منظر دیکھا تو کہا: ''پروردگار! تو صاحب حکمت اور عادل ہے وہ دیوار کے نیچے آکر مرنے والا شخص مومن تھا جس کا گوشت درندے کھا رہے تھے اور جب کہ یہ مرنے والا شخص مشرک ہے اس کی لاش کو بڑا احترام مل رہا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟۔

اللہ تعالیٰ کا خطاب ہوا: ''دیکھو جیسا کہ تو نے خود کہا ہے کہ میں صاحب حکمت اور عادل ہوں اس مومن شخص کے کچھ گناہ

[1] جامع النورین ص ۷۸۔

تھے میں نے اُسے مشکل موت اس لئے دی تا کہ اس کے گناہ معاف ہو جائیں اور یہ مرنے والا بادشاہ مشرک تھا لیکن ظاہری زندگی میں اس کی کچھ اچھائیاں بھی تھیں اس لئے میں نے اُسے عزت کی موت دی تا کہ اس کی اچھائیوں کی جزا اُسے مل جائے اور آخرت میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں ہوگا''۔[1]

[1] نمونہ معارف ۵/۲۹۹۔کافی ۲/۲۸۸۔

باب نمبر 81

لذت

قرآن مجید میں ارشاد باری ہوتا ہے:

"بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ"[۱]

اہل جنت کو خالص اور سفید رنگ کی شراب کے پیالے پیش کئے جائیں گے جو کہ پینے والوں کے لیے لذت بخش ہوں گے۔

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے ارشادفرمایا:

"شتان ما بين عملين عمل تذهب لذته و تبقى تبعته و عمل تذهب مو و نتبه و يبقى اجره"[۲]

ان دو اعمال میں کتنا فرق ہے ایک وہ عمل ہے جس کی لذت تو جاتی رہے لیکن اس کی سزا باقی رہے اور دوسرا عمل وہ ہے جس کی تکلیف تو جاتی رہے لیکن اس کی جزا ہمیشہ کے لئے باقی رہے۔

مختصر تشریح:

انسانی طبیعت لذات کی طرف مائل رہتی ہے اور کچھ لذات ایسی ہیں جو شریعت میں قابل تعریف ہیں مثلا عبادت اور علم حاصل کرنے کی لذت، کچھ لذات ایسی ہیں جن کی شریعت نے ممانعت کی ہے مثلا ناجائز شہوات کی لذت اور حرام غذا کھانے کی لذت تو انسان کو چاہیے کہ حرام لذات سے پرہیز کرے۔

نعمات خداوندی کی قسموں میں فرق ہوتا ہے اسی طرح سے ان کی لذات میں بھی فرق ہے، اہل علم، علم حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے چھوٹا بچہ ماں کے دودھ سے لذت حاصل کرتا ہے اور تاجر دولت جمع کر کے لذت حاصل کرتا ہے، ہر گروہ اور ہر شخص کی لذت کا معیار مختلف ہوتا ہے۔

---

[۱] سورۃ الصافات (آیت نمبر ۶۴،۶۵)

[۲] نہج البلاغہ فیض الاسلام ۱۱۴۳۔

حلال لذات میں انسان کوافراط وتفریط سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ زیادہ لذات کوحاصل کرنا بھی آفات وبلیات کا سبب بن جاتا ہے،حرام لذات تو ویسے ھی حرام ہیں۔

۱۔ سات لذات:

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا میں نے ایک آہ سرد بھری،امام علیہ السلام نے فرمایا:''دنیا کیلئے ٹھنڈی آہ بھر رہے ہو''؟

جابر نے عرض کی:''جی ہاں مولا! دنیا میرے ذہن میں گردش کررہی تھی اس لئے میرے دل سے ٹھنڈی سانس نکلی،امام علیہ السلام نے فرمایا:

جابر! یہ تمام لذتیں اور آسائشیں جواس دنیا میں ہیں وہ سات ہیں،کچھ کھانوں میں لذت ہے کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے پینے میں لذت ہے اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے سننے میں لذت ہے،خواہشات جنسی میں لذت ہے،بعض دفعہ کسی سواری پر سوار ہونے پر انسان لذت محسوس کرتا ہے۔

کھانے میں بہترین چیز شہد ہے اگر غور کریں تو یہ مکھی کا لعاب دھن ہے،بہترین پینے کی چیز پانی ہے جسے مسلمان بھی پی رہے ہیں اور کافر بھی پی رہے ہیں،کانوں کو اچھی آواز اور ترنم سے لذت محسوس ہوتی ہے،جب کہ راگ راگنی حرام ہے،ناک کو بوئے مشک سے لذت محسوس ہوتی ہے جب وہ مشک نافہ ہرن سے حاصل کی جاتی ہے جو کہ ہرن کا خون ہوتا ہے،اور جنسی لذت مرد وعورت کے ملاپ سے ممکن ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے وہ لذت پیشاب کے مقام سے حاصل ہوتی ہے۔

بہترین سواری پر سوار ہونا لذت ہے بعض دفعہ سواری کا جانور بگڑ بھی جاتا ہے جس سے انسان کی موت بھی واقع ہوجاتی ہے۔

بہترین لباس ریشم کا کپڑا ہے اور ریشم ایک کیڑے سے حاصل ہوتا ہے جب دنیا کی لذیذ ترین اشیاء کا یہ عالم ہے تو پھر عقل مند آدمی اس دنیا کے لئے آہ سرد کیوں بھرے۔

جابر کہتا ہے کہ خدا کی قسم امام علیہ السلام کے وعظ سے مجھ پر اتنا اثر کیا کہ میری کایا ہی پلٹ گئی۔

۲۔ دوخواجہ سرا:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاب طیبہ میں مدینہ میں دوخواجہ سرا زندگی بسر کرتے تھے اور یہ عام طور پر بے ہودہ گفتگو کرتے تھے اور لوگوں کو ہنسایا کرتے تھے۔

ایک دن یہ دونوں شخص ایک مسلمان سے گفتگو کررہے تھے اور رسول پاکؐ نے چند قدموں پر کھڑے ہوکر اُن کی گفتگو سنی

اور وہ کہہ رہے تھے جب تم لوگ طائف پر حملہ کرو اور اُسے فتح کرلو تو وہاں غیلان ثقفی کی بیٹی کو ضرور تلاش کرنا اور اُسے قیدی بنا کر اپنے لئے مخصوص کر لینا اس کا چہرہ بہت خوبصورت ہے اس کی آنکھیں موٹی ہیں، کمر باریک ہے اور اس کی قامت کشیدہ ہے جب بیٹھتی ہے بڑے جاہ وجلال کے ساتھ بیٹھتی ہے، جب گفتگو کرتی ہے تو اس کی گفتگو بہت ہی جاذب ہوتی ہے اس کا چہرہ ایسا ہے اور پشت ایسی ہے۔۔۔۔ وہ ایسی باتیں کر کے ایک مسلمان کو ترغیب دے رہے تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرا اندازہ یہ نہیں تھا کہ تم عورتوں کی طرف اتنا مائل ہو گے بلکہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تمہارا تعلق اُن لوگوں سے ہے جو جنسی میلان نہیں رکھتے، لہٰذا آپؐ نے حکم دیا کہ انہیں مدینہ طیبہ سے باہر نکال دیا جائے۔

چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق انہیں سرزمین ''غرابا'' میں بھیج دیا گیا، اور انہیں ہفتہ میں صرف ایک دن مدینہ طیبہ میں ضروریات زندگی کی اشیاء خریدنے کی اجازت تھی۔[۱]

۳۔ لذت مناجات:

ایک شخص کے پاس ایک غلام تھا اور اس شخص نے غلام سے کہہ رکھا تھا کہ رات کو جہاں چاہے جا سکتا تھا لیکن اس کے بدلے صبح اُسے ایک درہم دینا ہوگا۔

اس مالک کے پاس اور بھی غلام موجود تھے ایک دن کسی اور غلام نے مالک سے کہا کہ یہ شخص جو رات کو جاتا ہے اور صبح آکر تمہیں ایک درہم دیتا ہے یہاں رات کو محنت مزدوری کا بھی کوئی تصور نہیں ہے، ہمارا شک یہ ہے کہ یہ غلام رات کو اس شہر کے قبرستان میں جا کر مردوں کے کفن چوری کرتا ہے اور اس میں سے آکر صبح ایک درہم تجھے دیتا ہے جب مالک نے یہ بات سنی تو بہت مغموم ہوا اور جب رات کے وقت وہ غلام اس سے اجازت لینے کے لئے آیا تو اس نے اجازت دے دی۔

مالک نے اس کی نقل وحرکت دیکھنے کے لئے اُس کا پیچھا کیا وہ غلام شہر سے باہر ایک قبرستان میں آیا وہاں پر ایک وسیع خالی قبر تھی وہ اس میں داخل ہوا وہاں اُس نے سیاہ لباس پہنا اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑا اور اپنی پیشانی خاک پر رکھی اور اپنے حقیقی خدا سے راز و نیاز کرتا رہا۔

اس کا مالک دور بیٹھ کر یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور روتا رہا، جیسے ہی صبح ہوئی تو غلام نے کہا: ''پروردگار تو جانتا ہے میرا ایک مالک ہے جسے ہر صبح مجھے ایک درہم دینا ہوتا ہے پروردگار میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے اب تو مجھے ایک درہم عطا کرتا کہ میں اپنے مالک کو ایک درہم دے کر راضی کرسکوں۔ جیسے ہی اس کی مناجات ختم ہوئی تو ہوا میں ایک نور سا پیدا ہوا اور جیسے ہی روشنی ختم ہوئی تو اس غلام کے ہاتھ میں ایک درہم آیا۔

جب مالک نے یہ منظر دیکھا تو اس نے غلام کو گلے لگایا، غلام حیران ہو گیا اور کہنے لگا پروردگار! میرے اور تیرے درمیان

---

[۱] حکایتهائی شنیدنی ۳/۸۹۔ بحارالانوار ۲۲/۸۸۔

ایک رازتھااب یہ راز فاش ہوگیامہربانی فرمامجھے اپنے پاس بلالے،اس غلام نے جیسے ہی یہ کہاتواس کی وفات ہوگئی۔ مالک نے لوگوں کواس کے معاملے کی خبردی اوراُسے اس قبر میں دفن کردیا۔[۱]

۴۔ فالودہ یابادا موں کا حلوہ:

ایک دفعہ ہارون الرشیداوراس کی بیوی زبیدہ کے درمیان یہ اختلاف ہواکہ فالودہ زیادہ لذیذ ہے یابادا موں کا حلوہ؟

اس فیصلے کے لیے قاضی ابویوسف کوکہا گیا کہ وہ فیصلہ کریں کہ فالودہ زیادہ لذیذ ہے یابابادا موں کا حلوہ؟

قاضی نے جواب دیا:''میں غیب پر کیسے فیصلہ کروں جب تک دونوں چکھ نہ لوں؟

ہارون نے حکم دیا کہ قاضی صاحب کے سامنے ایک پیالہ فالودہ اورایک پیالہ بادا موں کا حلوہ لے آؤ، قاضی صاحب کبھی فالودہ کھاتے اورکبھی بادا موں کا حلوہ، جب قاضی صاحب دونوں کا آدھا آدھا کھابیٹھے تواُن سے پوچھا گیا کہ اب بتاؤ فالودہ زیادہ لذیذ ہے یابادا موں کا حلوہ؟

قاضی نے کہا کہ سچ یہ ہے کہ میں ان دونوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا، کیونکہ جب میں ایک کھاتا ہوں تودل کرتا ہے کہ اس کے حق میں فیصلہ کروں لیکن دوسرا کہتا ہے کہ مجھے کھائے بغیر تم اس کے حق میں فیصلہ نہیں کرسکتے۔

لہٰذاان پرانے دشمنوں کے اندر مجھے فیصلہ کرنا ہی نہیں آیا۔[۲]

۵۔ لوگوں کوقتل کرکے لذت حاصل کرنے والا:

حجاج ابن یوسف ثقفی بیس سال تک بنوامیہ کی طرف سے عراق کا گورنر رہا،اس نے بے شمارلوگ قتل کئے تھے وہ کہا کرتا کہ مجھے انسان قتل کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے جب میرے سامنے کسی شخص کا سرکاٹا جاتا ہےاوروہ انسان اپنے خون میں لت پت ہو جاتا ہےاور جب خون اس کے گلے سے جوش مارکرنکلتا ہے تو مجھے بے حدلذت محسوس ہوتی ہےاور یہ لذت ایک باکرہ اورخوبصورت لڑکی سے نکاح کرنے سے بھی زیادہ عزیز ہے۔[۳]

ایک مرتبہ اس ملعون نے روزہ رکھا اورنوکروں کوحکم دیا کہ اس کے لئے من پسند افطاری کا انتظام کیا جائے چنانچہ اشاہ فہم نوکروں سے اس کے لئے ایسی روٹیاں تیارکیں جنہیں سادات کے خون سے گوندھا گیا تھا اور اس لعین نے انہی روٹیوں سے افطاری کی۔[۴]

---

[۱] عنوان الکلام ص ۳۰۔

[۲] نمونہ معارف ۱/۲۸۱۔ مجانی ۲/۳۳۵۔

[۳] جامع النورین ص ۳۳۱۔

[۴] پندتاریخ ۳/۱۶۴۔

باب نمبر 82

مال

قرآن مجید میں ارشادخداوندکریم ہے:

"لَتُبۡلَوُنَّ فِيۡۤ اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ"[۱]

تمہارے اموال اور جانوں کے ذریعہ سے تمہیں آزمایا جائے گا۔

حضرت محمدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"حب المال والشرف ینبتان النفاق"[۲]

مال اور بزرگی سے محبت انسان کے دل میں نفاق کو جنم دیتی ہے۔

مختصرتشریح:

مظاہر دنیوی سے محبت انسان کو چندساعت کے لئے اپنے آپ میں مشغول کردیتی ہے مثلاً اچھا کھانے کی خواہش، جنسی آمیزش کی خواہش بعض دفعہ انسان مال کی محبت میں زیادہ مشغول ہوجاتا ہے۔

کچھ لوگ مال کی محبت میں مصروف ہوجاتے ہیں اور دولت جمع کرنا شروع کردیتے ہیں، اگر دولت انسان کے پاس جائز طریقے سے جمع ہو اور جائز کاموں پر خرچ ہوتو انسان کے لیے بہت ہی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے اور اگر یہی دولت ناجائز طریقوں سے جمع ہو اور غلط کاموں پر خرچ ہوتو اس سے انسان کی ہلاکت یقینی ہوجاتی ہے۔

حب المال سے مراد یہ نہیں کہ انسان کے پاس دولت ہوتو وہ اس سے محبت کرے، دنیا میں ایسے افراد بھی ہیں جن کے پاس دولت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی لیکن ہر وقت اُن کے دل دولت کے لئے حریص ہوتے ہیں اور وہ دوسروں کی دولت پر طمع کی نگاہ رکھتے ہیں، ایسے افراد نفاق میں مبتلا ہوجاتے ہیں خدا سے غافل ہوجاتے ہیں اُن کے دلوں سے نور ایمان ختم ہوجاتا ہے۔[۳]

---

[۱] سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۸۶۔

[۲] جامع السعادت ۲/۴۶۔

[۳] احیاء القلوب ص ۸۶۔

۱۔ یہ تمام دولت کہاں سے آئی؟

جب معاویہ کے وزیر عمرو بن عاص کا وقت وفات قریب آیا تو وہ رونے لگا، اس کے بیٹے نے کہا: ''ابا جان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟''

کیا آپ موت کو سامنے دیکھ کر رو رہے ہیں؟

عمرو عاص نے کہا: ''نہیں میں موت سے نہیں ڈر رہا ہر شخص نے مرنا ہے اگر مجھ پر بھی موت وارد ہو جائے تو کوئی نئی بات نہیں ہے میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ مرنے کے بعد مجھ سے کیا سلوک ہوگا''۔

اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا: ''آپ رسول اللہ کے صحابی ہیں آپ نے اُن کے ساتھ اچھے دن گزارے ہیں''۔

عمرو عاص نے کہا: ''بیٹا میں نے زندگی تین طبقات میں گزاری، زندگی کے پہلے حصہ میں میں کافر تھا اور رسول خدا کا بدترین دشمن تھا اور اگر اس وقت میں مر جاتا تو بلاشبہ میں جہنم میں جاتا۔

زندگی کے دوسرے حصہ میں میں نے رسول خدا کی بیعت کی اور اُن کا اچھا دوست بن کر رہا اور اگر اُن ایام میں مجھ پر موت وارد ہو جاتی تو میں یقینا جنت میں جاتا، پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میری زندگی کا تیسرا مرحلہ شروع ہوا اور میں حکومت کے کاموں میں مشغول ہو گیا، اب میں نہیں جانتا میرا انجام کیا ہے؟

واضح رہے کہ عمرو بن عاص معاویہ کا دست راست تھا اور معاویہ کے ساتھ دنیا طلبی میں مشغول رہتا تھا اس کی موت کے وقت اس کے پاس ستر گائے کی کھال کے برابر سرخ دینار جمع تھے، موت کے وقت اس نے حکم دیا کہ اس کی ساری دولت حاضر کی جائے، اس کے غلاموں نے ستر کھالوں میں بھری ہوئی دولت اس کے سامنے پیش کی۔

اس نے اپنی اولاد سے کہا کہ اس دولت کو آخرت کی تکلیف کے ساتھ کون مجھ سے اپنے ہاتھوں سے لے گا؟ اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا: ''میں یہ قبول نہیں کرتا، اور مجھے کیا معلوم یہ دولت کہاں کہاں سے جمع کی گئی ہے اور لوگوں کو اُن کی دولت میں واپس نہیں کر سکوں گا۔

جب معاویہ کو اس کی دولت کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ تمام تر خرابیوں کے باوجود میں اس دولت کو قبول کرتا ہوں، چنانچہ اس کی ساری دولت مصر سے دمشق معاویہ کی طرف بھیج دی گئی۔[1]

۲۔ حب دنیا کا انجام:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ

[1] راہمائی سعادت ۲۲/۱۔ ناسخ التواریخ جلد امام حسن ص ۲۹۔

کہیں جارہے تھے کہ راستے میں اُن کا گزرایک بستی سے ہوا جس کے رہائشی گلیوں اور گھروں میں مرے پڑے تھے، آپ نے فرمایا: ''یہ لوگ اپنی طبعی موت نہیں مرے، اگر یہ طبعی موت مرتے تو انہیں کوئی دفن ضرور کرتا اور یوں پوری بستی ویران نہ ہوتی یقینی طور پران پراللہ کا عذاب نازل ہوا ہے''۔

حواریوں نے کہا: ''کاش ہمیں معلوم ہوسکتا کہ ان پراللہ کا عذاب کیوں نازل ہوا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پروردگار کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ''آپ انہیں صدادیں، ان میں سے ایک شخص آپ کے ساتھ بات کرے گا اور آپؑ کے سوالوں کا جواب دے گا''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آواز دی: ''بستی والو!''

ایک شخص نے جواب دیا: ''روح اللہ! فرمائیں کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

آپؑ نے فرمایا: ''اس وقت تمہاری کیا حالت ہے اور تمہارا معاملہ کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''ہم صبح کے وقت بالکل خیریت سے بیدار ہوئے تھے اور شام کے وقت ہم ''ھاویہ'' میں پہنچ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''ھاویہ'' کیا ہے؟۔

اس نے جواب دیا: ''ھاویہ آگ کا دریا ہے جس میں پہاڑ جل رہے ہیں''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ''تمہارا جرم کیا تھا؟''

اس نے کہا: ''ہم دنیا سے محبت اور طاغوت کی اطاعت کرتے تھے جس نے ہمیں ''ھاویہ'' بھیجا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں دنیا سے کتنی محبت تھی؟۔

اس نے کہا: ''جتنی محبت چھوٹے بچے کو ماں کے پستان سے ہوتی ہے''۔ ہمیں بھی دنیا سے اتنی ہی محبت تھی، جب دنیا ہماری طرف رخ کرتی ہم خوش ہوتے اور جب وہ منہ پھیرتی تو ہم غمگین ہوجاتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''طاغوت کی اطاعت میں تم کہاں تک جا پہنچے تھے؟۔

اس نے کہا: ''ہمیں طاغوت جو کچھ کہتے ہم اس پر فوراً عمل کیا کرتے تھے''۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ''ان تمام مردوں میں سے مجھے صرف تو نے ہی جواب دیا اور باقی مردے کیوں خاموش رہے؟۔

اس نے کہا: ''ان کے منہ میں آگ کی لگامیں ڈالی جا چکی ہیں اور تندخو اور سخت گیر فرشتے ان کے عذاب کے لئے مامور ہیں۔

میں بھی انہیں میں رہتا تھا لیکن میں ان کی پیروی نہیں کرتا تھا، جب اللہ کا عذاب آیا تو اس نے مجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، اس وقت میں دوزخ کے کنارے ایک بال سے لٹکا ہوا ہوں اور اندیشہ ہے کہ کسی بھی وقت وہ بال ٹوٹ سکتا ہے اور میں دوزخ میں

جا سکتا ہوں''۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: ''سلامتی دین کے ساتھ نان جویں کھا کر اروڑی پر سونا بہتر ہے''[1]

۳۔ دولت کا صحیح مصرف:

خلیفہ دوم کے زمانے میں جب لشکرِ اسلام نے ایران فتح کیا تو وہ لشکرِ اسلام کو بادشاہ کسریٰ کے محل سے کافی مالِ غنیمت ملا، اس میں ایک بہت بڑا قالین تھا جو سونے کی تاروں سے بُنا ہوا تھا اور اس کی لمبائی تین سو پچاس میٹر تھی، مورخین لکھتے ہیں کہ اس قالین کا نام بہارستان کسریٰ تھا۔

اس قالین کو مدائن میں لایا گیا اور اُسے تقسیم کر کے مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا، حضرت علی علیہ السلام کو اس میں سے جو قالین کا ٹکڑا ملا تو آپؑ نے اُسے فروخت کر دیا اور اُس کے ذریعے سے اپنی زراعت میں توسع فرمائی، حضرت علی علیہ السلام نے ویران کنواں خریدا اس کی مرمت کروائی پھر آپ نے وہاں تین لاکھ کھجوروں کی گٹھلیاں کاشت کروائیں، اُسے خود پانی پلاتے رہے یہاں تک کہ وہاں پر ایک بہت بڑا نخلستان ہو گیا، آپ نے اُس نخلستان کا کچھ مجاہدین کے لئے وقف کر دیا اور کچھ حصہ ضرورت مندوں کے لئے وقف کر دیا تا کہ ہر سال اس کی کمائی سے غریب لوگوں کی امداد کی جا سکے۔[2]

۴۔ فضول خرچی کی بدترین مثالیں:

ابو یاسر بغدادی کہتا ہے کہ اسلام کی تاریخ میں دو ولیمے ایسے گزرے ہیں جن کی مثال نہ پہلے ملتی ہے اور نہ ہی مستقبل میں ملے گی۔

پہلا ولیمہ زبیدہ اور ہارون کی شادی پر دیا گیا تھا، ولیمہ کے شرکاء پر سونے چاندی کی بارش کی گئی۔

دوسرا ولیمہ حسن بن سہل کی بیٹی پوران دخت اور مامون الرشید کی شادی پر دیا گیا، اس ولیمہ پر مامون نے جو خرچہ کیا سو کیا لیکن حسن بن سہل نے نوازشات کی حد کر دی تھی اس تقریب میں جتنے بنی ہاشم، سپہ سالار اور کاتب اور حاجب شریک ہوئے ان سب میں پرچیاں تقسیم کی گئی تھیں۔

کسی پرچی میں باغ کا ملکیت نامہ تھا، کسی پرچی میں کنیز کا نام درج تھا اور کسی پرچی میں بہت بڑا انعام لکھا ہوا تھا اور جس شخص کو جیسی ہی پرچی ملی تو وہ لے کر حسن بن سہل کے ملازم کے پاس گیا اور اُس نے پرچی پر لکھا ہوا انعام اس کے حوالے کیا۔

---

[1] بحار الانوار ۲۲/۳۲/۱۴۔ الکافی میں طاغوت کی بجائے اہل معصیت کے الفاظ درج ہیں۔

[2] حکایتھای شنیدانی ۲/۷۸۔

شادی کے شرکاء کے لئے آنے جانے کے لئے چھتیس ہزار ملاحوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں، دلہن کی رونمائی کے لئے سونے کی تاروں سے بنی ہوئی چٹائی تیار کرائی گئی تھی اور اس چٹائی پر دلہن کے ساتھ زبیدہ دختر جعفر اور حمدونہ دختر ہارون بیٹھی تھی۔

مامون نے زبیدہ سے پوچھا: ''حسن بن سہل نے اس ولیمہ پر کتنا خرچ کیا ہے؟''

زبیدہ نے کہا: ''تیس (۳۰) کڑور سے سینتیس (۳۷) کڑور دینار خرچ کیا ہے''۔

جب حسن بن سہل نے زبیدہ کا تخمینہ سنا تو اس نے کہا: ''زبیدہ کو کیا پتہ ہے ولیمہ پر اخراجات اس نے تو نہیں کئے تھے اس ولیمہ پر میرے اسی کروڑ دینار خرچ ہوئے ہیں''۔

قارئین کرام! آپ نے دو بادشاہوں کے ولیمہ پر ہونے والے اخراجات ملاحظہ فرمائے، اسی سے علی علیہ السلام کے طرز زندگی اور نام نہاد خلفاء اسلام کے طرز زندگی کا واضح فرق نظر آتا ہے اور ہر باشعور انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ علی علیہ السلام انسانیت کے رہبر تھے اور اموی اور عباسی سلاطین بدترین حکام تھے جن کا مطمع نظر حصول دولت کے علاوہ کچھ نہ تھا۔[1]

۵۔ چار دینار:

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم المرتبت صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کو والی شام معاویہ نے خلیفہ سوم کے فرمان کے تحت شام سے مدینہ روانہ کیا، تیز اونٹ پر مسلسل سفر کرنے کی وجہ سے ان کی رانیں زخمی تھیں، ان میں کھڑے ہونے کی سکت نہ تھی، زخمی حالت میں اپنے عصا پر ٹیک لگائے دربار عثمان میں پیش ہوئے۔

انہوں نے ملاحظہ کیا کہ خلیفہ کے سامنے درہم و دینار کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور لوگ بھی اس نیت سے کھڑے ہوئے ہیں کہ شاید یہ دولت تقسیم ہو تو انہیں بھی کچھ حصہ مل جائے۔

جب ابوذرؓ کی نگاہ اس دولت پر پڑی تو خلیفہ سے پوچھا یہ کس کی دولت ہے؟

خلیفہ نے کہا: ''اطراف کے گورنروں نے ایک لاکھ درہم روانہ کئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ایک لاکھ مزید آجائیں تو اسے مسلمانوں میں تقسیم کروں''۔

ابوذرؓ نے کہا: ''ایک لاکھ درہم زیادہ ہیں یا چار درہم؟''

خلیفہ نے کہا: ''ایک لاکھ درہم زیادہ ہیں''۔

ابوذرؓ نے کہا: ''تمہیں اچھی طرح یاد ہوگا کہ ہم اکٹھے مل کر ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گئے تھے آپؐ اس وقت بہت اداس تھے آپؐ نے ہم سے کوئی خاص گفتگو نہ فرمائی اور جب ہم صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بڑے خوش تھے، ہم نے آپؐ سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! رات آپؐ اداس کیوں تھے؟

---

[1] پند تاریخ ۳/۲۱۲۔ کشکول بحرانی ۲/۴۹۔

آپؑ نے فرمایا:''رات میرے پاس مسلمانوں کے مال میں سے چار دینار بچ گئے تھے ان کی وجہ سے میں ساری رات بے چین رہا کہ کہیں ان کی تقسیم سے پہلے موت نہ آجائے اور اب میں نے وہ چار دینار راہ خدا میں تقسیم کر دیئے ہیں اس لئے خوش ہوں''۔[1]

[1] پیغمبر ویاروان ۱/۵۴۔اعیان الشیعہ ص۳۵۹۔

باب نمبر 83

محبت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي" [۱]

آپ کہہ دیں کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"ما التقی المومنون قط الا کان افضلهما اشدهما حبا لاخیه" [۲]

جب بھی دو دینی بھائی ملاقات کرتے ہیں اُن میں سے افضل وہ ہوتا ہے جو اپنے بھائی سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

مختصر تشریح:

خدا، رسول، مومنین اور والدین اور ان جیسے لوگوں کی دوستی معرفت سے حاصل ہوتی ہے، جتنا جن لوگوں کی معرفت زیادہ ہو گی اتنا اُن میں محبت بھی زیادہ ہوگی، دنیا میں جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے وہ اُس کے ساتھ محشور کیا جائے گا، ہر وہ دوستی جس میں خدا شریک نہ ہو تو ایسی دوستی رحمت حق سے دور ہوتی ہے اور بعد میں وہ دشمنی میں بدل جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت کو اپنے اصفیاء ملائکہ اور سکان عرش کے دلوں میں قرار دیتا ہے اور وہ بھی اُس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، محبت اس باد نسیم کی طرح ہے جب وہ چلتی ہے تو حرکت وحیات ملتی ہے محبت پانی کی مانند ہے جس کی وجہ سے نباتات وہ حیوانات کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ [۳]

---

[۱] سورۃ آل عمران آیت ۳۱۔

[۲] جامع السعادات ۳/۱۸۴۔

[۳] تذکرہ الحقائق ص ۸۹۔

۱۔ اللہ کو بندوں سے کتنی محبت ہے:

ایک دن کا واقعہ ہے ایک شخص جو مدینہ طیبہ کی طرف آرہا تھا راستے میں بیابان آیا اور اس نے وہاں ایک پرندہ کا گھونسلا دیکھا وہ گھونسلے کے قریب گیا اس میں پرندے کے چھوٹے بچے تھے۔

اُس شخص نے پرندے کے وہ چھوٹے بچے اٹھائے اور ہدیہ کے طور پر رسول خداؐ کی خدمت میں لے آیا، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تو اس پرندے کے وہ بچے رسول پاک کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کئے، وہاں پر آپؐ کے کافی اصحاب بھی موجود تھے۔

لوگوں نے دیکھا کہ اُن کی ماں لوگوں سے خوفزدہ ہوئے بغیر اڑتی ہوئی آئی اور اپنے بچوں کے اوپر آ کر گر گئی معلوم ہوا جب اُس شخص نے بچے اُٹھائے تو وہ اپنے بچوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے وہاں پر آ گئی۔

حاضرین نے ماں کی ماں کی مامتا کو دیکھ کر بڑا تعجب کیا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’لوگو! تم نے دیکھا کہ ایک ماں کے دل میں اس کے بچوں کے لئے کتنی محبت موجود ہوتی ہے تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ہزار گنا زیادہ محبت ہے۔[1]

۲۔ ایک لکڑی کے ساتھ محبت:

ایک دن ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں علم حدیث اور فقہ کا علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا، اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک عصا کا سہارا لیکر گھر سے نکلے۔

ابوحنیفہ نے عرض کیا: ’’یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی آپؑ کی اتنی عمر تو نہیں کہ آپؑ کو عصا کا سہارا لینا پڑے‘‘۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ’’تم سچ کہتے ہو بات یہ ہے کہ یہ عصا حضرت محمد مصطفیؐ کا ہے اور میں اسے متبرک سمجھ کر اپنے پاس رکھتا ہوں‘‘۔

ابوحنیفہ جلدی سے اٹھے اور اس عصا کو بوسے دینے لگا، حضرت امام جعفرؑ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کہا تو جانتا ہے میرا یہ گوشت پیغمبر اکرمؐ کے خون سے بنا ہوا ہے تو نے اسے تو بوسہ نہیں دیا اور رسول خدا کے عصا کو بوسے دینے شروع کئے جو کہ فقط ایک لکڑی ہے۔

---

[1] داستانھا و پندھا ۵/۱۱۲ لئالی الاخبار:

۳۔ المرمع من احب:

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک تیلی تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ محبت کیا کرتا تھا اوراس کا اصول یہ تھا کہ جب تک حبیب خدا کے چہرہ اطہر کی زیارت نہ کر لیتا اس وقت تک اپنے کام پر نہ جاتا۔

جب وہ آتا تو آپؐ بھی سامنے آجاتے تاکہ وہ آپؐ کا دیدار کر سکے۔

حسب عادت ایک دن وہ آپؐ کے دیدار میں مصروف ہوگیا حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ''۔

وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: ''کیا وجہ ہے کہ آج تم نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کیا تھا؟''

اس نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا جب میں یہاں سے روانہ ہوا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آج کام کے لئے نہیں جانا چاہیے تو میں کام پر نہیں گیا، واپس آیا تو آپؐ کے چہرہ انور کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش لیکر حاضر ہوگیا''۔

آنحضرت نے اس کے حق میں دعا فرمائی، اس واقعے کے چند دن تک آپ کا شیدائی دوبارہ نہ آیا، آپؐ نے اصحاب سے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

پھر آپؐ چند ساتھیوں کو لیکر اس کی دکان پر گئے وہ دکان پر بھی نہیں تھا، اور دکان کو تالا لگا ہوا تھا پھر آپؐ اس کے محلے میں تشریف لائے اوراس کے ہمسایوں سے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔

پھراس کے ہمسایوں نے آپؐ سے کہا: ''یارسول اللہ! وہ ایک امین شخص تھا اور ہمیشہ سچ بولتا تھا لیکن اس میں یہ عیب تھا کہ وہ عورتوں کا پیچھا کیا کرتا تھا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم کرے، خدا کی قسم وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کیا کرتا تھا اگر وہ بردہ فروش (جو آزاد انسان کو غلام بنا کر بیچتے ہیں) بھی ہوتا تو خدا اُسے ضرور معاف کرتا''۔[۱]

۴۔ ایک یہودی جوان:

ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھے کوئی پوشیدہ راز دکھائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تم فلاں یہودی کی قبر پر چلے جاؤ''۔

حضرت سلیمان اس قبرستان میں آئے اور قدرت خدا سے اس یہودی کی قبر آئینہ کی طرح سے صاف ہوگئی، انہوں نے اندر دیکھا کہ وہ یہودی ایک وسیع اور خوبصورت محل میں بیٹھا ہوا تھا۔

---

[۱] نمونہ معارف ۴/ ۱۳۵۔ روضہ کافی ص ۷۸۔

حضرت سلیمان نے اس سے پوچھا: تونے کونسا ایسا نیک کام کیا ہے جس کی وجہ سے تمہیں یہ قدر ومنزلت ملی؟''۔

اس نے جواب دیا: ''یہ میری بدبختی ہے کہ میں اسلام قبول نہیں کر سکا لیکن میں یہودی ہوتے ہوئے بھی امیر المومنین علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت کیا کرتا تھا اور اُن کی یہ خالص محبت میرے لئے ان مقامات کا سبب بن گئی۔[1]

۵۔ حقیقی دوستی:

مسلم مجاشعی ایک جوان تھا جس کا تعلق مدائن سے تھا جس زمانے میں حضرت حذیفہ بن یمان مدینہ سے بطور گورنر مدائن گئے تو مسلم نے اُن کی صحبت اختیار کر لی تھی اور اس وجہ سے مسلم بھی امیر المومنین علیہ السلام کا فدائی بن گیا تھا اور جنگ جمل میں وہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شریک تھا۔

اتمام حجت کے لئے امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تم میں کوئی ہے جو قرآن اُٹھا کر بی بی عائشہ کے لشکر کے سامنے جائے اور اُن سے کہے کہ جنگ نہ کریں، آؤ قرآن کے مطابق آپس میں فیصلہ کرلیں لیکن یہ بھی سن لو کہ جو بھی اُن کے سامنے قرآن لے کر جائے گا وہ اُسے قتل کر دیں گے''۔

یہ سن کر مسلم مجاشعی آگے بڑھے اور کہا امیر المومنین علیہ السلام آپ مجھے اجازت دیں میں ان کے سامنے قرآن لیکر جاتا ہوں اور آپؑ کا پیغام اُن کو دوں گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگو! خدا نے اس کے دل میں نور ایمان رکھا ہے یہ قتل ہو جائے گا لیکن یہ جوان مجھے بے حد پیارا بھی ہے اور میں یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ اس کے قتل کے بعد قاتلوں کا لشکر کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا۔

الغرض مسلم مجاشعی نے قرآن اُٹھایا اور امام المومنین کے لشکر کے سامنے جا کر قرآن مجید کے فیصلے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس کے دائیں ہاتھ کو قطع کر دیا اور اس نے قرآن مجید کو بائیں ہاتھ میں لیا بی بی عائشہ کے لشکر نے اس کا بائیں ہاتھ بھی قطع کر دیا۔

اس کے بعد اس نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے قرآن مجید واپنے سینے سے چپکا لیا تھا اور اس کے ہاتھوں کا خون قرآن مجید پر بہہ رہا تھا دشمن کی سپاہ نے اُن پر یکبارگی حملہ کیا اور اُن کے جسم کے کئی ٹکڑے کر دیئے۔[2]

---

[1] ریاض المحسنین ص ۱۳۲۔

[2] شاگردان مکتب آئمہ ۳/۳۶۱۔ تحفۃ الاحباب ص ۳۶۰۔

باب نمبر 84

موت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ"[۱]

ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کفیٰ بالموت واعظا"[۲]

موت بہترین واعظ ہے۔

مختصر تشریح:

موت کو یاد کرنے سے نفسانی خواہشات مرجاتیں ہیں اور انسان خواب غفلت سے بیدار ہوجاتا ہے موت کو یاد کرنے سے آتش حرص بجھ جاتی ہے اور دنیا انتہائی چھوٹی دکھائی دیتی ہے۔

موت آخرت کے منازل میں سے پہلے منزل ہے اور دنیا کی منازل میں آخری منزل ہے اور وہ انسان کتنا خوش نصیب ہے جسے آخرت کی پہلی منزل میں عزت ملے اور وہ شخص بہت سے مقدر والا ہے جس کی دنیا کی آخری منزل بہت ہی بہتر ہو۔

مخلصین موت کے مشتاق ہوتے ہیں اور مجرم افراد موت کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ آدمی موت کو اپنے سے دور سمجھتا ہے مگر موت انسان کے قریب ہوتی ہے انسان موت کو اس لئے ناپسند کرتا ہے کیونکہ کوئی بھی شخص دنیاوی لذات چھوڑنا نہیں چاہتا اور موت انسان سے دنیاوی لذات چھڑادیتی ہے اس لئے بہت سے انسان موت سے نفرت کرتے ہیں۔[۳]

---

[۱] سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۸۵۔

[۲] جامع السعادات ۳/۳۸۔

[۳] تذکرہ الحقائق ص ۸۳۔

۱۔ ایک سو پچاس برس کا بوڑھا آدمی:

شیخ سعدی بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں اہل علم کے ساتھ مباحثہ ومناظرہ میں شریک تھا اچانک ایک جوان مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا کہ کیا تم حاضرین میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو فارسی زبان جانتا ہو سب حاضرین نے میری طرف اشارہ کیا۔

میں نے اُس جوان سے پوچھا: ''کیوں خیریت تو ہے؟'' اس جوان نے کہا کہ ایک سو پچاس برس کا ایک بوڑھا حالت احتضار میں ہے اور وہ فارسی کے علاوہ اور کوئی زبان جانتا بھی نہیں اور ہمیں فارسی زبان نہیں آتی، مہربانی فرما کر آپ ہمارے ساتھ چلیں اور اس کی وصیت سنیں تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو جائے کہ اُس کی کیا وصیت ہے۔

سعدی بیان کرتے ہیں کہ میں اُٹھا اور اس جوان کے ساتھ اس بوڑھے شخص کے سرہانے پہنچا وہ کہہ رہا تھا کہ افسوس یہ ہے کہ اب صرف چند الفاظ میرے دل میں باقی بچ گئے، افسوس یہ ہے کہ ابھی میں نے زندگی کا لطف ہی نہیں اٹھایا تھا اور زندگی ختم ہو رہی ہے، ابھی تو میں نے اچھی طرح سے زندگی کے لقمے کھائے ہی نہیں تھے کہ حق تعالیٰ کا فرمان مجھ تک پہنچ گیا، بس یہی زندگی ہے۔

جی ہاں وہ زندگی کی ایک سو پچاس بہاریں دیکھ چکا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اس بات پر غمزدہ تھا کہ اُسے انتہائی تھوڑی سی زندگی ملی ہے میں نے اس کی فارسی زبان کا ترجمہ عربی زبان میں لوگوں کو سنایا تو سب تعجب کرنے لگ گئے کہ طویل عمر پانے کے باوجود یہ شخص غم کر رہا ہے۔

میں نے اُس شخص سے کہا کہ اب تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ میں کیا بتاؤں میں اس وقت دنیا سے جانے والا ہوں، میرا وجود مرنے کی تیاری کر چکا ہے میں نے اس سے کہا کہ آپ فکر نہ کریں وہ اس لئے کہ یونان کے فلاسفر کہا کرتے تھے کہ مزاج اگرچہ معتدل ہی کیوں نہ ہو پھر بھی انسان کو باقی رہنے پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور بیماری اگرچہ اپنی وحشت ناک حد تک ہی کیوں نہ پہنچ چکی ہو پھر بھی وہ موت کی دلیل نہیں ہوتی۔

میں نے اس بزرگ سے کہا اگر کہتے ہو تو میں کسی طبیب کو آپ کے پاس لے آؤں وہ آکر تمہارا علاج کرے، اس بوڑھے شخص نے آنکھیں کھولیں اور مسکرانے لگا اور کہا کہ ایک عقلمند طبیب اگرچہ اپنے مریض کو سخت حالت میں بھی دیکھے پھر بھی وہ اُسے تسلیاں دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس وقت اس کی دوا میں کوئی اثر نہیں ہے۔[1]

۲۔ موت کے وقت گفتگو:

حضرت بلال حبشیؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موذن تھے جب وہ بیمار ہوئے اور بستر مرگ پر تھے اُن کی بیوی اُن

[1] حکایتہائی گلستان ص ۲۲۹۔

کے سرہانے موجود تھی اور کہا کہ ہائے حسرت اب میں دکھوں میں مبتلا ہوگئی۔

حضرت بلال نے کہا کہ یہ حسرت کا مقام نہیں بلکہ خوشی کا مقام ہے، تو کیا جانتی ہے کہ موت کتنی اچھی چیز ہے؟۔

اُن کی بیوی نے کہا: ''فراق کا وقت آ گیا ہے''۔

بلال نے کہا: ''فراق کا نہیں بلکہ وصال کا وقت آ گیا ہے''۔

بیوی نے کہا: ''آج رات تو مسافروں کے شہر میں چلا جائے گا''۔

بلالؓ نے کہا: ''آج میری جان اپنے اصل گھر چلی جائے گی''۔

بیوی نے کہا: ''ہائے حسرت'' بلال نے کہا: ''واہ مقدر''۔

اُن کی بیوی نے کہا: ''اس کے بعد میں تمہیں کہاں دیکھ سکوں گی؟''

بلالؓ نے کہا: ''خاصان الٰہی کے حلقے میں تم مجھ کو دیکھ سکو گی''۔

بیوی نے کہا: ''ہائے تیری موت کی وجہ سے ہمارا خاندان تباہ و برباد ہو جائے گا ہمارا گھر اجڑ جائے گا''۔

حضرت بلال نے کہا: ''یہ جسم ایک بادل کی طرح سے ہے کبھی اُس کے ٹکڑے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور کبھی جدا ہو جاتے ہیں''۔[1]

۳۔ ملک الموت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شب معراج جب اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمانوں کی سیر کرائی تو وہاں آسمانوں میں ایک فرشتہ کو دیکھا جس کے ہاتھ میں نور کی لوح تھی وہ اُسے دیکھنے میں اتنا مصروف تھا کہ وہ دائیں بائیں نگاہ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا اور ایک غمگین شخص کی طرح سے کسی سوچ میں مبتلا تھا میں نے جبرائیل امین سے پوچھا کہ یہ کون ہے، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ملک الموت یعنی حضرت عزرائیلؑ ہے، میں نے کہا مجھے اس کے پاس لے چلو میں اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، جبرائیل مجھے اس کے پاس لے گیا، میں نے اس سے کہا ملک الموت جتنے لوگ مر گئے یا آئندہ مریں گے کیا اُن سب کی روح تو ہی قبض کرتا ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا: کیا سب کے پاس تو ہی حاضر ہوتا ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو میرے ہاتھ میں اس طرح سے دیا ہے جس طرح سے انسانوں کے ہاتھ میں ایک درہم ہوتا ہے جیسے چاہیں اس کو ادھر سے اُدھر کر دیں، میں دنیا کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ چکر لگاتا ہوں جب کسی گھر کے فرد کو میں موت دیتا ہوں تو وہ روتے ہیں میں اُن سے کہتا ہوں کہ رونے کی کیا ضرورت ہے میں بار بار آتا رہوں گا یہاں تک کہ تم سب کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔[2]

[1] داستانھای مثنوی ۲/۱۲۷۔

[2] عالم برزخ ص ۳۷۔ بحار الانوار ۶/۱۴۱۔

۴۔ علامہ مجلسیؒ:

سید نعمت اللہ جزائری علامہ مجلسی کے مقرب شاگرد تھے، اُن کا بیان ہے کہ میں نے اپنے استاد علامہ مجلسی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم دو میں سے پہلے جس کی موت پہلے واقع ہوگی تو وہ دوسرے کے خواب میں آئے گا اور اپنی ساری سرگزشت سنائے گا۔

اتفاق یہ ہوا کہ میرے استاد محترم کی مجھ سے پہلے وفات ہوئی، میں سات دن تک مراسم عزا میں مشغول رہا اس کے بعد مجھے اپنا وعدہ یاد آیا، میں علامہ مجلسی کی قبر پر گیا وہاں میں نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور روتا رہا یہاں تک کہ مجھے نیند آ گئی۔

میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ میرے استاد محترم نے انتہائی خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا تھا معلوم ہوتا تھا کہ وہ قبر سے ابھی باہر آئے ہیں میں یہ بات سمجھ چکا تھا اور میں نے اُن کی انگلی کو پکڑ لیا تھا اور کہا کہ جناب ہم نے آپس میں وعدہ کیا تھا کہ ہم میں سے جو فوت ہوگا تو وہ دوسرے کے خواب میں آ کر اپنی پوری سرگزشت سنائے گا اب آپ بھی بتائیں کہ آپ نے کیا محسوس کیا؟۔

علامہ مجلسی نے کہا کہ جب میں بیمار ہوا تو میرا مرض اتنا بڑھ گیا کہ میں برداشت نہیں کرسکتا تھا اس وقت میں نے دعا کی کہ پروردگار! تو خود فرماتا ہے کہ میں کسی بھی جاندار کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، خدایا اب میری طاقت جواب دے گئی ہے اب اپنی رحمت مجھ پر نازل فرما، جیسے ہی میں خدا کے حضور گفتگو کر رہا تھا تو ایک جلیل القدر شخص میرے پاؤں کی طرف آ کر نمودار ہوا اور اس نے مجھ سے میری حالت پوچھی، میں نے بیماری کا شکوہ کیا تو اس فرشتے نے میرے پاؤں کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا اور پوچھا اب سناؤ، میں نے کہا کہ اب پاؤں میں درد نہیں ہے، اسی طرح سے وہ اپنے ہاتھ کو اوپر کرتا گیا اور میرے تمام درد ختم ہوتے گئے۔

یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے اس کا ہاتھ میرے سینے تک آ گیا، میرے تمام درد ختم ہو گئے میرا خاکی جسم ایک طرف پڑا رہا اور میرا روح میرے جسم کے ایک کنارے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

میرے عزیز واقارب میرے پاس آئے اور میرے جسد بے روح کو دیکھ کر رو رہے تھے، میرے روح اُن سے کہہ رہی تھی آپ عجیب لوگ ہیں کیوں اتنا غم کر رہے ہیں میری تو تمام تکلیف ختم ہوگئی ہیں۔ لیکن کوئی بھی میری آواز پر توجہ نہیں دے رہا تھا، بعد میں کچھ لوگوں نے میرے جنازہ کو غسل دیا اور مجھے کفن پہنایا، میری نماز جنازہ پڑھائی گئی اس کے بعد میرے وجود کو قبر میں اتارا گیا۔

قبر میں مجھے ایک منادی نے آواز دی، اے میرا بندہ، محمد باقر، بتا تو نے آج کے دن کے لئے کیا تیاری کی ہے؟

میں نے اپنی زندگی کی نمازیں، روزے، وعظ ونصیحت اور کتابیں تمام گن کر سنائیں لیکن ایک بھی نیکی قبول نہ ہوئی، مجھے اپنا ایک نیک عمل یاد ہے جب میں نے اپنا وہ عمل بیان کیا تو اس کے بعد مجھے نجات ملی، وہ عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ میں کسی سڑک سے گزر رہا تھا ایک شخص جو کسی کا مقروض تھا، قرض ادا کرنے کے قابل نہیں تھا اس کا قرض خواہ اُسے پکڑ کر سزا دے رہا تھا اور وہ چیخ چلا کر کہہ رہا تھا کہ قرض ادا کرنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں، میں نے اس کا تمام قرض ادا کر دیا اور قرض ادا کرنے کے بعد چلا گیا، میں نے جیسے

ہی اس کا قرض ادا کیا تو اس کے قرض خواہ نے اسے چھوڑ دیا اور مجھے دعائیں دیتا رہا، اللہ تعالیٰ نے میرے اس خالص عمل کی وجہ سے میرے تمام اعمال کو شرف قبولیت بخشا اور مجھے جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا۔[۱]

۵۔ مالک اشتر:

امیر المومنین علی علیہ السلام نے مالک اشتر نخعی کو ایک گروہ لشکر کے ساتھ مصر کی طرف بھیجا، جب معاویہ کو خبر ملی تو اس نے عریش کے دہقان کو پیغام بھیجا کہ مالک اشتر کو زہر دے دے تو میں بیس سال تک تجھ سے خراج وصول نہیں کروں گا، جب مالک اشتر مقام عریش میں پہنچے تو وہاں کے دہقان نے پوچھا کہ مالک اشتر کھانے پینے کی چیزوں میں کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں لوگوں نے بتایا کہ شہد کو بہت پسند کرتے ہیں۔

پس وہ مردود دہقان کچھ زہر آلود شہد مالک اشتر کے پاس بطور ہدیہ لے آیا اور کچھ اوصاف وفوائد اس شہد کے بیان کئے، مالک نے اس زہر آلود شہد کو افطار کے وقت پیا تو اُن کی شہادت ہوگئی۔

جب مالک اشتر کی شہادت کی خبر معاویہ کو ملی تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا اور جب مولا امیر المومنین علیہ السلام کو مالک کی شہادت کی خبر ملی تو آپ کو بہت افسوس ہوا اور آپ بہت ہی غمگین ہوئے اور کہہ رہے تھے کہ میرا ایک بازو (عمار) صفین میں شہید ہوا اور دوسرا بازو مصر میں شہید ہوا۔

آپؑ کا دل ٹوٹ گیا، اور آپ نے مالک اشتر کی مدح میں کئی الفاظ کہے، کبھی آپؑ آہ سرد نکال کر کہتے کہ ہائے مالک جیسا کون ہے؟[۲]

[۱] منتخب التواریخ ص ۷۵۲۔ روضات الجنات۔

[۲] شاگردان مکتب آئمہ ۳/۱۹۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۶/۷۶۔

باب نمبر 85

مظلوم

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا"[۱]

اور جو کوئی مظلوم ہو کر مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو قصاص کا حق دیا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"یوم المظلوم علی الظالم اشد من یوم الظالم علی المظلوم"[۲]

مظلوم کے ظالم پر قابو پانے کا دن اس دن سے کہیں زیادہ ہوگا جس میں ظالم مظلوم کے خلاف اپنی طاقت دکھاتا ہے۔

مختصر تشریح:

وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنت میں ساتھی ہوگا جو ظالم سے مظلوم کا حق دلائے گا۔

مظلوم کے پاس نہ تو طاقت ہوتی ہے نہ دولت ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے کوئی مددگار ہوتے ہیں اسی لئے اس کی مدد کرنا عدل میں شامل ہوتا ہے، اور مظلوم کی مدد کرنے کا عمل ایک ماہ کے روزوں، مسجد الحرام میں اعتکاف کرنے سے بہتر ہے اور جو شخص مظلوم کی حمایت میں چند قدم چلے گا اس کے پاؤں پل صراط پر متزلزل نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ جب مظلوم کے استغاثہ کو سنتا ہے تو اپنے بندوں کی طرف توجہ کرتا ہے تاکہ کوئی تو ایسا انسان ہو جو مظلوم کی مدد کو اُٹھے، اور اس کے نالہ وفریاد کو سنے اور اس کی فریاد رسی کرے۔

ا۔ خوارزم شاہ:

خوازم شاہ کی چنگیز خان سے جنگ ہوئی، منگولوں کو فتح ہوئی اور خوارزم شاہ کو شکست فاش اٹھانا پڑی، منگول لشکر کے خوف

[۱] سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۳۔
[۲] نہج البلاغہ ضیض ص ۱۱۹۳۔

سے اس نے فرار کا منصوبہ بنایا، پہلے پہل تو اس نے ہندوستان جانے کا قصد کیا لیکن بوجوہ ہندوستان جانے کی بجائے نیشاپور پہنچ کر اس کی عیاشیاں دوبارہ شروع ہوگئیں اور مظلوم عوام پر ظلم وستم کرنا شروع کر دیا، اور مخلوق خدا پر اُس نے عرصہ حیات تنگ کر دیا، تین سال تک وہ نیشاپور میں رہا۔

ایک دن مظلومین اپنا ایک وفد بنا کر اس کے وزیر کے پاس گئے اور اپنے تلف شدہ حقوق کا مطالبہ کیا اور کہا: ''خوازم شاہ سے اس مسئلہ پر گفتگو کرو اور ہماری لوٹی ہوئی دولت اس سے واپس دلاؤ''۔

وزیر نے کہا: ''بادشاہ نے میرے ذمہ یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ میں حسین وجمیل عورتیں تلاش کر کے اس کے حرم سرا بھیجوں اور طبلہ نوازوں کو اس کی خدمت میں پیش کروں لہٰذا میں تمہارے حقوق پر بات کرنے سے معذور ہوں''۔

اسی دوران خوارزم شاہ کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ چنگیز خان کا لشکر اس کے تعاقب میں روانہ ہو چکا ہے۔

یہ خبر سن کر اُس کی تو گویا جان ہی نکل گئی اس نے نیشاپور کو خیر باد کہا اور عراق کی طرف رخ کیا۔

خوارزم شاہ ''رے'' گیا پھر وہاں سے طبرستان اور گرگان گیا اور جب قلعہ اقلال پہنچا تو اس نے اپنے خاندان کو قلعہ اقلال میں ٹھہرایا اور وہاں بہت سا خزانہ بھی دفن کیا، قلعہ اقلال ایک ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔

وہاں اپنے خاندان کو ٹھہرا کر خود جزیرہ ''آبسکوں'' میں چھپ گیا، منگول لشکر مسلسل اس کا تعاقب کرتا رہا، جب انہیں علم ہوا کہ خوارزم شاہ کا خزانہ اور اس کا خاندان قلعہ اقلال میں روپوش ہے تو انہوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

مذکورہ قلعہ ہر لحاظ سے مستحکم اور ناقابل تسخیر تھا مگر سلطان کے خاندان کی بد بختی سے قلعہ کے چشموں کا پانی ختم ہو گیا تو قلعہ والوں نے منگول لشکر سے صلح کر لی اور اُن کے لئے قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔

منگول لشکر نے خوارزم شاہ کے خاندان کو قید کر لیا اور اس کے مدفون خزانہ پر بھی قبضہ کر لیا، جب خوارزم شاہ کو قلعہ اقلال کے سقوط کی خبر ملی تو اس کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہوگئی اور اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

منگول سردار اس کے خاندان کو قید کر کے چنگیز خان کے پاس لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ ان میں جتنے بھی مرد ہیں سب کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں کو کنیز بنا لیا جائے، منگول لشکر کے افسروں میں اس خاندان کی عورتوں کو تقسیم کر دیا گیا، اس وقت خوازم شاہ کی ماں برہنہ گھوڑے پر سوار اپنے خاندان کی بربادی پر ماتم کر رہی تھی۔[1]

۲۔ کیا خدا تو سو رہا ہے؟

فرعون نے حکم دیا کہ اس کے لئے ایک بلند وبالا محل تعمیر کیا جائے، اس کے جلاد صفت سپاہیوں نے تمام مردوں اور عورتوں کو بیگار میں پکڑا اور اُن سے کام لینا شروع کیا حتی کہ انہوں نے حاملہ عورتوں کو بھی معاف نہیں کیا۔

[1] پند تاریخ ۱۷۰/۳۔ تاریخ طبری ص ۵۰۔

ایک جوان عورت جو کہ حاملہ تھی ایک بھاری پتھر اٹھا کر لا رہی تھی اُسے یقین تھا کہ اگر اس نے پتھر نہ اٹھایا تو اس کے ظالم سپاہی اس پر تازیانے برسائیں گے اس بے چاری عورت نے وہ بھاری پتھر اٹھایا اسے بہت زیادہ تکلیف ہو رہی تھی اور اس پتھر کے بوجھ کی وجہ سے اس کا حمل گر گیا۔

اس وقت اس کے دل سے ایک آہ نکلی اور آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور اس عورت نے کہا: ''پروردگار! تو کیا اس وقت سویا ہوا ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہ طاقتور طاغوت ہم سے کیا سلوک کر رہا ہے؟۔

چند ماہ گزرنے کے بعد وہی عورت دریائے نیل کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی اچانک اس نے فرعون کی لاش کو دریائے نیل میں تیرتے ہوئے دیکھا۔

اس وقت ہاتف غیبی کی آواز آئی: ''اے عورت سن! ہم سوئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ہم ظالموں کی گھات میں ہیں''۔[۱]

۳۔ قبر حسین علیہ السلام مظلوم:

متوکل عباسی (متوفی ۲۴۷ھ) بنی عباس کا بدترین خلیفہ گزرا ہے اور اس نے چودہ سال خلافت کی، متوکل آل ابوطالب کا بدترین دشمن تھا، ظن وتہمت کی بنا پر انہیں گرفتار کرتا اور ان کو اذیت دیتا، لہٰذا جو مصیبت اس کے زمانہ میں علویین اور آل ابوطالب پر گزری وہ بنی عباس کے کسی خلیفہ کے زمانہ میں نہیں گزری۔

اور منجملہ متوکل کے برے کاموں کے جو اس نے اپنی خلافت کے دوران کئے یہ بھی تھا کہ اس نے لوگوں کو قبر امام حسینؑ اور قبر امیرالمومنین کی زیارت سے روک دیا تھا اور اس نے اپنی پوری ہمت وطاقت اس پر صرف کر دی کہ نور خدا کو خاموش کر دے، قبر مطہر امام حسینؑ کے آثار مٹا دے اور اس کی زمین کو ہموار کر کے اس پر زراعت کر دے۔

دیزج نام کا ایک یہودی تھا جو کہ متوکل کا ساتھی تھا اور متوکل نے اسے قبر امام حسینؑ کے آثار مٹانے اور زائرین کو سزا دینے کے لئے کربلا بھیجا۔

احمد بن جعدوشا سے روایت ہے کہ متوکل کا قبر شریف کے آثار کو محو کرنے کا سبب یہ تھا کہ اس کی خلافت سے پہلے ایک گانے والی اپنی لڑکیوں کو متوکل کے پاس بھیجا کرتی تھی کہ وہ اس کے شراب پینے کے وقت اس کے لئے گایا کریں۔

یہاں تک کہ یہ پلید خلافت تک پہنچا تو ایک دفعہ اس نے اس گانے والی کو پیغام بھیجا کہ اپنی لڑکیوں کو گانے کے لئے بھیجے وہاں اس سے کہا گیا کہ وہ سفر کربلا پر گئی ہوئی ہے جب وہ سفر سے واپس آئی اور اس نے اپنی ایک کنیز متوکل کے پاس گانے کے لئے بھیجی تو متوکل نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں گئے ہوئے تھے وہ کہنے لگی کہ ہم اپنی مالکہ کے ساتھ حج پر گئے ہوئے تھے، متوکل نے کہا کہ شعبان کے مہینے میں حج پر گئے ہوئے تھے، کنیز کہنے لگی زیارت امام حسین علیہ السلام کے لئے گئے تھے، متوکل یہ بات سننے سے

---

[۱] حکایتھای شنیدنی ۲/۵۲-۳۔ عشریہ چھار سوفی ص ۲۰۷۔

آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ حسینؑ کی قبر کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ لوگ اس کی زیارت کو حج کہتے ہیں پس اس نے حکم دیا اور اس کنیز کی مالکہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور اس کا مال واسباب چھین لیا، پھر اُس نے قبر امام حسینؑ کی زمین ہموار کرنے اور اُس جگہ پر زراعت کرنے کا حکم دیا۔[1]

۴۔ مظلوم کی صدا سے سلطان بے چین ہو گیا:

سلطان محمود غزنوی ایک رات سونے کے لئے اپنے بستر پر گیا تو کوشش کے باوجود اسے بستر پر نیند نہ آئی، اسے خیال آیا کہ شاید کوئی مظلوم اپنی دادرسی کے لئے آیا ہوا ہے اسی وجہ سے اُسے نیند نہیں آرہی اس نے غلام کو بلا کر کہا: ''باہر جاؤ اور اچھی طرح سے دیکھو اگر اس وقت کوئی مظلوم شکایت لے کر آیا ہے تو اُسے میرے سامنے پیش کرو''۔

غلام دیکھ کر واپس آیا اور کہا: ''مجھے اس وقت کوئی مظلوم نظر نہیں آیا''، سلطان نے دوبارہ سونے کا ارادہ کیا تو اس بار بھی اُسے نیند نہ آئی اس کو یقین ہو گیا کہ غلام نے مظلوم کی پوری طرح سے جستجو ہی نہیں کی، خود بستر سے اُٹھ کر باہر آئے اس کے حرم سرا کے قریب ایک مسجد تھی اور اس مسجد سے ایک شخص کی آہ وفریاد کی آواز آرہی تھی۔

سلطان مسجد میں آیا تو اس نے دیکھا کہ مسجد میں ایک شخص نے اپنا سر جھکایا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے: ''اے میرے خدا! جسے نہ نیند آتی ہے اور نہ ہی اونگھ اس پر مسلط ہوتی ہے، محمود نے مظلوموں کے لئے اپنے دروازے بند کر دیئے ہیں اور اپنے ندیموں کے ساتھ بیٹھ کر خوش گپیاں کر رہا ہے''۔

یہ الفاظ سن کر محمود نے کہا: ''میں آگیا ہوں تم اپنا مسئلہ بیان کرو، اس شخص نے کہا: ''بادشاہ تیرے خواص میں سے ایک شخص جس کا نام مجھے معلوم نہیں ہے وہ میری عزت کو تباہ کر رہا ہے وہ میرے گھر آکر میری بیوی کے ساتھ زنا کرتا ہے''۔

سلطان نے کہا: اس وقت وہ کہاں ہے؟۔

اس شخص نے جواب دیا: ''میرا خیال ہے وہ جا چکا ہوگا''۔

سلطان نے کہا: ''جب وہ دوبارہ تمہارے گھر میں داخل ہو تو مجھے فوراً آگاہ کرنا''۔

پھر سلطان نے اپنے دربانوں کو بلا کر کہا کہ تم اس شخص کو اچھی طرح سے پہچان لو یہ جس وقت بھی مجھ سے ملنا چاہے تم اسے نہ روکنا''۔

اگلی رات وہ فوجی افسر اس غریب کے گھر اس کی عزت وناموس کو تباہ کرنے کے لئے گیا، مظلوم اسے دیکھ کر فوراً سلطان کے پاس آیا اور اسے اس ظالم کے آنے کی خبر دی۔

سلطان نے فوراً ہی اپنی تلوار اٹھائی اور اس شخص کے گھر آیا اور آکر دیکھا کہ وہ شخص اس کی بیوی کے ساتھ سویا ہوا تھا،

---

[1] تتمۃ المنتھی ص ۲۴۱۔۲۳۸۔

سلطان نے اس مظلوم شخص سے کہا کہ تم جلدی سے چراغ بجھادو۔

اس شخص نے چراغ بجھایا تو سلطان نے اس پر تلوار کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا، پھر حکم دیا کہ اب چراغ روشن کرو، اس شخص نے جیسے ہی چراغ روشن کیا تو سلطان نے فوراسجدہ شکرادا کیا، پھر صاحب خانہ سے کہا کہ تمہارے گھر میں جو کچھ بھی ہو کھانے کے لئے لے آوٴ، میں سخت بھوکا ہوں۔

اس شخص نے عرض کی: ''صاحب ذی جاہ! آپ ہم غریبوں کے گھر کا کھانا کیسے کھائیں گے؟''

سلطان نے کہا: ''بندہ خدا تمہارے گھر میں جو بھی ہو کھانے کے لئے لاوٴ۔

وہ شخص خشک روٹی کا ٹکڑا اٹھالایا پھر سلطان نے روٹی کھائی اس شخص نے سلطان سے پوچھا: ''مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ آپ نے چراغ بجھانے کا حکم کیوں دیا، پھر مقتول کو دیکھ کر سجدہ شکر کیوں بجالایا اور ایک غریب کے گھر سے کھانا کیوں کھایا؟۔

سلطان محمود نے کہا: ''جب میں نے تیری فریاد سنی تو میں یہ سمجھا تھا کہ میرے مصاحبین میں سے کسی کو ایسی جرات نہیں ہو سکتی، ہونہ ہو یہ میرے کسی بیٹے کا کارنامہ ہے اسی لئے میں نے تجھے چراغ بجھانے کا حکم دیا تھا تا کہ اگر مجرم میرا بیٹا ہو تو شفقت پدری اُسے سزا دینے میں حائل نہ ہو جائے اور جب تم نے دوبارہ چراغ جلایا تو میں نے دیکھا کہ مقتول میرا بیٹا نہیں بلکہ ایک فوجی افسر تھا، اسی لئے میں نے سجدہ شکر ادا کیا کہ میرے کسی بیٹے سے یہ جرم صادر نہیں ہوا، اور کل رات سے میں نے منت مانی تھی کہ جب تک میں ظالم کو سزا نہ دوں اس وقت تک میں کھانا نہیں کھاوٴں گا اسی لئے میں کل سے بھوکا تھا اور تم سے کھانا لانے کی درخواست کی تھی''۔[1]

۵۔ فرزندان مسلم بن عقیل کی مظلومیت:

جب امام حسین علیہ السلام درجہ رفیعہ شہادت پر فائز ہو گئے تو آپ کے لشکر سے جناب مسلم بن عقیل کے دو بیٹے محمد اور ابراہیم قید کر لئے گئے، اور انہیں ابن زیاد کے پاس لے گئے اس ملعون نے اپنے زندان بان کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ ان بچوں کو زندان میں رکھو اور ان پر سختی کرو، عمدہ کھانا و رٹھنڈا پانی انہیں نہ دینا، اور اس شخص نے بھی ایسا ہی کیا۔

ایک سال کی مدت تک اُن کی قید نے طول کھینچا، ایک سال کے بعد انہوں نے بوڑھے زندان بان کے سامنے اپنے حالات اور رسول پاک سے اپنی نسبی قرابت بیان کی، اس کے بعد اس زندان بان نے کہا: ''یہ قید خانے کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور جہاں چاہو چلے جاوٴ بعد میں وہ معصوم شہزادے تاریکی شب میں چلتے رہے اور تقدیر اُن کو ایک بڑھیا کے پاس لے گئی جو اپنے دروازے پر کھڑی تھی اور فرمایا کہ اے بی بی ہم پر احسان کرو، اس تاریک رات میں ہمیں اپنے گھر میں پناہ دو، جب صبح ہو گی تو ہم تمہارے گھر سے نکل جائیں گے۔

اُس عورت نے پوچھا: ''تم کون ہو؟ کہنے لگے ہم تیرے نبیؐ کی اولاد میں سے ہیں اور ہم ابن زیاد کی قید سے بھاگ آئے

[1] داستانھاو پندھا ۲/۱۶۰۔ زینۃ المجالس۔

ہیں، چنانچہ اُس عورت نے ان دونوں شہزادوں کو پناہ دی۔

جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ دونوں بچے زندان سے بھاگ گئے اس نے منادی دی کہ جو کوئی بھی اُن دونوں کے سر میرے سامنے پیش کرے گا میں اُسے دو ہزار درہم دوں گا۔

اس عورت کا داماد جس کا نام حارث تھا وہ لعین ابن زیاد کی فوج میں تھا اور وہ انتہائی ملعون تھا اور وہ ظالم واقعہ کربلا میں بھی شریک تھا۔

اتفاقا رات کا کچھ حصہ گزرا تو وہ ملعون اس کے گھر کی طرف آیا اور کہا کہ دروازہ کھولو تا کہ میں اندر آ کر کچھ آرام کر سکوں اور پھر صبح اُن بچوں کی تلاش میں جا سکوں، اس عورت نے دروازہ کھولا اور کچھ پانی اور کھانا اس کے لئے لے آئی، جب وہ لعین اپنے کام سے فارغ ہو کر بستر پر جا گرا اور سونے لگا تو اُسے گھر میں بچوں کے رونے کی صدا سنائی دی۔

الغرض اس نے بچوں کو پکڑ لیا اور اُن معصوم شہزادوں کو رسیوں میں ساری رات اس جگہ باندھا تھا جہاں پر وہ اپنا گھوڑا باندھتا تھا۔

جب رات ختم ہوئی تو اس ملعون نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ان بچوں کو نہر فرات کے کنارے پر جا کر قتل کرو، غلام اپنے مالک کے حکم کے مطابق انہیں فرات کے کنارے لے آیا اور جب اُسے معلوم ہوا کہ عترت رسول ہیں تو اس نے ان کے قتل کا اقدام نہ کیا اور فرات میں چھلانگ لگا کر دوسری طرف چلا گیا، اس ملعون نے یہ کام اپنے بیٹے کے ذمہ لگایا، اس جوان نے بھی باپ کی مخالفت کرتے ہوئے غلام کا راستہ لیا، پھر یہ ملعون تلوار لیکر مسلم کے یتیموں کے پاس آیا۔

جب مسلم کے بچوں نے ننگی تلوار دیکھی تو اُن کی آنکھوں سے آنسو آ گئے اور کہنے لگے: "اے شیخ! ہمیں بازار میں جا کر فروخت کر دے اور ہماری قیمت سے نفع اٹھا، یا پھر ہمیں ابن زیاد کے پاس زندہ لے چل جو کچھ وہ ہمارے حق میں حکم دے ویسے ہی کرنا، وہ بدبخت کہنے لگا میں تمہارا خون بہا کر اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

بچوں نے کہا کہ جب معاملہ یہی ہے کہ تو ہمیں قتل کر کے ہی دم لے گا، تو ہمیں اتنی مہلت دے کہ ہم دو رکعت نماز پڑھ لیں، کہنے لگا جتنا چاہو نماز پڑھ لو اگر وہ تمہیں کچھ فائدہ دے سکتی ہے، پس مسلم کے بچوں نے نماز پڑھی اور پھر انہوں نے سر آسمان کی طرف اٹھایا اور خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

"يا حيي يا قيوم يا حليم يا احكم الحاكمين احكم بيننا و بينه بالحق"

اے بہترین حکم کرنے والا ہمارے اور اس کے درمیان حق کا فیصلہ کر۔

ظالم نے تلوار سے بڑے بچے کی گردن اڑا دی، چھوٹے بھائی نے جب یہ دیکھا تو اپنے بڑے بھائی کے خون کو اُٹھا کر سر پر ڈالا اور خضاب کیا اور کہتا تھا کہ میں اس حالت میں رسول خدا سے ملاقات کروں گا، اس ملعون نے چھوٹے بچے کو بھی قتل کر دیا اور اُن کے سر اقدس اٹھا کر ابن زیاد کے پاس گیا۔

جیسے ہی ابن زیاد نے وہ سر دیکھے تو حارث کو کہا تجھے ان بچوں پر ترس نہ آیا، اس ملعون نے بچوں کی ایک ایک بات ابن زیاد کے سامنے بیان کی۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس فاسق کو اُسی جگہ پر لے جا کر قتل کر دیا جائے اور اس کے خون ناپاک کو ان بچوں کے خون سے ملنے نہ دیا جائے۔[1]

[1] منتہی الامال ۱/۳۱۷۔

باب نمبر 86

مومن

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"واللہ ولی المومنین"[1]

اور اللہ مومنین کو دوست رکھتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان المومن اعز من الجبل"[2]

بے شک مومن پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

مختصر تشریح:

مومن خدا کے نزدیک انتہائی معزز اور محترم ہے اور خدا نے اُسے مقام معنوی عطا کیا ہے کہ اہل زمین کی بہ نسبت اُسے اہل آسمان میں زیادہ جانا جاتا ہے مومن کی حرمت کعبہ بیت اللہ سے بھی زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کہا ہے کہ وہ مومن سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ اہل ایمان کی بہت سی صفات ہیں جن میں چند یہ ہیں کہ اس کے چہرے پر ظاہری طور پر خوشی نظر آتی ہے جب کہ اس کے دل میں غم پوشیدہ ہوتا ہے، مومن کا سینہ وسیع ہوتا ہے وہ ہمیشہ کام کاج میں مصروف رہتا ہے اور جب اس پر کوئی مشکل آئے تو صبر کرتا ہے اگر راحت نصیب ہو تو وہ اس پر شکر کرتا ہے اور خدا نے جو اُس کی رزق روزی مقدر میں لکھی ہو تو وہ اس پر قناعت کرتا ہے، اُس کی زبان لغزشوں سے محفوظ ہوتی ہے اس کا ہاتھ سخاوت کے ساتھ مزین ہوتا ہے اور اس کی نگاہ عطائے حق پر ٹکی ہوتی ہے۔

ا۔ مومن کامل:

ایک دفعہ امیر المومنین علیہ السلام کا گزر کچھ ایسے افراد کے گروہ سے ہوا جو بیٹھے ہوئے تھے آپ نے دیکھا کہ انہوں نے

[1] سورۃ آل عمران آیت نمبر ۶۰۔
[2] جامع السعادات ۱/۲۶۰۔

سفیداورگراں قیمت لباس پہنے ہوئے ہیں، اُن کے چہرے چمک رہے تھے وہ بات بات پر ہنس رہے تھے اوراگرکوئی اُن کے پاس سے گزرتا تو وہ انگلی اٹھا کراس کی طرف اشارہ کرتے اوراس کا مذاق اڑاتے۔

اس کے بعد آپ کا گزرایک اورگروہ سے ہوا جس میں لاغراندام لوگ بیٹھے ہوئے تھے اورگفتگو کے دوران وہ ادب کو ملحوظ خاطر میں لاتے تھے، امیرالمومنین علیہ السلام نے دونوں کو دیکھا اوراس کے بعد رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر دونوں گرہوں کا احوال آپؐ کے سامنے بیان کیا اور یہ عرض کیا کہ دونوں گروہ مومن ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں آپ ارشادفرمائیں کہ مومن کی خصوصیات کیا ہیں۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی اور اس کے بعد آپؐ نے مومن کامل کی چند خصوصیات بیان کیں۔

مومن نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے، وقت پر زکواۃ ادا کرتا ہے، ضرورتمندوں کی ضروریات پوری کرتا ہے، یتیموں پر شفقت کرتا ہے، پاکیزہ لباس زیب تن کرتا ہے، عبادت حق کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتا ہے، ہمیشہ سچ بولتا ہے اورامانت میں خیانت نہیں کرتا اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وغیرہ۔[1]

۲۔ مومن کی نشانی:

ہجرت کے دوسرے برس غزوہ بدر کا واقعہ رونما ہوا جس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب کی اورکفار کے لشکر میں سے چندافراد کو مسلمانوں کے لشکر نے قیدی بھی بنالیا تھا، اوران قیدیوں میں ایک شخص جس کا نام ابوعزہ جمعی بھی شامل تھا، اُسے جب رسول خدا کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رونے لگا اورعرض کی کہ یارسول اللہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور میں آپؐ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے آزاد کردیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی مسلمانوں کے خلاف کسی بھی جنگ میں شامل نہیں ہوگا، اس نے بھی وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شامل نہیں ہوگا، اس کے بعد جب وہ شخص مکہ پہنچا تو لوگوں سے کہتا تھا کہ میں نے محمدؐ سے مذاق کی اورادھراُدھر کی باتیں کیں جس کی وجہ سے محمدؐ نے مجھے آزادی دے دی۔

یہاں تک کہ اس کے ایک سال بعد جنگ احد کا واقعہ رونما ہوا تو وہ شخص بھی کفار مکہ کے لشکر میں شامل تھا، جیسے ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے دیکھا تو آپ نے دعا مانگی کہ پروردگار! اسے دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھوں قید فرما، آپؐ کی دعا قبول ہوئی اوراس دفعہ بھی وہی شخص جب گرفتار ہوکر آپؐ کے سامنے پیش ہوا تو پھر اس نے کہا: ''یارسول اللہ! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں خدا کے لئے مجھے معاف کردیں اورآزاد کردیں''۔

---

[1] شنیدنیھای تاریخ ص ۲۵۲۔ محجۃ البیضاء ۴/۳۶۲۔

اس کے جواب میں پیغمبر خداؐ نے فرمایا: ''میں تجھے اس لئے زندہ چھوڑ دوں تا کہ تو مکہ واپس جا کر یہ کہے کہ میں نے مکروفریب کر کے محمدؐ سے آزادی حاصل کی ہے جب کہ مومن کی ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ مومن ایک بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جا سکتا، پھر آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے۔[1]

۳۔ مومن سے بے توجہی کی سزا:

محمد بن سنان بیان کرتے ہیں کہ میں امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؑ نے فرمایا: محمد! گزشتہ زمانے میں بنی اسرائیل میں چار مومن زندگی بسر کرتے تھے ایک دن ایک مومن دوسرے مومن سے ملنے گیا اتفاق سے وہاں پر تینوں مومن موجود تھے۔

چوتھے مومن نے آ کر دروازے پر دستک دی، ایک غلام باہر آیا اس مومن نے پوچھا کہ تمہارا آقا کہاں ہے؟ غلام نے کہا کہ وہ گھر میں موجود نہیں ہے وہ مومن واپس چلا گیا، اس کے آقا نے غلام سے پوچھا کہ کون تھا؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کا فلاں دوست تھا میں نے اُسے کہا کہ آپ گھر پر موجود نہیں ہیں وہ خاموش رہا اس نے غلام کو ملامت نہ کی اور ان تینوں نے مومن کے واپس چلے جانے پر کوئی توجہ نہ دی، اور اپنی گفتگو میں مصروف رہے۔

دوسرے دن وہی مومن اُن تین افراد کے پاس واپس آیا اور یہ تینوں کسی کھیت یا باغ کی طرف جا رہے تھے اور اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں چنانچہ وہ اُن تینوں کے ساتھ چل پڑا، راستے میں اُن تینوں نے اس سے کوئی معذرت نہ کی، اور یہ مومن انتہائی غریب و تنگ دست تھا، کچھ دیر تک وہ ساتھ چلتے رہے اچانک ایک بادل اُن پر سایہ فگن ہوا، خیال کرنے لگے کہ شاید بارش برسے گی، اتنے میں اُن بادلوں سے ایک منادی کی آواز آئی کہ اے آگ ان تینوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے، میں جبرائیل خدا کا فرشتہ ہوں۔

اس کے بعد اُن تین افراد پر آگ کی بجلیاں گریں اور وہ چوتھا مومن تنہا رہ گیا، اُسے انتہائی خوف محسوس ہوا اور اس واقعہ سے وہ تعجب کا شکار ہوا۔

جب وہ اپنے شہر میں واپس آیا تو اس نے اس وقت کے نبی حضرت یوشع بن نون وصی موسیٰ علیہ السلام کو سارا واقعہ سنایا۔

جناب یوشع علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تم نہیں جانتے کہ خدا اُن پر راضی نہیں تھا؟ کیونکہ انہوں نے تیری پرواہ نہیں کی تھی۔

اس مومن نے کہا کہ انہوں نے مجھ سے کونسا برا سلوک کیا تھا؟۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے اسے پورا واقعہ سنایا تھا اس کے بعد اس مومن نے کہا کہ میں نے انہیں معاف کر دیا۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا: اب تو وہ مر چکے ہیں اگر تو انہیں پہلے معاف کر دیتا تو بہتر تھا البتہ تیری طرف سے معافی

[1] حکایتہای شنیدنی ۲/۹۶۔ مستدرک الوسائل ۲/۲۶۷۔

انہیں آخرت میں فائدہ دے گی۔ [1]

۴۔ مومن کی وجہ سے آفات دفع ہوتیں ہیں:

زکریا بن آدم بن عبداللہ اشعری قمی امام علی رضا علیہ السلام کے جلیل القدر اور صاحب منزلت صحابی تھے اور زکریا ابن آدم کی منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک سال حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک حج کے لئے گیا اور وہ حضرت کے ساتھ ایک ہی محمل میں سوار تھا۔

علی بن مسیب ہمدانی جو حضرت رضا علیہ السلام کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا راستہ بہت دور ہے اور میں ہر وقت آپؑ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا تو اپنے احکام دینی کس سے اخذ کروں؟

حضرت نے فرمایا: ''من زکریا بن آدم القمی المامون علی الدین والدنیا'' یعنی معالم دین زکریا بن آدم سے تو جو کہ دین و دنیا میں مامون ہے، ایک دفعہ زکریا بن آدم القمی نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: ''مولا! میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے خانوادہ سے کہیں باہر چلا جاؤں کیونکہ ان میں بیوقوف اور سفیہ زیادہ ہو گئے ہیں''۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ کام ہرگز نہ کرنا، کیونکہ تیری وجہ سے ان سے آفات دفع ہوتیں ہیں جیسا کہ اہل بغداد سے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کے واسطہ سے دفع ہوتیں ہیں۔ [2]

۵۔ مومن خراسانی:

ابوبصیر بیان کرتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے خراسان کے ایک شخص سے فرمایا: تیرے باپ کا کیا حال تھا؟

اس نے کہا: ''وہ بالکل ٹھیک تھا'۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''جب تو اس طرف متوجہ ہوا اور جرجان کے علاقہ میں پہنچا تو تیرا باپ فوت ہو گیا، پھر آپؑ نے اس سے فرمایا: ''تیرے بھائی کا کیا حال تھا؟، اس شخص نے عرض کیا: ''مولا! میں اسے صحیح وسالم چھوڑ آیا ہوں، آپ نے فرمایا: ''اس کا ایک ہمسایہ تھا جس کا نام صالح تھا اس نے اسے فلاں دن اور فلاں وقت قتل کر دیا''۔ پس وہ شخص رونے لگا اور اس نے کہا: ''ان للہ و انا الیہ راجعون'' آپؑ نے فرمایا: ''خاموش ہو جاؤ غم و اندوہ نہ کرو کیونکہ ان کی جگہ بہشت میں ہے اور اس جہان فانی کے منازل سے وہ ان کے لئے بہتر اور خوشتر ہے، اس نے عرض کیا: ''اے فرزند رسول جب میں اس طرف آ رہا تھا تو میرا ایک بیٹا رنجور اور بیمار تھا جو شدید درد والم میں مبتلا تھا اس کا کیا حال ہے؟

---

[1] اصول کافی جلد ۲۔ باب من حجت اخاہ المومن۔

[2] شاگردان مکتب آئمہ ۲/۲۰۸۔ رجال کشی ص ۴۵۶۔

آپؑ نے فرمایا تیرا بیٹا صحت یاب ہو چکا ہے اور اس کے چچا نے اپنی لڑکی کی اس سے شادی کر دی ہے جب تو اس سے ملے گا تو اس کا بچہ پیدا ہو چکا ہوگا جس کا نام علی ہے اور وہ ہمارے شیعوں میں سے ہوگا البتہ تیرا بیٹا ہمارا شیعہ نہیں بلکہ وہ ہمارا دشمن ہے اور وہ دشمنی اس کے لئے کافی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ پس وہ اُٹھ کر چلا گیا تو میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کی: ''یہ کون ہے؟'' آپؑ نے فرمایا: ''یہ اہل خراسان میں سے ایک شخص ہے جو ہمارا شیعہ اور مومن ہے۔ [1]

---

[1] منتہی الامال ۲/ ۱۰۴۔

باب نمبر 87

مہمان نوازی

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالٰی ہوتا ہے:

"هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ ضَيۡفِ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ"[۱]

کیا آپ کے پاس ابراہیم کے قابل احترام مہمانوں کی داستان پہنچی ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الضيف اذا جاء منزل بالقوم جاء برزقه معه من السماء"[۲]

جب کسی قوم کے پاس کوئی مہمان جاتا ہے تو وہ اپنی رزق روزی آسمان سے اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے۔

مختصر تشریح:

مہمان نوازی حق تعالی کی صفت ہے وہ تمام موجودات کو رزق فراہم کرتا ہے چاہے کوئی کافر ہے، بت پرست ہے یا مومن ہے۔۔۔سب اس کے دسترخوان پر رزق کھا رہے ہیں۔

انبیاء کرام مثلاً حضرت ابراہیم، لوط، یعقوب اور ہمارے پیغمبر سب کے سب مہمان نواز تھے۔

مہمان خداوند تعالی کی طرف سے ہدیہ ہے، اپنا رزق اپنے ساتھ لیکر آتا ہے اور اہل خانہ کے لئے بخشش کا سبب بنتا ہے اور مہمان کے آنے کی وجہ سے اس گھر سے آفات دور ہوتی ہیں۔

قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ اُن کے چہرے چمک دمک رہے ہوں گے اور لوگ انہیں انبیاء تصور کریں گے انہیں جواب ملے گا کہ یہ انبیاء نہیں ہیں بلکہ یہ وہ مومن ہیں جو دنیا میں مہمان نواز تھے اور مہمانوں کا احترام کیا کرتے تھے اور اللہ

---

[۱] سورۃ الذاریات آیت نمبر ۲۴۔

[۲] جامع السعادات ۲/۱۵۱۔

نے انہیں جنت میں جگہ دی ہے۔[1]

۱۔ مہمان کوروٹی کھلانا:

بیان کیاجاتا ہے کہ کرمان میں ایک بادشاہ رہتا تھاجوانتہائی کریم صفت انسان تھا،اس کا دستور یہ تھا کہ جوبھی مسافر باہر سے اس کے شہر میں آتاتو وہ تین دن تک اس کی مہمان نوازی کیا کرتا تھا۔

عضدالدولہ دیلمی نے کرمان پر حملہ کیالیکن وہ کرمان شہر کو فتح نہ کرسکا، یہ جنگ کئی دنوں تک جاری رہی، جیسے ہی سورج طلوع کرتا تو طرفین میں جنگ شروع ہوجاتی اور دونوں اطراف سے فوجی قتل ہوتے جیسے ہی رات ہوتی تو کرمان کا بادشاہ اپنے دشمن لشکر کی طرف بہت سا کھانا روانہ کیا کرتا تھا۔

عضدالدولہ نے اُسے ایک قاصد کے ہاتھوں یہ پیغام بھیجا کہ یہ تو کیا کررہا ہے؟ دن کو ہماری فوج کوقتل کرتا ہےاوررات کو اُن کے پاس کھانا بھیج دیتا ہے۔

اس نے جواب دیا کہ جنگ کرنا مردانگی ہےاورکھانا کھلانا جوانمردی کا ثبوت ہے اگرچہ لوگ میرے مخالف ہیں مگر میرے ملک کےاندر یہ مسافر ہیں ہم آنے والے مہمانوں کا احترام کرتے ہیں اور یہ بات جوانمردی کے خلاف ہے کہ ہمارے پاس کوئی مہمان آئے اوراُسے کھانا نہ دیا جائے۔

عضدالدولہ نے کہا: ''جو شخص اتنا مہمان نواز ہےاوراتنا شان وشوکت والا ہے اس کے ساتھ جنگ کرنا میرے لئے بھی جائز نہیں ہے''۔

چنانچہ عضدالدولہ نے جنگ بندکر کے اس سے مصالحت کرلی۔[2]

۲۔ مہمان کا احترام:

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے اورآپ رمضان مبارک میں اپنے ہمسایوں کے پاس ہرروز افطار کا سامان بھیجا کرتے تھےاور جب کبھی سفر پر جاتے تو دوران سفر وہ اپنا دسترخوان بچھایا کرتے تھےاور دوردراز سے لوگ آکرآپؓ کے دسترخوان سے کھانا کھاتے تھے۔

ایک دفعہ دوران سفر وہ اپنے غلام سمیت ایک عربی خیمے میں پہنچےاوراپنے غلام سے کہا آؤ دیکھتے ہیں کہ یہ عرب ہم سے کیسا سلوک کرتا ہے؟۔

[1] علم اخلاق اسلامی ۲/۲۰۵۔

[2] جوامع الحکایات ص ۲۱۶۔

حضرت عبداللہ خوبصورت اور خوش بیان مرد تھے اُس صاحب خانہ نے اُن کے لئے اپنی چادر بچھائی اور انہیں بڑے احترام سے بٹھایا اور اپنی بیوی سے جا کر کہا کہ ایک محترم اور معزز انسان آج ہمارا مہمان ہے کیا گھر میں کوئی چیز ہے جس سے اس عظیم انسان کی مہمان نوازی کی جا سکے؟۔

عورت نے کہا: ''بس ہمارے گھر میں ایک بھیڑ ہے جس کے دودھ سے ہماری شیر خوار بچی کی زندگی منسلک ہے''۔

اس مرد نے کہا کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ یہ بھیڑ ذبح کر کے مہمان نوازی کی جا سکے، اس نے بھیڑ کو ذبح کرنے کے لئے چھری اُٹھائی''۔

اُس کی بیوی نے کہا: ''بھیڑ تو ذبح ہو جائے گی کیا تو اس بھیڑ کو ذبح کرنے کی بجائے اپنی بیٹی کو ذبح نہیں کر رہا''۔ اس مرد نے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اس مہمان کا احترام ضروری ہے اس نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ اے نادان عورت اس بچی کو بیدار نہ کرنا اگر بچی بیدار ہو کر رونے لگی تو میرے ہاتھ سے بھیڑ ذبح نہیں ہوگی۔

الختصر اُس نے بھیڑ ذبح کی اور اپنے مہمان کو اس کا گوشت کھلایا، حضرت عبداللہ نے اُن کی تمام باتیں سنیں جب صبح ہوئی عبداللہؓ نے اپنے غلام سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنی رقم موجود ہے آپؓ کے غلام نے کہا کہ میرے پاس سفر خرچ کے علاوہ پانچ سو اشرفی زیادہ ہے، آپ نے غلام کو حکم دیا کہ وہ پانچ سو اشرافی اس عرب کو دے دو۔

غلام تعجب کرنے لگا اور کہا کہ جناب! اس نے جو ہمارے لئے بھیڑ ذبح کی تھی اس کی قیمت پانچ اشرفی سے زیادہ نہیں تھی اور آپ اسے پانچ سو اشرفی دے رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ نے فرمایا: اس کا کل ترکہ صرف ایک بھیڑ ہی تھی اس نے اپنا سارا اثاثہ ہماری مہمان نوازی میں صرف کر دیا حد یہ ہے کہ اس نے ہمیں اپنا میوہ قلب یعنی بیٹی پر بھی مقدم رکھا''۔ [1]

۳۔ قوم لوط:

قوم طوط کی بدبختی کی اصل بنیاد بخل تھی کیونکہ یہ قوم ایک شاہرہ کے کنارے آباد تھی لوگوں کے کاروان وہاں سے گزرا کرتے تھے اور ان سے کھانا مانگتے تھے یہ لوگ بخل کی وجہ سے مہمان نوازی سے تنگ آ گئے، مہمانوں سے جان چھڑانے کے لئے اُن بدبختوں نے لواطت کے فعل قبیح کو رواج دیا، آہستہ آہستہ اس کی خبر تمام شہروں میں پہنچ گئی کہ قوم لوط مسافروں سے بدفعلی کرتی ہے یہ سن کر مسافروں نے ان کے ہاں آنا چھوڑ دیا۔

اگر چہ اس عمل بد کی ابتداء انہوں نے مہمانوں سے جان چھڑانے کے لئے کی تھی مگر اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے عورتوں کی طرف سے منہ موڑ لیا، چنانچہ دور دراز سے خوبصورت لڑکوں کو پیسے دے کر اپنے شہر میں لایا کرتے تھے اور ان سے بدفعلی کیا

---

[1] پیغمبر و یاران ۴/۲۲۳۔ اسد الغابۃ ۳/۱۴۴۔

کرتے تھے۔

لوط علیہ السلام کے خاندان کے علاوہ پورا شہر اس لعنت میں مبتلا تھا، آپؑ سخی اور مہمان نواز تھے آپؑ کی قوم آپؑ کو مہمان نوازی سے منع کرتی تھی، آپؑ نے مسلسل تیس سال اس بدکار قوم کو تبلیغ فرمائی، لیکن نتیجہ کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔

جب کبھی لوط علیہ السلام کے ہاں کوئی مہمان آتا تو آپؑ مہمان کو اپنی قوم سے مخفی رکھتے تاکہ مہمان کو رسوائی سے بچایا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بدکار قوم کو برباد کرنے کا ارادہ کیا تو جبرائیل امین علیہ السلام اپنے ساتھ چند فرشتوں کو لیکر خوبصورت لڑکوں کی شکل میں شام کے وقت لوط علیہ السلام کے پاس آئے، اس وقت آپ اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے، فرشتوں نے اُن سے درخواست کی کہ آج رات ہمیں اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دیں ہم آپؑ کے مہمان ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا بہتر ہے کہ تم یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ اس شہر کے لوگ انتہائی بدکار ہیں مہمانوں کو رسوا کرتے ہیں اور اُن کا مال بھی چھین لیتے ہیں، فرشتوں نے کہا: ''اب کافی وقت گزر گیا ہے اس وقت ہم کہیں جانے کے قابل نہیں ہیں لہٰذا آج ہمیں اپنا مہمان بنالیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بدسیرت اور پلید تھی، قوم لوط نے ایک دوسرے کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کرنے کے لئے آگ جلانے کا اشارہ مقرر کیا ہوا تھا۔

گھر میں جسے ہی مہمان وارد ہوئے حضرت لوط کی بیوی نے گھر کی چھت پر آگ جلا دی اور اس طریقے سے بدکار قوم کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کیا۔

آگ کے شعلے دیکھ کر چاروں طرف سے بدکار لوگ لوطؑ کے مکان پر اُمڈ آئے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ وہ مہمان ان کے حوالے کریں۔

جناب لوط علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ میرے مہمان ہیں مجھے رسوا نہ کرو، بدکار قوم نے کہا: ''ہم آپ کو پہلے ہی روک چکے تھے کہ آپ اپنے ہاں مہمان مت ٹھہرائیں تو اس ممانعت کے باوجود آپ نے مہمان اپنے پاس کیوں ٹھہرائے۔

جب بدکار قوم کا شور و غوغا زیادہ بڑھا اور کھڑکی توڑ کر لوطؑ کے گھر آنے لگے تو حضرت جبرائیلؑ نے اشارہ کیا، سب کے سب اندھے ہو گئے آخر کار دیواروں کا سہارا لیتے لیتے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

جبرائیلؑ نے حضرت لوطؑ سے کہا کہ آپ اپنے خاندان کو لیکر دور نکل جائیں ہم صبح کے وقت اس شہر کو تباہ و برباد کر دیں گے، جناب لوط علیہ السلام خاندان کو لیکر چلے گئے صبح ہوئی تو فرشتوں نے اس خطہ زمین کو الٹ دیا اور پھر آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی، عذاب کی آواز سن کر لوطؑ کی بیوی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک پتھر اسے آلگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ [1]

[1] حیوۃ القلوب ۱/۱۵۲۔

۴۔ مہمان نوازی کے لئے تکلف جائزنہیں:

امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السلام کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا: اگر مجھے تم تین باتوں کی ضمانت دوتو میں تمہاری دعوت قبول کروں گا۔

اس نے دریافت کیا: ''امیر المومنین آپ کی کونسی تین شرائط ہیں''؟

آپؑ نے فرمایا: ''مجھ سے وعدہ کرو کہ میرے لئے گھر سے باہر کی کوئی چیز نہیں لاؤ گے اور گھر کی چیز مجھ سے نہ چھپاؤ گے اور اپنے خاندان کو بھی میری وجہ سے کم خوراک نہ دو گے''۔

اس نے کہا: ''مولا! آپ کی تینوں شرائط مجھے منظور ہیں''۔

پھر آپؑ نے اس کی دعوت قبول فرمائی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ''جب تمہارا بھائی تمہارے ہاں آجائے تو گھر میں جو کچھ پکا ہوا ہے اس کے سامنے رکھو اور اگر تم کسی کو دعوت دو تو پھر اس کے لئے تکلف کرو۔[۱]

۵۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی مہمان نوازی:

سیاہ رنگت رکھنے والا ایک بدصورت شخص امام حسن مجتبی کے دسترخوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور ندیدوں کی طرح بڑی تیزی سے ہاتھ چلا رہا تھا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام مہمان کو کھانا کھاتے دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: ''اعرابی! تم شادی شدہ ہو یا مجرد ہو؟''

اس نے کہا: ''میں شادی شدہ ہوں''۔

آپؑ نے کہا: تمہارے کتنے بچے ہیں؟۔

اعرابی نے کہا: ''میری آٹھ بیٹیاں ہیں شکل وصورت کے لحاظ سے میں ان سے زیادہ حسین ہوں اور پیٹو ہونے کے اعتبار سے وہ مجھ کئی گنا پیٹو ہیں''۔

امام حسن مجتبی علیہ السلام نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور اُسے دس ہزار درہم عطا فرما کر فرمایا: ''یہ تیرا، تیری بیوی اور تیری بیٹیوں کا حصہ ہے''۔[۲]

---

[۱] با مردم اینگونہ برخورد کینم ص ۲۰۶۔ فروع کافی ۳/۲۶۱۔

[۲] لطائف الطوائف ص ۱۳۹۔

باب نمبر 88

مکر

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ"[1]

برا مکر، ہمیشہ مکار کو ہی نقصان دیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ليس منا من ماكر مسلما"[2]

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی مسلمان سے مکروفریب کرے۔

مختصر تشریح:

مکر کا شمار رذیل صفات میں ہوتا ہے، مکر بے ایمان افراد کا ایک مشہور ہتھیار ہے وہ اس کے ذریعے سے اپنے ہدف کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے لوگ صحیح راستے کے لئے غور وفکر نہیں کرتے وہ ہمیشہ مخفی راستے سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وہ اذیت اور حیلہ گری سے کام لیتے ہیں۔

مکار ظاہری طور پر دشمن کے لباس میں نہیں ہوتا ہمیشہ دوست بن کر اپنے آپ کو دیندار بنا کر لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور پھر لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد اُن کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے اور انہیں گمراہی میں مبتلا کرتا ہے۔

مکر کا سرچشمہ دورنگی ہے، دورنگی اور حیلہ گری آپس میں لازم وملزوم ہیں، مکار شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے مکار لوگوں سے بچنے کا واحد حل یہ ہے کہ جہاں کہیں دورنگی کا امکان ہو تو انسان اُسے چھوڑ دے۔

ا۔ مکر کی بدترین مثال:

جنگ صفین میں حضرت مالک اشتر نے نمایاں جنگ کی اور آخری دن جو کہ جمعہ کا دن تھا قریب تھا کہ لشکر امیر المومنین علیہ

[1] سورہ فاطر آیت نمبر ۴۳۔

[2] جامع السعادت ۱/۲۰۳

السلام فتح حاصل کر لے، معاویہ نے عمروعاص سے کہا اب جو حیلہ و بہانہ تجھ سے ہوسکتا ہے اسے بروئے کار لا، کیونکہ ہم تباہ و برباد ہو گئے ہیں اور اسے مصر کی حکومت اور گورنری کی خوشخبری سنائی۔

عمروعاص نے جو کہ مکر وفریب کے خمیر سے گوندھا ہوا تھا لشکر کو پکار کر کہا: ''اے لوگو! جس کے پاس قرآن ہو وہ اسے نیزے پر بلند کرے''، پس تقریبا پانچ سو قرآن نیزوں پر بلند ہوئے اور معاویہ کے لشکر سے فریاد بلند ہوئی کہ کتاب خدا ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر نے جب یہ مکاری دیکھی تو اس میں سے اکثر افراد اس فریب میں آ گئے اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا یہ عمل مکر وفریب ہے وہ کہنے لگے ہمارے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ ہمیں قرآن کی طرف بلایا جائے اور ہم اُسے قبول نہ کریں۔

حضرت علیؑ نے اپنے لشکر سے خطاب کر کے فرمایا کہ اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے جاؤ، ان کے مکر وفریب میں نہ آؤ، کیونکہ معاویہ اور عمروعاص اور اس کے ساتھی اہل قرآن نہیں ہیں میں انہیں تم سے زیادہ بہتر جانتا ہوں، اور امیر المومنین علیہ السلام نے ان بدبختوں کو جتنی بھی نصیحت کی انہوں نے قبول نہ کی۔

اور آخر کار اشعث بن قیس (لعین) اور اس کے ساتھیوں نے آپ کو دھمکی دی کہ ہم آپ کے ساتھ وہی کچھ کریں گے جو لوگوں نے عثمان کے ساتھ کیا تھا، مجبوراً امام علیہ السلام کو مالک اشتر سے کہنا پڑا کہ جنگ بند کر دو، چنانچہ عمروعاص لعین اپنے اس مکر وفریب کے ذریعے کامیاب ہو گیا۔[1]

۲۔ عقل مند وزیر کا جواب:

استعمار یعنی (سپر پاورز) کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ چھوٹے ممالک کو تباہ برباد کیا جائے، وہ دوستی کے لباس میں مکر و حیلہ کے ساتھ اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔

جس وقت ایران میں ناصرالدین قاچار حکمران تھے تو انہوں نے اپنا وزیر اعظم میرزا محمد تقی خان کو مقرر کیا تھا، جب کبھی وہ غیر ملکی سفیروں سے ملاقات کیا کرتے تھے تو مدرسہ دارالفنون کے ایک استاد ''نظر آغا'' کو ترجمان کی حیثیت سے ساتھ رکھتے تھے۔

نظر آغا کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرزا محمد تقی خان کی ملاقات ایک روسی سفیر سے ہوئی اور مجھے بطور ترجمان وہاں بلایا گیا، جب ہماری اس سفیر سے ملاقات ہوئی تو اس نے ایران کی سرحدوں جو کہ روس کے ساتھ ملحق ہیں کے بارے میں ناجائز تقاضے کئے، میں نے اس کی باتیں سن کر اس کا ترجمہ میرزا محمد تقی کو سنایا، جواب میں میرزا محمد تقی خان نے مجھ سے کہا کہ اس سفیر سے کہو کہ کبھی تم نے

[1] جوامع الحکایات ص۹۹۔

پنیراور بیگن کھائے ہیں، میں نے یہ بات اس روسی سفیر کو بتائی تو اس نے کہا کہ نہیں، میں نے میرزا محمد تقی کو اس کے جواب سے آگاہ کیا تو میرزا تقی نے مجھ سے کہا کہ اسے کہو کہ میں نے گھر میں ایک نوکرانی رکھی ہوئی ہے جو پنیر اور بیگن بہت اچھے بناتی ہے آج اتفاق سے یہ دونوں چیزیں میرے گھر میں بنی ہوئی ہیں آپ وہ کھا کر جایئے گا، جب میں نے روسی سفیر کو یہ بتایا تو اس نے کہا نہیں بہت شکریہ آپ مجھ سے سرحدوں کے متعلق گفتگو کریں، اس کے جواب میں میرزا محمد تقی خان نے پنیر، بیگن اور اپنی نوکرانی کے علاوہ کچھ نہ کہا۔

الغرض وہ روسی سفیر مایوس ہوکر اٹھا اور اپنے دفتر چلا گیا۔[1]

۳۔ بُسر بن اُرطاۃ:

یسر بن ارطاۃ امیر المومنین علی علیہ السلام کا بدترین دشمن اور معاویہ کی فوج کا سالار تھا، جنگ صفین کے دوران ایک دفعہ حضرت علیؑ نے معاویہ کو چیلنج کیا اور فرمایا کہ کب تک دوسرے لوگوں کو مرواتے رہو گے میرے مقابلہ میں آؤ، ہم میں سے جو مر جائے تو دوسرا حکومت سنبھال لے، معاویہ نے کہا کہ آپ نے اتنے شامی مارے ہیں کیا وہ کم ہیں جو اب آپ مجھے مقابلے کے لئے بلا رہے ہو۔

اس وقت معاویہ کے خوشامدی جنرل بُسر بن ارطاۃ نے ارادہ کیا کہ امام علی علیہ السلام سے جا کر جنگ کرے اور اپنے آپ سے کہنے لگا کہ اگر میں نے علیؑ کو قتل کر دیا تو پورے عرب میں میری بہادری کا چرچا ہو جائے گا۔

اس کا ایک غلام تھا جس کا نام ''لاحق'' تھا اس نے اس سے مشورہ کیا تو لاحق نے کہا کہ اگر تجھے اپنے اندر اعتماد ہے تو جاؤ ورنہ خیال کرنا علی بہت بڑا بہادر ہے، اگر تو اس کا مقابلہ کر سکتا ہے تو اس کے مقابلہ میں جاؤ ورنہ یاد رکھنا شیر، بجو کو کھا جائے گا، علی کے نیزے سے موت ٹپکتی ہے اور علی کی تلوار تجھے قتل کرنے کے لئے کافی ہے۔

بُسر نے دلیری دکھاتے ہوئے کہا کہ آخر انسان کو مرنا بھی تو ہے چاہے کسی ہاتھوں قتل ہو کر مرے یا اپنی طبعی موت مرے۔

بہرنوع وہ بدبخت مولا علی علیہ السلام کے مقابلہ میں جنگ کرنے آیا، خاموشی سے آ کر امام علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہو گیا، اس نے رجز نہ پڑھا تا کہ امام علیہ السلام اُسے پہچان نہ سکیں۔

امام علیہ السلام نے اس پر زوردار حملہ کیا وہ گھوڑے سے نیچے گرا، اپنے پاؤں کو اوپر کیا جس کی وجہ سے وہ ننگا ہو گیا، امام علیہ السلام نے فوراً اپنا چہرہ اس سے ہٹا لیا اور بُسر اپنی جگہ سے اُٹھا اور بھاگ گیا، اور یوں بھاگا کہ اس کے سر سے جنگی ٹوپی تک بھی اتر گئی تھی۔

جب معاویہ نے بُسر کو دوڑاتے ہوئے دیکھا تو ہنسنے لگا اور کہنے لگا کوئی فرق نہیں عمرو عاص نے بھی ایسے ہی مکر کر کے اپنی جان چھڑائی تھی۔

---

[1] حکایتھای شنیدنی ۲/۱۷۲۔ داستانھائی از زندگی امیر کبیر ص ۱۳۹۔

ایک کوفی جوان نے آواز دے کر کہا کہ تم کو شرم نہیں آتی اور عمرو عاص نے تمہیں جان بچانے کے لئے ایک نیا حیلہ و مکر سکھا دیا جب تمہیں محسوس ہوتا ہے کہ اب تمہاری جان کو خطرہ ہے تو ننگے ہو جاتے ہو۔[1]

۴۔ زرقا کا مکر:

جس وقت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آمنہ کے صدف عصمت میں آئے تو کاہنوں کی کھانت باطل ہوگئی، اُس زمانے میں دو بہت بڑے کاہن رہتے تھے ایک مرد تھا اور ایک عورت تھی، مرد کا نام سطیح اور عورت کا نام زرقا تھا اس کا وطن یمامہ تھا۔

سطیح نے زرقا کو خط لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا آخری پیغمبرؑ اپنی والدہ کے صدف عصمت میں آچکا ہے لہٰذا ہر ممکن کوشش کرو کہ یہ نور دنیا میں پھیلنے نہ پائے، قبل اس کی ولادت ہو جائے تو اسے اس کی والدہ کے سمیت قتل کر دیا جائے۔

رزقا نے اپنی کہانت کے ذریعے معلوم کیا کہ خاتم المرسلین کا نور بی بی آمنہ کے صدف عصمت ہے۔

مکہ میں ایک عورت رہتی تھی جس کا نام تکنا تھا وہ عورتوں کے بال وغیرہ ٹھیک کیا کرتی تھی زرقا اس کے پاس آئی، اس کے سامنے اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ مکہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو ہمارے بتوں کو ذلیل ورسوا کرے گا، زرقا نے دولت کی ایک تھیلی تکنا کے حوالے کی اور کہا کہ اگر تو اس تھیلی کی مالک بننا چاہتی ہے تو تجھے ایک کام کرنا ہوگا۔

تکنا نے کہا کہ مجھے اس کے لئے کیا کام کرنا پڑے گا۔

زرقا نے اس سے کہا کہ تو عبدالمطلب کے گھر جانا اور آمنہ بنت وہب کے بال ٹھیک کرنا اور اس دوران زہر آلود چھری اُسے چھبا دینا، جس سے وہ خود بھی مر جائے گی اور اس کے شکم میں موجود بچہ بھی مر جائے گا۔

چنانچہ اس کام کے لئے ایک دن مقرر کیا گیا، دوسری طرف سے تمام بنی ہاشم کو زرقا نے دعوت دی، تمام بنی ہاشم اس کی دعوت میں مصروف ہوگئے اور تکنا اکیلی بیٹھ کر جناب آمنہ کے بال درست کرنے میں مصروف ہوگئی، اس نے اچانک زہر آلود خنجر اٹھایا اور چاہتی تھی کہ اس کی نوک آپ کے جسم میں چھبو دے لیکن غیب سے ایک ہاتھ تکنا کے چہرے پر آ کر لگا اور وہ دور جا کر گر پڑی، وقتی طور پر وہ دیکھنے سے قاصر ہوگئی اور اس کی آنکھوں کا نور گم ہوگیا۔

حضرت بی بی آمنہ نے آواز بلند کی اور تمام بنی ہاشم کی عورتیں بی بی کے گرد جمع ہوگئیں، انہوں نے بی بی سے اس واقعہ کے متعلق پوچھا تو بی بی نے اس عورت کی خیانت کا ذکر کیا، جب تکنا سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا، اس نے کہا مجھے زرقا نے لالچ دی اور اگر آپ نے بدلہ لینا ہے تو زرقا سے لیں۔

تکنا تو اس وقت واصل جہنم ہوئی اور زرقا بڑی مشکل سے مکہ سے نکل کر اپنے اصل وطن یمامہ پہنچی، خدا نے اُن کے مکر کو

---

[1] داستانھای زندگانی علی علیہ السلام ص ۴۷۔ بحار الانوار ۹ ۷ /۸/۴۔

ناکام بنایا جس کی وجہ سے وہ حضرت آمنہ اوراس کے صدف عصمت میں پرورش پانے والے بچے کونقصان نہ پہنچاسکی۔[1]

۵۔ عمروعاص:

عمروعاص انتہائی ذہین اورسیاست دان شخص تھاوہ اپنے زمانے کا انتہائی مکاراورحیلہ باز انسان تھا۔

جب حضرت جعفر طیارؓ مسلمانوں کے ایک گروہ کولیکر حبشہ کی طرف گئے تو یہ بھی اُن کے تعاقب میں حبشہ گیا، اوراس نے نجاشی سے کہا کہ میں نے ایک شخص کودیکھا ہے جوابھی دربار سے باہر نکلا ہے وہ دشمن کا نمائندہ ہے آپ مجھے اجازت دیں ہم اُسے قتل کریں اورتاکہ ہم اُس سے اپنا انتقام حاصل کرسکیں، ان لوگوں نے ہمارے بزرگوں کی بہت زیادہ توہین کی ہے۔

نجاشی نے جب اس کی یہ بات سنی تو اُسے بہت غصہ آیااوراس نے زوردار مکا عمروعاص کے منہ پررسید کیا۔

یہی عمروعاص حضرت ابوبکر کے دور میں سپہ سالار مقرر ہوااور سپاہ کولیکر شام گیااورحضرت عمر کے دورخلافت میں یہ شخص فلسطین کا حاکم رہااور پھرفوج لیکراس نے مصرکوفتح کیااور پھرکچھ عرصہ وہاں پراس نے حکومت کی، حضرت عمرکے دورخلافت میں وہ چار سال تک مصرکا حکمران رہااوراس کے بعد حضرت عثمان نے اسے معزول کیا، حضرت عثمان سے اس کے روابط ختم ہو گئے اورایک دوسرے کے دشمن ہو گئے، وہ حضرت عثمان پر ہمیشہ تنقید کیا کرتا تھاایک دفعہ حضرت عثمان منبر پر بیٹھ کرگفتگو کررہے تھے کہ اس نے کھڑے ہوکرکہا تو نے بہت غلط طریقے اختیارکئے ہیں تیرے انحرافات کی وجہ سے پوری امت منحرف ہوجائے گی تمھیں چاہیے کہ اپنی حالت درست کرویاخلافت کوچھوڑدو۔

یہی عمروعاص گاہے بگاہے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں بھی آتارہااورعثمان کے خلاف ترغیب دیتا،کبھی یہ مکارشخص طلحہ وزبیر کے پاس جاتااورانہیں حضرت عثمان کے قتل کی ترغیب دیا کرتا تھا۔

اس شخص کی بیوی حضرت عثمان کی مادری بہن تھی اس نے عثمان کی دشمنی میں اسے بھی طلاق دے دی۔

جب حضرت عثمان مارے گئےتو اس کے بعد معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا تو یہی شخص معاویہ کے ساتھ شامل ہوگیا۔

جب جنگ صفین ہوئی تو اسی مکار کے مشورے کے تحت معاویہ کے لشکر نے پانچ سوقرآن نیزوں پر اٹھائے۔

اوراسی مکار شخص کی وجہ سے معاویہ نے نماز جمعہ بدھ کے دن پڑھائی اور پورے شام میں کدوکوگوسفند کی طرح سے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

الغرض اس شخص نے بہت زیادہ حیلوں سے کام لیااورشام کے لوگوں نے عقل سے عاری ہونے کے ناطے ان تمام احکامات کو مانا۔

---

[1] خزینۃ الجواہری ص ۵۴۸۔

جب اہل شام کو یہ خبر ملی کی حضرت امیر المومنینؑ محراب عبادت میں شہید ہوئے ہیں تو شامیوں نے کہا کہ کیا علی نماز بھی پڑھتے تھے، شامیوں میں یہ پروپگنڈا عمروعاص نے پھیلایا تھا کہ نعوذ باللہ علی علیہ السلام نماز نہیں پڑھتے اس لئے ہم اُن سے جنگ کر رہے ہیں۔[1]

[1] پیغمبرویاران۔۵/۲۷، ۵۴۔

باب نمبر 89

نیت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ [1]

آپ کہہ دیں کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے ارشادفرمایا:

"عند فساد النية ترتفع البركة" [2]

جب انسان کی نیت خراب ہوجائے تو برکت بھی چلی جاتی ہیں۔

مختصر تشریح:

سچی نیت اُس شخص کے پاس ہوتی ہے جس کا قلب صحیح وسالم ہو، کیونکہ جو قلب ابلیسی وسواس سے دور ہوگا تو اس کی نیت صرف اور صرف خدا کے لیے ہوگی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے''۔

انسان کے اعمال کا تعلق اس کی نیت کے مطابق ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اعمال کی جزا وسزا ملتی ہے البتہ نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے، دل جتنا بھی پاکیزہ ہوگا اتنا ہی اس میں معرفت ہوگی، اور جتنا بھی دل خراب ہوگا اتنا ہی وہ معرفت سے خالی ہوگا۔

خالص نیت رکھنے والا انسان اپنی خواہشات کو خدا کے مقابلے میں مغلوب کردیتا ہے اپنی نفسانی آرزوؤں کو چھوڑ دیتا ہے اور دوسرے لوگ اس سے آسائش محسوس کرتے ہیں۔

ا۔ نیت کی خبر دینے والا:

بغداد کے بازار میں ایک کافر کھڑا تھا لوگ اس کے گرد جمع تھے وہ لوگوں کو ان کی نیت کا حال سناتا تھا اور جو کچھ ان کے

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۴۔

[2] غرر الحکم ج ۶۲۲۸۔

گھروں میں ہوتا وہ بھی انہیں بتا تا تھا، کسی نے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اس ماجرے کی خبر دی تو آپؑ نے عام لباس پہنا اور بازار میں پہنچ گئے۔

آپ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تم اپنے دل میں کوئی نیت رکھ کر سوال کرو، آپؑ کے ساتھی نے دل میں نیت کی اور پوچھا کہ میرے دل میں کیا ہے تو کافر نے اسی وقت بالکل صحیح صحیح بتا دیا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس کافر کو علیحدہ لے گئے اور فرمایا: ''تم نے یہ مقام کیسے حاصل کیا؟، جب کہ یہ چیز تو نبوت کا جزو ہے''۔

کافر نے کہا کہ میں نے نفس کی مخالفت کر کے یہ مقام پایا ہے۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تو نے اپنے نفس کے سامنے کبھی اسلام کو بھی پیش کیا ہے؟ اس نے کہا: ''جی ہاں میرا نفس اسلام کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: ''جب تم نے ہمیشہ نفس کی مخالفت کی ہے پھر کیا وجہ کہ اس مسئلہ میں نفس کا کہنا مان لیا؟ تمہیں اس مسئلہ پر بھی نفس کی مخالفت کرنی چاہیے۔

اس نکتہ پر اس نے کچھ دیر تک غور کیا پھر مسلمان ہو گیا اور وہ اچھا مسلمان ثابت ہوا۔

اسلام لانے کے بعد وہ کبھی کبھار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، ایک دن کسی نے اس سے پوچھا کہ مجھے میری نیت کا حال سناؤ۔

اس نے جتنی بھی غور وفکر کی، اس شخص کی نیت کے حال سے واقف نہ ہو سکا، پھر اس نے امام علیہ السلام سے پوچھا: ''مولا میں جب تک کافر تھا میں اتنا روشن ضمیر تھا کہ لوگوں کی نیت کا حال بھی جان لیتا تھا لیکن جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھ سے میری روشنی چھن گئی، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہر کسی کو اس کی محنت کا ثمر ضرور دیتا ہے، جب تک تو کافر تھا تو مخالفت نفس کا ثمر اللہ تعالیٰ تجھے اس دنیا میں دے رہا تھا، اور آخرت میں تیرا کوئی حصہ نہیں تھا، اور اب تو مسلمان ہو چکا ہے تو تیرا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے اور آخرت میں تجھے اس کا اجر ضرور ملے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تجھے دنیا میں اجر دینا چھوڑ دیا''۔[1]

۲۔ بادشاہ کی نیت:

نوشیروان بادشاہ کے والد کا نام قُباد تھا، ایک دفعہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکار پر گیا اور اُسے ایک گورخر نظر آیا اور اس نے اس کے پیچھے اپنے گھوڑا دوڑایا اور اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا، اس بیابان میں اس پر پیاس کا غلبہ ہوا اور دور سے اس صحرا میں

[1] خزینۃ الجواہر ص ۳۳۸۔ انوار نعمانیہ۔

ایک خیمہ نظر آیا وہ اس کی طرف چلا گیا، اوراہل خانہ کوصدا دے کرکہا کہ کیا آپ مہمان کی پذیرائی کریں گے، اس خیمے سے ایک بوڑھی عورت باہر آئی اس نے کچھ دودھ اورروٹی مہمان کے سامنے پیش کی۔

قباد روٹی کھانے کے بعد وہاں سو گیا، جب بیدار ہوا تو اس وقت رات ہونے کوتھی اس لئے مجبوراً اسے وہاں رات بسر کرنی پڑی۔

جب رات ہوئی توصحرا سے کچھ گائیں آئیں اس بوڑھی عورت نے اپنی بارہ سالہ لڑکی سے کہا کہ بیٹی اُٹھو ان کا دودھ دوہ لو۔

بچی نے گایوں کا دودھ دوہا تو قباد یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ گاؤں نے بہت زیادہ دودھ دیا، اس وقت قباد نے دل میں کہا کہ ہم نے لوگوں کو اتنا عدل فراہم کیا کہ یہ صحرا میں بے خوف وخطر بیٹھے ہوئے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ہم ایک قانون بنائیں کہ ہفتہ میں ایک دن یہ لوگ اپنی گائیں کا دودھ سلطان کے پاس حاضر کریں، جس سے ہمارے سرکاری خزانہ میں اضافہ ہوگا اور سوچنے لگا کہ میں جیسے ہی یہاں سے جا کر تخت پر بیٹھوں گا تو یہ حکم جاری کرونگا۔

جب صبح ہوئی تو ماں نے بچی سے کہا کہ بیٹی اٹھو دودھ دوہ لو، بچی اُٹھی اوردودھ دوہنے کے لئے گائیوں کے پاس گئی تو گائیوں نے بہت کم ہی دودھ دیا جو نہ ہونے کے برابر تھا، بچی نے چیخ کر کہا کہ امی گائیں دودھ نہیں دے رہی ہیں، لگتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کی نیت خراب ہوچکی ہے اُٹھو اور دعا کرو وہ بوڑھی عورت اُٹھی اوراس نے دعا کی۔

قباد نے بوڑھی عورت سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ ہماری گائیوں کا دودھ کم ہو چکا ہے اصول یہ ہے کہ جب کسی سلطان کی نیت بدہوجائے تو گائیوں کا دودھ کم ہوجاتا ہے۔

قباد نے اس بوڑھی عورت سے کہا کہ اماں تو نے درست کہا ہے میں تمہارا بادشاہ ہوں اور میں نے ایسی نیت کی تھی اوراب میں اپنی نیت کوختم کررہا ہوں۔

اس کے بعد جب لڑکی نے دوبارہ ان گائیوں کودوہا توانہوں نے رات کی طرح بہت زیادہ دودھ دیا۔[1]

۳۔ ابوعامراورمسجدکی تعمیر:

اسلام سے پہلے مدینہ میں ابوعامر نام کا ایک راہب رہتا تھا جو ہمیشہ ٹاٹ کا لباس پہنا کرتا تھا اورریاضت میں مصروف ہوتا تھا اسی وجہ سے لوگ اس کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے یہاں تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے آپ کے آنے کی وجہ سے اس کا احترام ختم ہوگیا۔

اس نے رسول پاک سے دشمنی شروع کردی اورمسلمانوں کے لئے جنگ خندق کا سبب بنا، جس میں کفار کوشکست کا سامنا کرنا پڑا۔

[1] جوامع الحکایات ص ۷۰۔

پھراس کے کہنے پر منافقین نے اس کے لئے ایک مرکز تعمیر کیا جس میں قبیلہ بنی غنم کے بارہ افراد پیش پیش تھے، اُن بارہ افراد میں ثعلبہ بن حاطب معتب بن قشیر اور نبتل بن حرث وغیرہ شامل تھے اور اسے مسجد کا نام دیا گیا۔

اُن لوگوں نے مسجد قبا کے نزدیک یہ مسجد تعمیر کی، جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی تو یہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے عرض کیا کہ جس طرح سے آپ نے مسجد قبا کا افتتاح کیا تھا اس طرح ہماری مسجد کا بھی افتتاح کریں انہوں نے اس مسجد کی وجہ تعمیر یہ بتائی کہ بعض دفعہ کچھ لوگ مسجد قبا نہیں جا سکتے کیونکہ بعض دفعہ گرمی ہوتی ہے اور بعض دفعہ سردی اور کبھی بارشیں شروع ہوتی ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کو مشکل درپیش ہوتی ہے، اس لئے اُن کے لیے یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ فی الحال میں تبوک کے سفر پر جا رہا ہوں واپسی پر میں اس مسجد کا افتتاح کروں گا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے تو وہ لوگ دوبارہ آپ کے پاس مسجد کے افتتاح کی درخواست لے کر آئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مسجد میں جانے سے روک دیا اور یہ فرمایا کہ اس کی اساس منافقت پر رکھی گئی ہے اور اس کا مقصد دشمنان خدا اور رسول کو مرکز فراہم کرنا ہے۔

چنانچہ رسول خدا نے اس مسجد کو گرانے کا حکم جاری کیا، مسلمانوں نے اس مسجد کو گرا دیا اور اس کے ملبہ کو آگ لگا دی۔ [1]

۴۔ شقیق بلخی:

شقیق بلخی مشائخ طریقت میں سے ایک تھے، یہ حاتم اصم کے استاد تھے اور اس کو ۱۴۹ھ کو غزوہ کولان میں ترک کے علاقہ میں قتل کیا گیا۔

شفیق بلخی روایت کرتا ہے کہ ایک دفعہ ۱۴۹ھ کو میں حج پر گیا، جب میں قادسیہ کے مقام پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ حج کے لئے آ رہے ہیں، اور تمام صاحب زینت و مال تھے پس میری نگاہ ایک خوش رو نوجوان پر پڑی جو کمزور اور گندم گوں تھا اور پشمینہ کا لباس اس کے اوپر تھا اور لوگوں سے کنارہ کش ہو کر اکیلا بیٹھا تھا، میں نے دل میں کہا کہ یہ نوجوان صوفی ہے اور چاہتا ہے کہ لوگوں پر بوجھ بنے، خدا کی قسم میں اس کے پاس جا کر اس کی سرزنش کرتا ہوں۔

شفیق کا بیان ہے کہ جب میں اس کے پاس گیا اور اس جوان نے مجھے دیکھا تو فرمایا: ''یاشفیق اجتنبوا کثیرۃ من الظن ان بعض الظن اثم'' اے شفیق! بہت سے گمانوں سے اجتناب کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا، میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ امر عظیم ہے اس جوان نے وہ کچھ بتایا جو میرے دل میں گزر رہا تھا اور میرا نام بھی لیا ہے، یہ

---

[1] پیغمبر و یاران ۲/۱۰۳۔ مجمع البیان ۵/۷۰۔

جوان خدا کا کوئی صالح بندہ ہی ہے پس اس کے پاس جا کر اپنی خطا کی معافی طلب کروں میں تیزی سے اس کی طرف چلالیکن میں اُسے نہ پا سکا، یہاں تک کہ ہم منزل واقعہ میں پہنچے، وہاں میں نے اس جوان کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہاہے اوراس کے اعضاء وجوارح مضطرب تھے اورآنسو جاری تھے۔

میں نے یہ کہا کہ یہ وہی جوان ہے کہ جس کی میں تلاش میں تھا جا کر اس سے معافی مانگوں، میں نے صبر کیا یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو جائے جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا:''یا شفیق وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اهتدی،' اے شفیق! بے شک میں بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور پھر راہ ہدایت پر چلے، یہ کہہ کر وہ چل دیا، میں نے کہا یہ نوجوان ابدال میں سے ہے کیونکہ دوسرے مرتبہ اس نے میرے دل کی بات بتائی، پھر دوبارہ میں نے اسے نہیں دیکھا یہاں تک کہ ہم منزل زبالہ میں پہنچے، میں نے دیکھا کہ لوٹا اس جوان کے ہاتھ میں ہے اور کنوئیں کے پاس کھڑا ہے اور پانی نکالنا چاہتا ہے اچانک وہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں گر پڑا۔

میں نے دیکھا کہ اس نے آسمان کی طرف اپنا سر بلند کیا اور عرض کیا''انت ربی اذا ظمت الی الما وقوتی اذا اردت الطعام ''تو مجھے سیراب کرنے والا ہے جب میں پیاسا ہوتا ہوں اور تو ہی میری روزی ہے جب میں کھانا کا ارادہ کرتا ہوں۔

پھر عرض کیا اے میرے معبود وآقا میرے پاس اس لوٹے کے علاوہ کچھ نہیں ہے مجھ سے یہ نہ لے،شفیق کہتا ہے خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ کنویں کے پانی میں جوش آیا اور وہ اوپر کو اٹھا اس جوان نے اپنا ہاتھ دراز کر کے وہ کوزہ اٹھایا اور اس کو پانی سے پر کر کے وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھ کر ریت کے ایک ٹیلے کی طرف گیا اور اس میں سے کچھ ریت کے ذرات لیکر اس کوزہ میں ڈالے اور اسے ہلا کر پیا۔

جب میں نے یہ دیکھا تو اس کے قریب گیا اور سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا، پس میں نے کہا مجھے اس میں سے کچھ دیجئے جو خدا نے آپ پر احسان نعمت کیا ہے۔

پھر وہ کوزہ آپ نے مجھے عنایت فرمایا، جب میں نے پی کر دیکھا تو ستو اور شکر تھی، خدا کی قسم میں نے اس سے پہلے کبھی بھی ایسا لذیذ اور خوشبودار ستو نہیں پیا تھا، پس میں اتنا سیر وسیراب ہوا کہ کئی دن تک مجھے کھانے پینے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی پھر میں نے اس بزرگوار کو کہیں نہیں دکھا یہاں تک کہ ہم مکہ میں وارد ہوئے آدھی رات کے وقت میں نے اسے دیکھا کہ وہ قبستہ السراب کے پاس مشغول نماز پڑھتا رہا، یہاں تک کہ انہوں نے صبح کی نماز ادا کی اور خانہ کعبہ کا طواف کیا اور باہر آیا۔

میں اس کے پیچھے گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے حاشیہ نشین اور غلام ہیں اس کیفیت کے برخلاف جو میں نے راستہ میں دیکھی تھی اور لوگ اُن کے گرد جمع تھے اور اُن کو سلام کر رہے تھے، پس میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب ہیں۔[1]

---

[1] منتھی الامال ۲/۲۰۴۔

۵۔ حضرت موسیٰ کا پیروکار:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک پیروکار ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا اور اُن سے علم حاصل کرتا تھا، کافی عرصہ بعد اس نے آپ سے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اجازت دی۔

وہ شاگرد عرصہ دراز تک موسیٰ علیہ السلام کو نظر نہ آیا، آپ نے لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کیا لیکن کہیں سے بھی خبر نہیں آئی۔

ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: ''تم نے میرے فلاں شاگرد کو دیکھا ہے؟

جبرائیل امین نے کہا کہ جناب! وہ مسخ ہوکر بندر ہو چکا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس کا جرم کیا تھا؟

حضرت جبرائیل امین نے عرض کیا: ''اس نے آپ سے تورات کا علم اس نیت سے حاصل کیا تھا کہ لوگ اُسے فقیہہ اور عالم کے طور پر جان سکیں اس کی نیت اخلاص پر مبنی نہیں تھی اور اس نے اس علم کو دنیا کے بدلہ فروخت کر دیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے مسخ کر کے بندر بنا دیا[1]

[1] روایتھا وحکایتھا ص ۱۲۹۔ داستانھای پراگندہ ۱۳۸/۴۔

باب نمبر 90

نعمت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴿۱۱۴﴾[۱]

اللہ کی نعمت کا شکرادا کرو اگرتم صرف اسی کی ہی عبادت کرتے ہو۔

امام جعفرصادق علیہ السلام نے ارشادفرمایا:

"کان رسول اللہ اذا وردعلیہ امر یسرہ قال الحمدللہ علی ھذہ النعمتہ"[۲]

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوکوئی خوشی ملتی تھی تو آپؐ یہ جملہ فرماتے تھے"الحمد للہ علی ھدہ النعمتہ"،یعنی میں اس نعمت پرخدا کی حمد کرتا ہوں۔

مختصرتشریح:

انسان کو چاہیے کہ تمام نعمات کوخدا کی طرف سمجھے اورکسی بھی نعمت پر اپنا حق نہ سمجھے جوکچھ بھی خدانے عطا کیا ہے اس پر راضی رہے اورنعمت پانے کی وجہ سے حق کی مخالفت نہ کرے، ہرحالت میں انسان کوخدا کا شکر بجالانا چاہیے۔

توفیق شکر بذات خودایک نعمت ہے،اللہ تعالیٰ کی نعمات اتنی زیادہ ہیں کہ انسان اس کا شکرادا کرنے کے قابل نہیں ہے،اس شکر کی عملی صورت یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ نعمات میں اسراف نہیں کرنا چاہیےاور ہرنعمت کواس کے اصل مقام پرخرچ کرے تاکہ اللہ کے لطف وکرم کا حقدار بن سکے۔

ا۔ باغ ضروان:

سابقہ زمانے کی بات ہے کہ ایک صالح اورخدا پرست انسان جویمن کے قریب ضروان نامی ایک گاؤں میں رہتا تھا، اس کے پاس قابل کاشت زمین تھی، پھلدار باغات تھے وہ ہمیشہ اس میں سے غرباء ومساکین کا خیال رکھتا تھا،وہ اپنے باغات کی

[۱] سورۃ النحل آیت ۱۱۴۔

[۲] جامع السعادات ۳/۲۳۶۔

کمائی سے صرف اپنے لئے ضرورت کے مطابق رکھتا تھا اور باقی کمائی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمات کا شکرادا کرتے ہوئے غرباء اور مساکین میں تقسیم کردیتا تھا۔

الغرض اس کے گھر کے دروازے غرباء اور مساکین کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے اور ضرورت مند لوگ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہمیشہ اس کے پاس آتے تھے۔

وہ خدا پرست شخص ہمیشہ اپنی اولاد کو بھی غرباء ومساکین کی ضرورت کو پورا کرنے کی نصیحت ووصیت کیا کرتا تھا، اور اولاد سے کہا کرتا تھا کہ تمام نعمات خدا کی عطا کردہ ہیں لہٰذا خدا کی راہ میں خرچ کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

اس کی اولاد اپنے والد کی نصیحتیں سن سن کر تنگ آ چکی تھی آخرکار اس صالح مرد کی وفات ہوگئی۔

جب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو اس کی اولاد نے اپنے والد کی وصیت کو سراسر فراموش کردیا، اور اس کی اولاد نے آپس میں اتفاق کیا کہ باغ کی جتنی بھی کمائی ہوگی اسے آپس میں برابر تقسیم کریں گے اور اس میں سے غرباومساکین کو کچھ بھی نہیں دیں گے۔

فقراء گزشتہ سالوں کی طرح باغات میں جاتے لیکن اس کی اولاد انہیں کچھ بھی نہیں دیتی، اللہ تعالیٰ اُن پر ناراض ہوا ابھی باغ کا پھل نہیں اترا تھا کہ آسمان سے بجلی گری اور تمام باغ جل کر راکھ ہوگئے، جب وہ صبح باغ میں گئے تو دیکھا کہ باغ جل کر خاکستر ہو چکے تھے۔[1]

۲۔ نعمت کے حصول میں فضول خرچی:

ہارون الرشید بنی عباس کا پانچواں خلیفہ گزرا ہے ایک دفعہ اُسے شوق پیدا ہوا کہ ایسے اونٹ کا گوشت کھانا چاہیے جو چھٹے مہینے میں داخل ہوا ہو۔

اس کا باورچی روزانہ اونٹ کا گوشت پکا کر اس کے دسترخوان پر رکھتا تھا، لیکن کئی دنوں تک ہارون نے اس گوشت کی طرف ہاتھ تک نہ بڑھایا تھا، آخرایک دن ہارون الرشید نے اونٹ کے گوشت سے ایک لقمہ اٹھایا اور اُسے منہ میں رکھا تو ساتھ ہی اس کا وزیر جعفر برمکی بیٹھا ہوا تھا وہ ہنسنے لگا، ہارون نے اس سے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو پہلے تو وہ خاموش رہا جب ہارون کا اصرار بڑھا تو اس نے کہا کہ جناب کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ آپ نے جو یہ لقمہ اٹھایا ہے ہمیں یہ کتنے میں پڑا ہے؟۔

ہارون نے کہا: ''نہیں میں نہیں جانتا''، جعفر برمکی نے جواب دیا، جناب یہ ایک لقمہ ہمیں ایک لاکھ درہم میں پڑا ہے۔

ہارون نے کہا: ''یہ کیسے ممکن ہے؟''

جعفر مکی نے کہا: ''کچھ دن پہلے آپ نے کہا تھا کہ میں شیش ماہ کا اونٹ کھانا پسند کرتا ہوں اس وقت وہ اونٹ ہماری دسترس میں نہیں تھا، میں نے سرکاری خزانے سے شیش ماہے اونٹ خریدے روزانہ ایک ایک اونٹ ذبح کرتے رہے اور آپ کے دسترخوان پر

[1] داستانھای مثنوی ۲/۱۵۔تفسیر سورۂ قلم کی طرف رجوع کریں۔

اُن کا گوشت رکھا جاتا تھالیکن آپ نے کبھی اس کے گوشت کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی نہیں اور آج آپ نے ایک لقمہ کھایا ہے تو یہ ایک لقمہ ہمیں ایک لاکھ درہم میں جا پڑا''۔[1]

۳۔ شکر نعمت:

ابو ہاشم جعفر بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ فقر و فاقہ کی مجھ پر شدت ہوئی، تو میں امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا، آپ نے مجھے اجازت بخشی اور فرمایا: ''اے ابو ہاشم خدا کی عطا کردہ نعمتوں میں سے کس نعمت کا شکر ادا کرسکتا ہے؟''

ابو ہاشم کہتا ہے کہ میں نہ سمجھا کہ آپؑ کو کیا جواب دوں، حضرتؑ نے خود ابتداء کی اور فرمایا: خدا نے تجھے ایمان عطا فرمایا ہے پس اس کی وجہ سے تیرا بدن آتش جہنم پر حرام کیا اور تجھے عافیت و سلامتی عطا کی تا کہ اطاعت کرنے کی وجہ سے تجھ پر عنایت کرے اور خدا نے تجھے قناعت دی ہے تا کہ آبرو ریزی سے تجھے محفوظ رکھے۔

اے ابو ہاشم میں نے ابتداً تجھے یہ کلمات اس لیے کہے ہیں چونکہ تو نے ارادہ کیا ہے میرے پاس اس کی شکایت کرے کہ جس نے یہ تمام انعام تجھ پر کئے ہیں اس کے بعد امام علیہ السلام نے مجھے ایک سو دینار زر سرخ عطا کئے۔[2]

۴۔ عدل وانصاف کی برکت:

ایک دفعہ منصور دوانیقی نے عمرو بن عبید سے نصیحت کرنے کی درخواست کی، اس نے کہا: ''میں تمہیں سنی سنائی بات بتاؤں یا اپنی چشم دید بات بتاؤں''۔

منصور دوانیقی نے کہا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح سے ہو سکے؟۔

عمرو بن عبید نے کہا: ''عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ میں سے انصاف پرور حاکم تھا، اور اسی کے زمانہ میں لوگ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے جب اس کی وفات ہوئی تو اس کے ورثاء میں گیارہ افراد تھے اور اس کی کل میراث (۷۰۰) سات سو مثقال چاندی تھی، اس کے ورثاء میں سے ہر ایک وارث کو ایک سو پچاس قیراط چاندی ملی اور جب ہشام بن عبدالملک کی وفات ہوئی تو اتفاق سے اس کے بھی گیارہ وارث تھے اور ان میں سے ہر وارث کو ایک ملین یعنی دس لاکھ مثقال سونا حصہ میں آیا۔

چند دنوں بعد میں نے عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے کو دیکھا جس نے ایک سو گھوڑے اللہ کی راہ میں جہاد و حج کرنے کے لئے لوگوں کو دیئے اور میں نے ہشام کے ایک بیٹے کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔[3]

---

[1] حکایتہای شنیدنی ۶۶/۳۔
[2] با مردم اینگونہ برخورد کنیم ص ۱۳۰۔ امالی شیخ صدوق ۴۱۲۔
[3] جوامع الحکایات ص ۱۳۶۔

۵۔ حقیقی نعمت کیا ہے؟

ابراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ ایک دن میں امام علی رضاعلیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک فقیہ نے کہا کہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ''پھراس دن تم سے نعمت کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا''۔

اس آیت مجیدہ میں ''نعیم'' کے متعلق باز پرس کا اعلان کیا گیا ہے کیا اس ''نعیم'' سے مراد ٹھنڈا پانی ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''ٹھہرو، تم کہتے ہو کہ اس ''نعیم'' سے مراد ٹھنڈا پانی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نیند ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں اس سے مراد اچھی روٹی ہے۔

میرے والد ماجد علیہ السلام نے یہی مسئلہ اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بڑا کریم ورحیم ہے، دنیا میں کوئی اچھا میزبان اپنے مہمان کو روٹی اور ٹھنڈا پانی پلا کر اس سے سوال نہیں کرتا تو منعم حقیقی اپنے بندوں سے روٹی، پانی کا سوال کیسے کرے گا؟ یہ اس کے حسن تفضّل کے خلاف ہے۔

"ولكن النعيم حبنا اهل البيت وموالاتنا يسأل الله عنه بعد التوحيد و نبوة رسوله صلى الله عليه وآله وسلم"

نعیم سے مراد ہم اہلبیت کی محبت وولایت ہے، اللہ تعالیٰ اپنی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد لوگوں سے اس کا سوال کرے گا۔[1]

[1] داستانھا و پندھا ۴/۱۰۳۔ ینابیع المودۃ ۱/۱۱۱۔

باب نمبر 91

نماز

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" [۱]

یقیناً نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من صلی رکعتین لم یحدث فیھما نفسه بشئی من الدنیا غفرله ما تقدم من ذنبه" [۲]

جس نے دو رکعت نماز اس انداز سے پڑھی کہ اس کے دل و دماغ میں دنیا کا خیال نہ آیا تو خداوند متعال اس کے سابقہ گناہ معاف کردے گا۔

مختصر تشریح:

ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ ضرورت نہیں کہ وہ ہم سے خدمت کروائے، اللہ تعالیٰ ہماری نمازوں اور دعاؤں سے مستغنی ہے یہ اُس کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں اور آپ کو نماز کا حکم دیا ہے تاکہ ہم اس کی رحمت کے حقدار بن سکیں اور اس کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔

جب انسان نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پہ اظہار کرم کرتا ہے جس وقت انسان تکبیرۃ الاحرام کہہ کر نماز میں داخل ہوتا ہے تو پھر زمین وہ اس پر تمام موجودات کو حقیر تصور کرکے اور غیر اللہ کو فراموش کردے اور نماز ادا کرے۔ [۳]

[۱] سورۃ العنکبوت آیت ۴۵۔

[۲]۔ جامع السعادات ۳/۳۲۷۔

[۳] تذکرہ الحقائق ص ۱۸۔

۱۔ خوف سے پڑھی جانے والی نماز:

ایک صحرائی عرب مسجد نبوی میں آیا اس وقت امیر المومنین علیہ السلام مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اس عرب نے بہت جلدی سے نماز ادا کی، قرائت اور ارکان نماز کا کچھ خیال نہ کیا، نماز مکمل کرنے کے بعد وہ صحرائی عرب مسجد سے جانے لگا تو امام علی علیہ السلام نے اُسے بلا کر کہا کہ دوبارہ نماز ادا کرو، تم نے جو نماز پڑھی ہے یہ درست نہیں ہے۔

عرب نے دوبارہ بڑے ادب کے ساتھ نماز ادا کی جس میں اُس نے قرات اور ارکان نماز کا خیال رکھا۔

جیسے ہی اس نے نماز ختم کی تو امیر المومنین علیہ السلام نے اس سے فرمایا اے عرب یہ جو تو نے اب نماز پڑھی کیا یہ پہلی نماز سے بہتر نہ تھی؟

عرب نے کہا: ''امیر المومنین! مجھے خدا کی قسم میں نے جو پہلے نماز ادا کی وہ خوف خدا کی وجہ سے ادا کی اور جو دوسری نماز پڑھی تو آپؑ کے تازیانے کے خوف سے ادا کی۔

جب آپ نے یہ سنا تو مسکرانے لگے۔[1]

۲۔ حضرت علیؑ کی نماز:

جب بھی نماز کا وقت ہوتا امیر المومنین علیہ السلام کی حالت متغیر ہو جاتی اور ان کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا تھا، آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپؑ کا چہرہ کیوں مضطرب ہو جاتا ہے اور آپ کے بدن پر رعشہ طاری کیوں ہو جاتا ہے؟

آپ نے فرمایا: اس امانت کی ادائیگی کا وقت آجاتا ہے جس کا بوجھ زمین و آسمان اور پہاڑ برداشت نہ کر سکے تھے۔

جنگ صفین میں آپ کے پاؤں میں تیر لگا، جراح نے نکالنے کی کوشش کی تو آپ کو سخت تکلیف ہوئی، جراح نے امام حسن مجتبٰی سے کہا کہ آپؑ کے والد ماجد تیر نہیں نکالنے دیتے اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر یہی تیر پیوست رہا تو زخم زیادہ خراب ہو جائے گا۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: ''کچھ دیر صبر کرو جب میرے والد نماز میں مصروف ہوں تو تم تیر نکال لینا۔

امیر المومنین جیسے ہی نماز میں مشغول ہوئے جراح نے چیرا دے کر تیر نکال لیا اور آپ نے اُف تک نہ کی۔

نماز کے بعد آپ نے دیکھا کہ مصلیٰ خون سے رنگین ہے تو آپؑ نے پوچھا کہ یہ خون کیسا ہے؟

آپ کو بتایا گیا کہ جراح نے آپ کی ران سے تیر نکالا ہے۔

آپؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے غلام حضرت قنبرؓ سے آپؑ کے زہد و تقویٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: ''تفصیل سے بتاؤں یا اختصار سے کام لوں؟

[1] لطائف الطوائف ص ۱۳۰۔

کہا گیا کہ اختصار سے کام لو۔

یہ سن کر حضرت قنبر نے کہا: ''میرے مولا کے زہدوتقویٰ کے لئے یہی بات کافی ہے کہ میں نے رات کو ان کے لئے کبھی بستر نہیں بچھایا تھا اور دن کو اُن کے سامنے کھانا کبھی پیش نہیں کیا۔[1]

۳۔ تارک الصلوٰۃ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کسی نیک عمل کی نصیحت فرمائیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ''جان بوجھ کر نماز ترک نہ کرنا کیونکہ جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والا ملت اسلام سے بیزار ہے''۔

مسعدہ بن صدقہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا: ''مولا! اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم زانی کو کافر کا نام نہیں دیتے اور تارک الصلوٰۃ کو کافر کہتے ہیں، اس بات کی کیا وجہ ہے؟۔

امام عالی مقام نے فرمایا: ''زانی اور اس جیسا کوئی اور شخص جب بدکاری کرتا ہے تو وہ جذبہ شہوت سے مغلوب ہو کر ایسا کرتا ہے مگر تاریک الصلوٰۃ جب نماز کو ترک کرتا ہے تو وہ اسے حقیر سمجھ کر ایسا کرتا ہے،

جب بھی کسی زانی کا عورت سے آمنا سامنا ہوتا ہے تو وہ لذت محسوس کرتا ہے لیکن جب تارک الصلوۃ نماز کو ترک کرتا ہے تو اسے کسی طرح کی لذت محسوس نہیں ہوتی، جب تم تارک الصلوٰۃ سے لذت نفی کرو گے تو باقی نماز کو حقیر سمجھنا رہ جائے گا، اور جہاں ذہن میں نماز کو حقیر سمجھنے کا خیال آ جائے تو اس وقت کفر لازم آ جاتا ہے۔[2]

۴۔ کسی کی نمازیں دیکھ کر اس سے دھوکہ کھانا:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک صحرائی عرب مسجد میں آیا اور اس نے ایک شخص کو دیکھا جو انتہائی خضوع وخشوع سے نماز میں مشغول تھا، وہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے نمازی سے کہا کہ تم نماز بہت اچھی پڑھتے ہو اس نمازی نے کہا: ''میں صرف نماز ہی اچھی نہیں پڑھتا بلکہ میں روزہ دار بھی ہوں اور تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ روزہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے نماز کا دوگنا ثواب ملتا ہے۔

صحرائی عرب بے حد اس سے بے حد متاثر ہوا اور اس سے درخواست کی کہ پھر تھوڑی دیر کے لئے میرے اونٹ کا خیال رکھیں تا کہ میں تھوڑا سا کام کرلوں اور پھر واپس آ جاؤں گا۔

---

[1] انوار نعمانیہ ص ۳۴۲۔
[2] وافی ۲/۱۳۔

اس نے اونٹ کونمازی کے حوالے کیااورخودکام کاج کرنے کے لئے چلا گیا،نمازی کوجیسے ہی موقع ملاتو اس نے اس صحرائی کا اونٹ چرالیا، جب وہ صحرائی عرب واپس آیا تو اُسے نہ تو وہ نمازی دکھائی دیا اور نہ ہی وہ اونٹ دکھائی دیا،اس نے بڑا اتلاش کیالیکن اسے کوئی فائدہ نہ ہوا،اس وقت اس نے چنداشعار پڑھےجن کا ترجمہ یہ ہے۔''اس کی نماز مجھے اچھی لگی اوراس کے روزے نے بھی مجھے اپنی طرف جذب کرلیا تھااورایسی نمازاورروزہ کا کیافائدہ جس کے ساتھ انسان دوسرے کا اونٹ چوری کرلے''۔ [۱]

۵۔ نمازجمعہ:

ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں قحط سالی کی سی فضا ہوگئی جس میں خوراک کی انتہائی شدیدقلت ہوگئی تھی۔

مدینہ والوں کوانتظارتھا کہ شام سے تاجرمدینہ میں آئیں گےتو اُن سے غذائی اجناس خریدیں گے۔

اتفاق سے جمعہ کا دن تھااوررسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ جمعہ دینے میں مصروف تھے،ایک تاجر مدینہ شہر میں آیا اور اس کے نمائندوں نےطبل بجائے،لوگ آٹا،گندم لینے کے لئے کاروان سرائے کی طرف دوڑ پڑے۔

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آٹھ یازیادہ سے زیادہ چالیس مسلمان باقی رہ گئے،باقی سب کےسب آٹا،گندم اوراجناس لینے کے لئے دوڑ پڑے تھے۔

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت ارشادفرمایا:''اگر یہ لوگ بھی مسجد سے چلے جاتے تو اللہ تعالیٰ کاغضب اس پورے علاقے پرنازل ہوتااورمدینہ کا پوراشہرتباہ وبربادہوجاتا۔

ایک اورروایت میں ہے کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ بھی مسجد میں باقی نہ رہتے تو آسمان سے پتھروں کی بارش ہوتی،پھراللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

اور جب انہوں نے تجارت یا کھیل تماشا ہوتے دیکھ لیا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اورآپ کوکھڑے چھوڑ دیا، کہہ دیجئے: جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اورتجارت سے کہیں زیادہ ہے اوراللہ بہترین رزق دینے والا ہے''۔ [۲]

[۱] لئالی الاخبار ۴/۶۲۔

[۲] داستانھاوپندھا ۹/۳ ۔تفسیر نورالثقلین ۵/۳۲۹۔

باب نمبر 92

نفرین/ بددعا دینا

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ[1]

ایسے لوگوں پر اللہ اور دیگر لعنت کرنے والے سب لعنت کرتے ہیں۔

"من ابی عبداللہ علیہ السلام یقول المنجم ملعون الکاھن ملعون والساحر ملعون والمغنیۃ ملعونۃ من اواھا واکل کسبھا ملعون"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کہ منجم ملعون ہے، کاہن ملعون ہے، جادوگر ملعون ہے، گانے بجانے والی عورت ملعونہ ہے جو اسے پناہ دے اور اس کی کمائی کھائے وہ ملعون ہے کیونکہ منجم کاہن کی مانند ہوتا ہے اور کاہن جادوگر کی مانند ہوتا ہے جادوگر کافر کی مانند ہوتا ہے اور کافر دوزخی ہے۔[2]

مختصر تشریح:

اگر کسی کو پیغمبر اکرم اور آئمہ ہدی بددعا دیں یا اس پر لعنت کریں تو وہ شخص سو فیصد لعنت کے قابل ہوتا ہے۔

اگر کوئی بندہ چاہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کی وجہ سے یا تہمت کی وجہ سے یا اپنے قانونی اور شرعی حق سے جو اسے محروم کرے تو وہ اس پر لعنت کرے تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے، لیکن تا حد امکان انسان کو چاہیے کہ اپنے مجرم کو معاف کر دے اور اللہ تعالی سے دعا کرے کہ اس کے مجرم کو ہدایت دے۔

اگر کوئی شخص غلطی سے ایسے انسان پر لعنت کرے جو لعنت کے قابل نہ ہو تو لعنت واپس لوٹ آتی ہے اور لعنت کرنے والے کے اوپر ہی برستی ہے۔

ہر جگہ بھی لعنت نہیں دی جا سکتی مثلاً ایک شخص چل رہا ہے اور کسی پتھر سے اس کا پاؤں ٹکرایا جس کی وجہ سے وہ گر گیا پھر اُسے

---

[1] بقرہ ۱۵۹۔

[2] الخصال شیخ صدوق جلد اول ۲۶۷۔

درد محسوس ہوا اس صورت میں پتھر کو نہ تو بددعا دی جاسکتی ہے نہ ہی اس پر لعنت کی جاسکتی ہے۔
کیونکہ اس میں پتھر کا کوئی قصور نہیں ہے اگر کوئی شخص اس بے قصور پتھر کو لعنت دے گا تو وہ لعنت خود اس شخص پر پلٹ آئے گی۔

ا۔ بددعا کی بجائے دعا دینے والے:

ابراہیم اطروش بیان کرتے ہیں کہ ہم معروف کرخی کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے تو ہم نے دیکھا کہ کچھ نوجوان لڑکے ایک کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ محو رقص تھے اور موسیقی کے ساتھ ساتھ وہ شراب نوشی بھی کر رہے تھے، معروف کرخی کے کچھ دوستوں نے اس سے کہا کہ وہ اُن کے لئے بددعا کریں۔
معروف نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور کہا: ''پروردگار! تو نے انہیں جس طرح دنیا میں خوشیاں نصیب فرمائی ہیں ان کو آخرت میں بھی خوشیاں عطا فرما''۔
دوستوں نے کہا کہ عجیب بات ہے ہم نے اس سے کہا کہ اُن کے لئے بددعا کریں لیکن اس نے بددعا کرنے کی بجائے اُن کو دعا دی۔
معروف کرخی کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبول کر لیا تو آخرت میں انہیں خوشیاں دے گا تو دنیا میں ان کے لئے توبہ کے بھی وسائل پیدا کر دے گا۔[1]

۲۔ عبیداللہ بن زیاد:

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد شکستہ دلوں مظلوموں، مصیبت زدوں اور آل محمدؐ کی بیوہ خواتین اور یتیم بچوں نے پانچ سالوں تک سوگواری اور مراسم عزاداری قائم کئے، منقول ہے کہ آپؑ کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی کسی خاتون نے آنکھوں میں سرمہ نہیں لگایا اور نہ ہی مہندی اور خضاب لگایا، اور بنی ہاشم کے باورچی خانوں سے دھواں بلند نہیں ہوا یہاں تک کہ پانچ سال کے بعد عبیداللہ بن زیاد ابراہیم بن مالک اشتر کے ہاتھوں مارا گیا، اور عجائبات میں سے یہ بات ہے کہ اس کے قتل کا دن بھی عاشورہ محرم تھا۔
جب مختار نے اس ملعون کا منحوس سر حضرت علیؑ بن حسین کی خدمت میں بھیجا تو اس وقت آپؑ کھانا تناول فرما رہے تھے تو آپؑ سجدہ شکر بجا لائے، اور فرمایا کہ ہمیں جس دن ابن زیادہ کے پاس لے جایا گیا تو یہ ملعون کھانا کھا رہا تھا تو میں نے اپنے خدا سے یہ دعا کی میں اس وقت تک دنیا سے نہ جاؤں جب تک میں اس کے سر کو اپنے دسترخوان کی محفل میں نہ دیکھ لوں، جیسا کہ میرے والد بزرگوار کا سر اس کے سامنے تھا اور یہ کھانا کھا رہا تھا، خدا مختار کو جزائے خیر دے کہ اس نے ہمارا انتقام لیا اور آپ نے اپنے سب اصحاب

[1] شنیدنھائی تاریخ ص ۳۹۳۔ محجتہ البیضاء ۲۶۸/۷۔

سے فرمایا کہ تم سب خدا کا شکر کرو۔

منقول ہے کہ حضرت کی بارگاہ میں ایک نے عرض کیا کہ آج ہمارے کھانے میں حلوہ اور میٹھی چیز کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا آج ہماری عورتیں خوشی اور مسرت میں مشغول تھیں اور پھر کون سا حلوہ زیادہ میٹھا ہے ہمارے دشمنوں کے سروں کی طرف دیکھنے دے؟[1]

۳۔ حام بن نوح:

حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں اپنی اولاد اور مومنین کے ساتھ سوار ہوئے کشتی چل رہی تھی حضرت نوح علیہ السلام پر نیند کا غلبہ ہونے لگا آپؑ سو گئے۔

آپؑ نے ایک تہہ بند باندھا ہوا تھا جیسے ہی ہوا چلی تو وہ تہہ بند ہٹ گیا اور آپؑ ننگے ہو گئے۔

آپ کا فرزند سام اُٹھا اس نے اپنے والد کا کپڑا ابنایا۔

حام نے اپنے بھائی سام سے کہا کہ تمہیں کیا ضرورت تھی کپڑا بنانے کی یہ کہا کہ اور کپڑا ہٹا دیا، کچھ لوگ یہ دیکھ کر ہنسنے لگے، سام نے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تا کہ لوگ والد کی شرمگاہ کو دیکھیں اور ہنسیں۔

حام نے جواب دیا کہ میں نے بھی یہ کام اسی نیت سے کیا تھا، حام اور سام آپس میں گفتگو کر رہے اور اُن کی آواز کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام بیدار ہو گئے اور نزاع کی وجہ دریافت کی۔

انہوں نے اس نزاع کی وجہ بتائی۔

حضرت نوح علیہ السلام حام کے اس عمل سے سخت ناراض ہوئے، آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپؑ نے حام کو بددعا دی اور کہا کہ پروردگار! حام اور اس کے بچوں کو سیاہ بنادے اور اس کے بچوں کو سام کے بچوں کا خدمت گزار بنادے۔

حام یہ سن کر کشتی کے دوسرے کنارے پر جا کر ہنسنے لگا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو کچھ میرے والد نے کہی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی جس کے نتیجے میں حام کی اولاد سیاہ فام ہوگئی اور آج تک وہ سام کی اولاد کی خدمت کر رہی ہے۔[2]

۴۔ حرملہ کا انجام:

منہال بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ سے حج کے لئے گیا اور اس کے بعد امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا

---

[1] تتمۃ المنتہی ص ۶۲۔

[2] جامع النورین ص ۱۸۸۔

اورامام علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: ''یہ بتاؤ میرے چھ ماہ کے بھائی علی اصغر کا قاتل حرملہ بن کاہل زندہ ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں مولا! وہ کوفہ میں ابھی تک زندہ ہے، اس کے بعد امام عالی مقام نے بددعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا: ''پروردگار! اسے آگ اور لوہے کا مزہ اس دنیا میں چکھادے''۔

منھال کہتا ہے کہ جب میں کوفہ واپس آیا تو میں مختار کے پاس اس سے ملنے کے لئے گیا، مختار نے گھوڑا منگوایا اس پر سوار ہوئے اور مجھے بھی اپنے ساتھ سوار کیا، ہم کوفہ شہر کے باہر مقام کناسہ پر گئے، کچھ دیر کے لئے وہاں پر مختار چپ کر کے کھڑے رہے، یوں دکھائی دیتا تھا جیسے انہیں کسی چیز کا انتظار ہو، اچانک میں نے دیکھا کہ مختار کے فوجی حرملہ کو گرفتار کر کے مختار کے پاس لائے۔

مختار نے اللہ تعالیٰ کی حمد بجائی اور حکم دیا کہ اس ملعون کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسے آگ میں جلادو۔

جب میں نے سنا تو میں نے سبحان اللہ کہا، مختار مجھ سے کہنے لگے کہ تو نے اللہ کی تسبیح کیوں ادا کی؟

میں نے اس کے سامنے امام سجاد علیہ السلام کی بددعا کا سارا واقعہ نقل کیا اور میں نے کہا کہ امام علیہ السلام کی بددعا موثر ثابت ہوئی ہے اس لئے میں نے خدا کی تسبیح بجالائی۔

مختار اپنے گھوڑے سے نیچے اُترے اور دو رکعت نماز طولانی ادا کی اور طویل سجدہ شکر ادا کیا۔

ہم واپس آئے تو جب ہم گھر کے قریب آئے تو میں نے مختار کو دعوت طعام دی اور کہا کہ میرے غریب خانہ پر آئیں اور میرے ساتھ کھانا کھائیں، مختار نے کہا: ''منھال! تو نے مجھے خود ہی تو خبر دی ہے کہ امام علیہ السلام نے اس لعین کے حق میں بددعا کی تھی اور وہ بددعا میرے ہاتھوں پوری ہوئی ہے اور جیسے ہی تو نے مجھے یہ خبر دی تو میں نے روزے کی نیت کر لی اور اب مجھے کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔[1]

۵۔ رحمۃ للعالمین:

تیئس برس تک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو ہدایت کی، آپؐ کے اوپر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے آپؐ کو روحانی اور جسمانی اذیتیں دی گئیں، جنگ احد میں آپؐ کے دندان مبارک زخمی ہوئے اور آپؐ کا چہرہ مقدس زخمی ہوا۔

آپؐ کے اصحاب نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپؐ ان کے لئے بددعا کریں''۔

آپؐ نے فرمایا: ''میں بددعا کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ میں مبعوث بہ رحمت ہوا ہوں''۔

پھر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور کہا: ''پروردگار! ان لوگوں کو ہدایت دے ان لوگوں کو کوئی علم نہیں ہے۔[2]

---

[1] منتھی الامال ۱/۴۵۔

[2] سفینۃ البحار ۱/۴۱۲۔

باب نمبر 93

نفس

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى[1]

اور جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اور نفس کی خواہشات سے روکتا ہے اس کا ٹھکانہ یقینا جنت ہے''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''طوبی لعبد جاھد نفسه وھواہ''[2]

خوشخبری ہے ایسے شخص کے لئے جو اپنے نفس اور خواہشات سے جہاد کرتا ہے۔

مختصر تشریح:

انسان دو چیزوں نفس (روح) اور تن سے تشکیل پاتا ہے نفس سوار ہے اور جسم اس کا خدمت گزار ہے۔

اگر کسی شخص کے اندر نفس مطمئنہ پایا جائے تو وہ برائی کا حکم نہیں دیتا، اگر کسی شخص کے اندر نفس امارہ ہو تو وہ ہمیشہ برائی کا حکم دیتا رہتا ہے، اگر اس کے بس میں ہو تو وہ حرص وحسد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اور اگر اس میں درندگی پیدا ہو جائے تو وہ اپنی خواہشات نفس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔

انسان نفس کی مہار کو اپنے ہاتھ میں تھام سکتا ہے، اگر کوئی شخص اپنے نفس کی مہار کو قابو میں کر لے تو وہ کبھی بھی شیطان کے دام میں نہیں پھنس سکتا، اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے نفس کے اوپر کنٹرول کرے، اپنی نیت اور افکار کے متعلق مثبت انداز میں سوچے یاد رکھیں نفس ایک اژدھا ہے اگر یہ بے قابو ہو گیا تو وہ اپنے مالک کو نگل لے گا۔

---

[1] النازعات ۴۰۔

[2] سفینۃ البحار ۲/۶۰۳۔

ا۔ اژدھائے نفس:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص سپیرا تھا اور وہ سانپ پکڑ کر لوگوں کو دکھاتا تھا جس کے بدلے لوگ اُسے کچھ نہ کچھ رقم دیتے تھے، ایک دفعہ وہ کوہستان میں گیا تاکہ بہت بڑا سانپ پکڑے اور لوگوں کو دکھائے تاکہ لوگ اُسے زیادہ سے زیادہ پیسے دیں، سخت موسم اور کافی دشواری کے بعد اُسے پہاڑ کے دامن میں بہت بڑا اژدھا نظر آیا، اس وقت سردیوں کا موسم تھا جس کی وجہ سے وہ اژدھا افسردہ تھا اور اس کے ساتھ بے حرکت تھا۔

اُس سپیرے نے اُسے پکڑا اور اپنے ہاں لے آیا، کچھ دنوں کے بعد وہ اُسے شہر میں لے آیا، اس کا سانپ دیکھنے کے لئے لوگ دجلہ کے کنارے جمع ہو گئے اُسے دیکھنے کے لئے لوگوں کا رش سا لگ گیا، اور زیادہ لوگ ہونے کی وجہ سے گرمی ہوئی پھر جیسے ہی اس سپیرے نے اپنی پٹاری کھولی تو اچانک اس سانپ میں جنبش پیدا ہوئی اور وہ پٹاری سے باہر نکلا، اس نے سپیرے پر حملہ کیا اور اس کے ڈسنے کی وجہ سے وہ وہیں مر گیا اور باقی لوگ بھی خوف کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اے بھائی! غفلت اختیار نہ کر، آپ کا نفس بھی اژدھا ہے اگر اس اژدھا کو حرکت مل گئی تو وہ آپ کی زندگی کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اس کا حل یہی ہے کہ اس اژدھا کا سر کچل دیں اور اپنی خواہشات نفسانی کی مخالفت کریں، جب تک آپ اپنے نفس امارہ کے قبضے میں رہیں گے تو یہ اژدھا آپ کو ہمیشہ کاٹتا رہے گا۔[1]

۲۔ شیراز کا آب لیموں:

شیخ عبدالحسین خوانساری بیان کرتے ہیں کہ کربلا معلیٰ میں ایک مشہور و معروف دوافروش تھا، وہ بیمار ہو گیا اور اس کی بیماری کی وجہ سے اُس کے گھر کے تمام اثاثے تک فروخت ہو گئے، لیکن اُسے شفا نصیب نہ ہوئی اور تمام طبیب ناامیدی کا اظہار کر چکے تھے ایک دن میں اس کی عیادت کو گیا میں نے دیکھا کہ وہ انتہائی برے حال میں تھا۔

اور اپنے بیٹے سے کہہ رہا تھا کہ میرے گھر میں اب جو کچھ بھی ہے تمام کو بازار میں جا کر فروخت کر دو، اور اگر میں زندہ رہا تو اس دولت سے کچھ فائدہ حاصل کروں گا ورنہ وہ دولت تمہارے تصرف میں آ جائے گی۔

میں نے اس سے کہا کہ آپ یہ کیسی ناامیدی والی باتیں کر رہے ہیں؟ اس نے ایک آہ سرد بھری کہنے لگا کہ میرے پاس بہت زیادہ دولت تھی اور وہ دولت میں نے بہت ہی غلط طریقے سے کمائی تھی کہ ایک سال کربلا میں ایک موذی مرض نے حملہ کیا اور اس وقت تمام ڈاکٹروں نے کہا کہ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ اس بیماری میں مبتلا افراد کو صرف اور صرف شیراز کا آب لیموں پلایا جائے، جس کی وجہ سے شیراز کا آب لیموں انتہائی مہنگا ہو گیا بلکہ ناپید ہو گیا اس وقت کہ میرے پاس تھوڑا سا شیراز کا آب لیموں موجود

---

[1] داستانھای مثنوی ۳/۷۲۔

تھا اور میں اس میں پانی ملاتا رہا اور عام آب لیموں کو شیراز کا آب لیموں ظاہر کر کے فروخت کرنے لگا۔

جس کی وجہ سے پورے کربلا میں میری دکان مشہور ہوگئی اور اس کے بعد میرے پاس بہت زیادہ دولت آ گئی، اور اب میں خود ایک عرصہ سے بیمار ہوں اور جو کچھ میرے پاس موجود تھا وہ سب کا سب میں نے علاج کی غرض سے بیچ دیا ہے اور اب تک مجھے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، اور اب میں یہی سوچ رہا ہوں کہ اس نقلی آب لیموں کی وجہ سے جو میں نے دولت حاصل کی تھی اس سے خریدی گئی ہر چیز کو فروخت کر دوں تا کہ اس دولت سے چھٹکارہ حاصل کرسکوں۔[1]

۳۔ بہترین اور بدترین:

حضرت لقمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر انسان تھے، وہ زندگی کے ابتدائی ایام میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کے پاس غلام تھے۔

ایک دن اُن کے مالک نے ایک دنبہ اُن کے سپرد کیا اور کہا کہ جاؤ یہ دنبہ ذبح کرو اور اس کے جو بہترین اعضاء ہوں وہ میرے پاس لاؤ، لقمانؑ نے دنبہ کو ذبح کیا اور اس کے دل اور زبان کو مالک کے پاس لے گیا۔

کچھ دنوں کے بعد دوبارہ حضرت لقمان کے مالک نے ایک اور دنبہ اُن کے سپرد کیا اور کہا کہ جاؤ یہ دنبہ ذبح کرو اور اس کے جو بدترین اعضاء ہوں وہ میرے پاس لاؤ، لقمانؑ نے دنبہ ذبح کیا اور اس کے دل وزبان کو نکال کر مالک کے پاس لے گیا۔

مالک نے کہا کہ تم بھی عجیب کام کرتے ہو جب میں نے کہا کہ بہترین اعضاء لاؤ تو تم دل اور زبان لائے تھے اور اب جب کہ میں نے کہا کہ اس کے جسم سے بدترین اعضاء لاؤ تو تم پھر بھی دل اور زبان لائے ہو، تو حضرت لقمان نے کہا کہ میں نے دونوں مرتبہ صحیح عمل کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دل اور زبان ایک دوسرے کی موافقت کریں تو اُن جیسا کوئی بہترین عضو نہیں ہے اور اگر یہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو اُن جیسا کوئی بدترین عضو نہیں ہے۔

مالک کو لقمان کی یہ بات بہت پسند آئی اور اُس نے لقمان کو غلامی سے آزاد کر دیا۔[2]

۴۔ ابوخیثمہ:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی مالک بن قیس تھے جو ''ابوخیثمہ'' کی کنیت سے مشہور تھے انہوں نے رسول خدا کے ساتھ بہت سے غزوات میں شرکت کی تھی لیکن وہ جنگ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے اور چند لوگوں کی طرح وہ بھی گھر میں بیٹھ گئے تھے، موسم گرما کی شدید گرمی کے وقت وہ اپنے گھر سے باہر اپنے باغ کی طرف گئے جہاں اُن کے لئے سائبان بنا ہوا

---

[1] منتخب التواریخ ص ۸۱۳۔
[2] طرایق الحقائق ۱/۳۳۶۔

تھااور پانی کے ساتھ ٹھنڈا کر دیا گیا تھا، جیسے ہی وہ اُس ٹھنڈی جگہ پر پہنچے تو آپنے آپ سے کہنے لگے، ابوخیثمہ تو اس ٹھنڈی جگہ پر بیٹھ کر عیش و آرام میں مصروف ہے جبکہ رسول خداؐ اس وقت سفر کی گرمیاں جھیل رہے ہیں یہ سوچا اور وسائل سفر آمادہ کئے، اونٹ پر سوار ہو کر تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔

عمیر بن وہب بھی اس سفر میں اُن کے ساتھ تھا، انہوں نے دور سے آنحضرتؐ کی فوج اور آپؐ کے خیمے کو دیکھا تو ابوخیثمہ نے عمیر بن وہب سے کہا کہ آپؓ میرے ساتھ رسول خدا کے پاس نہ چلیں میں اکیلا جا کر اپنے لئے معذرت خواہی کروں گا۔

کسی نے حضور اکرمؐ سے کہا کہ کوئی دور سے آتا ہوا دکھائی دے رہا ہے تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ خدا کرے کہ یہ ابو خیثمہ ہی ہو۔

جب وہ نزدیک پہنچے تو اپنے اونٹ کو لٹایا اور اس کے زانو باندھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آنحضرت سے اپنی تقصیر کی معافی طلب کی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ میں نے بھی تمہارے لئے پروردگار سے دعا مانگی تھی۔[1]

۵۔ ہدایت کے لئے آمادہ نفس:

اعلیٰ ترین رتبہ حاصل کرنا ہر شخص کے مقدر میں نہیں ہوتا، الٰہی توفیقات چند خواص کو ہی نصیب ہوتی ہیں، ایسے خواص میں ابو حمزہ ثمالی بھی شامل ہوتے ہیں جن پر امام چہارم حضرت زین العابدین نے خصوصی شفقت کی تھی، امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے فرمایا تھا، اے ابوحمزہ ثمالی! میں جب بھی تجھے دیکھتا ہوں تو مجھے آرام وسکون ملتا ہے''۔

یہ شخص اپنا زیادہ تر وقت مسجد کوفہ میں بسر کرتا تھا اور ابوحمزہ ثمالی اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد کوفہ کے ساتویں ستون پر بیٹھا ہوا تھا اور میں نے دیکھا کہ ایک عرب مسجد میں باب کندہ کی طرف سے داخل ہوا میں نے اس سے زیادہ خوبصورت اور خوشبودار جسم رکھنے والا کسی کو نہ دیکھا، انہوں نے بہت خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا اور انہوں نے بہترین عمامہ زیب سر کیا ہوا تھا، انہوں نے آ کر دو رکعت نماز ادا کی، نماز میں انہوں نے اس انداز سے تکبیرۃ الاحرام ادا کی جس سے میرے بدن پر موجود تمام بال کھڑے ہو گئے اور میں اُن کے لہجے کا عاشق ہو گیا میں اُن کے اور قریب ہو گیا، دو رکعت نماز کے بعد انہوں نے دعا مانگی اور اس کے بعد انہوں نے چار رکعت نماز ادا کی، نماز ادا کرنے کے بعد وہ مسجد سے باہر آئے میں بھی اُن کے پیچھے چل پڑا یہاں تک کہ وہ شہر کوفہ سے باہر آئے۔

اور شہر کے باہر اُن کے ایک غلام نے ان کے لئے ایک اونٹ آمادہ کیا ہوا تھا۔

میں نے غلام سے پوچھا کہ یہ بزرگوار کون ہیں؟

غلام نے جواب دیا کہ یہ علی ابن الحسین علیہ السلام ہیں، ابوحمزہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے میں نے امام علیہ السلام کی زیارت

---

[1] پیغمبر و یاران ۵/۲۱۰۔ سیرہ ابن ہشام ۴/۱۶۳۔

نہیں کی تھی جب میں نے پہلی بار امام علیہ السلام کی زیارت کی تو میں نے امام علیہ السلام کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیا۔

امام علیہ السلام نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ کھڑے ہوجاؤ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں۔

اس کے بعد ابوحمزہ امام زین العابدین علیہ السلام کے اصحاب خاص میں شامل ہو گئے وہ امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مسلسل فیض حاصل کرتے رہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ابوحمزہ ثمالی اپنے زمانے کے لقمان تھے کیونکہ اس نے ہم میں سے چار آئمہ کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا تھا۔[1]

[1] شاگردان مکتب ائمہ ۱/۱۰۰۔

باب نمبر 94

ولایت

قرآن مجید میں ارشادباری تعالیٰ ہوتا ہے:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ [۱]

اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ کافروں کو سرپرست نہ بنائیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشادفرمایا:

"ولایۃ علی علیہ السلام مکتوبۃ فی صحف جمیع الانبیاء" [۲]

جملہ انبیاء کے صحیفوں میں اللہ نے ولایت علی کو فرض قرار دیا ہے۔

مختصر تشریح:

خلقت کے پہلے ہی دن سے اللہ تعالیٰ نے مقام خلافت الٰہی کو خصوصی اہمیت دی تھی تاکہ مخلوق خدا بغیر ہادی اور رہبر کے نہ رہے۔

دور حاضر حضرت ولی عصرؑ کی ولایت کا دور ہے آپ خدا کی صفات اور اسماء کا جامع مظہر ہیں۔

جو شخص آپؑ کے فرمان سے انحراف کرتا ہے تو وہ خدا کے غضب کا حقدار بنتا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلسل اپنی اُمت کو ولایت امیرالمومنین اور ائمہ ہدیٰ کی اطاعت کرنے کی دعوت دی تھی۔

ہمارا زمانہ امام زمانہؑ کی نگاہ شفقت کا زمانہ ہے لہذا ہمیں ہر وقت امام زمانہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور ہمیں مشکلات میں امام زمانہ سے متوسل ہونا چاہیے۔

ا۔ سیاہ فام غلام کی محبت:

ایک دفعہ ایک سیاہ فام غلام کو چوری کے جرم میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

---

[۱] سورۃ آل عمران آیت ۲۸۔

[۲] حجۃ البیضاء ۲/۶۹۱۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ''اے سیاہ فام کیا تونے چوری کی ہے، اس غلام نے عرض کی: ''جی ہاں امیرالمومنین!

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اس سے دوبارہ پوچھا کہ کیا تو جانتا ہے کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے کیا واقعی تو نے چوری کی ہے؟''

اس نے پھرعرض کیا: ''جی ہاں امیرالمومنین''

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پھراس سے پوچھا تو اس نے تیسری بار بھی چوری کا اعتراف کیا۔

اس کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیاں کاٹ دیں۔

وہ سیاہ فام غلام اپنی کٹی ہوئی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں لئے باہراس حالت میں آیا کہ اس کے ہاتھ سے خون جاری تھا۔

عبداللہ بن الکوا جو کہ انتہائی منافق ترین شخص تھا وہ وہاں پر آیا اور اس غلام سے پوچھا کہ تیرے ہاتھ کی انگلیاں کس نے قلم کی ہیں؟۔

اس سیاہ فام غلام نے جواب دیا کہ چوری کے جرم میں میرا ہاتھ شاہ ولایت امیرالمومنین، متقین کے رہبر میرے اور مومنوں کے مولا اور رسول اللہ کے وصی نے قطع کیا ہے۔

ابن الکواء نے اس غلام سے کہا: ''اس نے تیرا ہاتھ قطع کیا اور تو اس کی تعریفیں کیوں کررہا ہے؟۔

اس غلام نے کہا کہ میں کیوں نہ اس کی مدح سرائی کروں جس کی دوستی میرے خون اور گوشت میں رچی ہوئی ہے، حضرت نے حق کا فیصلہ کرتے ہوئے میرا ہاتھ قطع کیا۔

اس کے بعد ابن الکوا امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور اس نے غلام کی ساری گفتگو نقل کی۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھ سے محبت کرنے والے ایسے ہیں کہ اگرچہ میں اُن کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کردوں تو بھی وہ میری شان میں گستاخی نہیں کریں گے، اور میرے دشمن ایسے ہیں میں چاہے اُن کو شہد بھی کھلاؤں تو پھر بھی وہ میرے دشمن ہی رہیں گے''۔

اس کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے حضرت امام حسنؑ سے فرمایا: ''جلدی سے اس سیاہ فام غلام کو یہاں لے آؤ، چنانچہ امام حسن علیہ السلام کے ساتھ وہ غلام پھر آپؑ کے خدمت میں حاضر ہوا، آپؑ نے اس غلام سے فرمایا: ''میں نے تو تیرا ہاتھ قطع کیا ہے تو پھر بھی میری تعریفیں کررہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟۔

اس غلام نے کہا: ''مولا! میں کیوں نہ آپؑ کی مدح سرائی کروں جب کہ آپ کی مدح تو خود اللہ پاک بھی کرتا ہے''۔

پھر آپ نے اس سے کہا کہ وہ کٹی انگلیاں دوبارا اپنے ہاتھ پر جوڑے اور پھر آپ نے اس کے ہاتھ پر چادر ڈالی اور سورہ الحمد

کی تلاوت کی اوراس سیاہ فام غلام کا ہاتھ معجزہ امامت سے دوبارہ صحیح وسالم ہوگیا۔[1]

۲۔ آل محمدؐ اپنے محبوں سے کیسا سلوک کرتے ہیں:

سفیان بن مصعب عبدی شاعر آل محمدؐ تھے، ان کی رہائش کوفہ میں تھی ان ہی کے ایمان پرور اشعار کے متعلق امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”اے گروہ شیعہ! اپنی اولاد کو عبدی کے اشعار کی تعلیم دو بے شک وہ اللہ کے دین پر ہے“۔

صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں کہ عبدی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری بیوی نے مجھ سے کہا: کافی مدت ہوئی ہے ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت سے محروم ہیں، بہتر ہوگا کہ امسال ہم حج پر جائیں اور حج سے واپسی پر امام عالی مقام کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرلیں گے اور یوں اُن سے تجدید عہد بھی ہوجائے گی۔

میں نے کہا: خدا گواہ ہے کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور اخراجات کے لئے میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے“۔

میری بیوی نے مجھ سے کہا: ”کوئی حرج نہیں! میرے پاس کچھ لباس اور زیور موجود ہیں آپ انہیں فروخت کردیں اور حج بیت اللہ کے لئے زادراہ حاصل کریں“۔

چنانچہ میں نے بیوی کے مشورے پر عمل کیا، جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو میری بیوی انتہائی بیمار ہوگئی، مدینے سے کچھ فاصلے پر میں نے اپنی بیوی اور کنیز کو ایک جگہ بٹھایا اور خود امام علیہ السلام کی خدمت میں چلا گیا۔

اس وقت میں اپنی بیوی کی صحت سے بالکل مایوس ہو چکا تھا جب میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے سرخ رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔

میں نے آقاؑ کو سلام کیا اور آپؑ نے مجھے سلام کا جواب دیا، اور آپؑ نے مجھ سے میری بیوی کی خیریت دریافت کی، میں نے اس کی بیماری کے متعلق عرض کی اور کہا: ”جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا“۔

آپؑ سر جھکا کر کچھ دیر فکر و تامل کرتے رہے پھر آپؑ نے سربلند فرمایا اور کہا: ”اپنی بیوی کی بیماری سے غمگین ہو؟“

میں نے عرض کی: ”جی ہاں“۔

آپ نے فرمایا: ”غمگین نہ ہو وہ ٹھیک ہوجائے گی میں نے اللہ سے اس کی صحت یابی کے لئے دعا مانگی ہے، جب تم واپس جاؤ گے تو وہ تمہیں تندرست نظر آئے گی اور ”طبرزد“ (ایک مخصوص قسم کی شکر) کھارہی ہوگی“۔

میں بڑی جلدی سے واپس آیا تو دیکھا میری بیوی بالکل صحت یاب ہے اور کنیز اُسے طبرزد شکر کھلا رہی ہے۔

میں نے بیوی سے پوچھا: ”اب تمہاری صحت کیسی ہے؟“

میری بیوی نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا کی ہے اور طبرزد شکر کھانے کا مجھے شوق ہوا“۔

---

[1] تحفۃ المجالس ص ۱۱۳۔

میں نے کہا: ''جب میں تجھے یہاں چھوڑ کر گیا تھا تو تیری زندگی سے مایوس تھا، امام صادق علیہ السلام نے مجھ سے تمہارے متعلق دریافت کیا تو میں نے تمہاری بیماری کے متعلق عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جاؤ تمہاری بیوی شفایاب ہوچکی ہے اور طرز دکھا رہی ہوگی''۔

میری بیوی نے بتایا: ''واقعی جب تم یہاں سے روانہ ہوئے تھے تو چند لمحات کے ملک الموت میرے پاس آیا تھا اور میری روح قبض کرنا چاہتا تھا کہ اچانک ایک مرد اس وقت نمودار ہوا جس نے سرخ رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا اس نے آتے ہی ملک موت سے کہا: ''ملک الموت''

اس نے عرض کی: ''لبیک اے امام''

پھر انہوں نے کہا: ''کیا تجھے ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا؟''

ملک الموت نے کہا: ''جی ہاں''۔

پھر انہوں نے کہا: ''میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس کی روح قبض مت کرو، اس کی عمر مزید بیس برس بڑھا دی گئی ہے''۔

ملک الموت نے کہا: ''حضور بہتر ہے آپؑ کے فرمان پر عمل کروں گا، پھر ملک الموت چلا گیا اور میں ہوش میں آئی''۔[1]

۳۔ پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے:

محمد بن ابوحذیفہ، معاویہ کے ماموں کا بیٹا تھا لیکن وہ امیر المومنین علیہ السلام کا محب صادق تھا، حب علی کی وجہ سے معاویہ نے اسے قید کر دیا، جب اُسے قید خانے میں کافی عرصہ گزرا تو معاویہ نے دوستوں سے کہا: ''میرا خیال ہے کہ محمد بن ابو حذیفہ کو قید خانے سے نکالیں اور اس کی راہ نمائی کریں، امید ہے کہ قید نے اس کے دماغ کو ٹھنڈا کر دیا ہوگا اور اب وہ علیؑ کو سب وشتم کرنے پر آمادہ ہو چکا ہوگا''۔

ساتھیوں نے کہا: ''ہاں یہ رائے بالکل درست ہے''۔

معاویہ نے اس کے متعلق حکم دیا کہ اسے زندان سے نکال کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

جب وہ معاویہ کے پاس آیا تو معاویہ نے کہا: ''محمد! کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ تو علیؑ کی حمایت سے دست بردار ہو جائے اور اس گمراہی سے چھٹکارا پا جائے، کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ عثمان مظلوم ہو کر مارا گیا اور طلحہ وزبیر اور ام المومنینؓ نے اس کے انتقام کیلئے جنگ لڑی۔

علیؑ خفیہ طور پر عثمان کے خلاف لوگوں کو بھڑکا تا تھا اور ہم خون عثمان کا انتقام لینا چاہتے ہیں؟''۔

محمد ابن ابوحذیفہ نے کہا: ''معاویہ! تو جانتا ہے کہ میں تیرا سب سے قریبی رشتہ دار ہوں اور لوگوں سے زیادہ تجھے جانتا

---

[1] پند تاریخ ۵/۸۹۔ بحارالانوار ۱۱/۱۷۳ طبع قدیم۔

ہوں، کیا یہ بات غلط ہے؟''

معاویہ نے کہا: ''نہیں یہ بات درست ہے''۔

محمد بن ابوحذیفہ نے معاویہ سے خطاب کر کے کہا: ''میں سمجھتا ہوں کہ عثمان کے قاتل تو اور تیرے جیسے دوسرے لوگ ہیں، جنہیں دورِ عثمانی میں بڑے بڑے مناصب پر فائز کیا گیا، تم لوگوں نے ملت اسلامیہ کے مقدر کو تاریک کر دیا تھا، مہاجرین وانصار عثمانؓ کو بار بار کہتے تھے کہ وہ تجھ جیسے تمام افراد کو معزول کر دے اور طلحہ وزبیر اور ام المومنینؓ بھی مخالفین عثمان میں سے تھے اور ان کے قتل میں ان کا ایک کردار ہے۔

معاویہ! میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ تجھے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام سے جانتا ہوں، تیری ہر دور میں ایک ہی طبیعت رہی ہے اسلام کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور اس کی علامت یہ ہے کہ تو مجھے علیؑ کی محبت پر ملامت کر رہا ہے۔

معاویہ! یاد رکھ، علی کے ساتھ ''صائم النہار'' اور ''قائم اللیل'' اور مہاجرین وانصار شامل تھے اور تیرے اطراف میں بیٹھنے والے دوغلے لوگ ہیں، تو نے ان سے دین چھینا، انہوں نے تجھ سے دنیا چھینی، تو نے اب تک جو کچھ کیا ہے دل میں اسے بخوبی جانتا ہے اور تیرے ساتھی بھی اپنے کارناموں سے اچھی طرح واقف ہیں اور میں جب تک زندہ رہوں گا خدا اور رسولؐ کی رضامندی کے لئے علیؑ سے محبت کرتا رہوں گا اور تجھ سے اللہ اور رسولؐ کی رضا کے حصول کے لئے نفرت کرتا رہوں گا۔

معاویہ نے حکم دیا کہ اسے دوبارہ قید کر دیا جائے، چنانچہ اسے قید کر دیا گیا اور اس کی شہادت بھی قید خانے میں ہی ہوئی۔[1]

۴۔ پستان ولایت سے دودھ پینے والا:

ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تو وہاں پر آپ کو لوگوں کا ایک گروہ دکھائی دیا تو آپؑ نے اُن سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟۔

انہوں نے عرض کی: ''مولا! ہم آپؑ کے شیعہ ہیں''۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تمہارے اندر مجھے میرے شیعوں کی ایک علامت بھی نظر نہیں آتی''۔

اُن میں سے ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ مولا! آپؑ کے شیعوں کی کیا علامات ہیں۔

امام نے کچھ بھی نہ کہا بلکہ خاموش رہے۔

بعد میں ایک عابد انسان جس کا نام ہمام بن عبادہ تھا وہ کھڑا ہوا اور اس نے امیر المومنین علیہ السلام کو قسم دے کر کہا کہ مولا! مہربانی کر کے اپنے شیعوں کی علامات بیان کریں۔

نہج البلاغہ میں متقین کی علامات پر مبنی ایک خطبہ موجود ہے اور مجموعی طور پر آپ نے اس خطبہ میں متقین کی باون (۵۲)

---

[1] پیغمبر و یاران ۵/۲۴۱۔ قاموس الرجال ۷/۵۰۰۔

علامات بیان کیں۔

جب ھمام بن عبادہ نے زیادہ اصرار کیا تو آپؑ نے صرف اُسے اتنا کہا کہ ھمام تم تقویٰ اختیار کرو اور نیکی کرو۔

لیکن ھمام نے اس جواب پر قناعت اختیار نہ کی اور امام علیہ السلام کو قسم دے کر کہا کہ آپؑ پوری تفصیل سے متقین کی علامات بیان کریں۔

امام علیہ السلام نے متقین کی علامات بتانے کے لئے خطبہ دیا، ابھی خطبہ امام علیہ السلام کی تقریر جاری تھی کہ اس کی چیخ بلند ہوئی اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھے اس کے متعلق یہی خوف تھا ہمیشہ بلیغ قسم کا وعظ اہل افراد پر اثر کرتا ہے جیسے اس پر اثر ہوا''۔[1]

۵۔ شاہ ولایت کو دیکھنے والا:

ہارون الرشید عباسی خلیفہ کے بہت سے بیٹے تھے ان میں سے ایک بیٹے کا نام قاسم موتمن تھا، اسے دنیا کی رنگینیوں سے کوئی سروکار نہ تھا، وہ اکثر اوقات نماز اور تلاوت قرآن میں مصروف رہتا تھا، اور نہایت سادہ لباس پہنتا تھا۔

ہارون کے وزیر جعفر برمکی نے اسے اس حال میں دیکھا تو ہنسنے لگا۔

ہارون نے اس کے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا آپ کا یہ بیٹا اس طرح کا کم قیمت لباس پہن کر لوگوں میں جاتا ہے اور یہ آپ کی بدنامی کا موجب ہے۔

ہارون نے کہا نہیں اصل بات یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک کسی علاقے کی ولایت اس کے سپرد نہیں کی جب بھی ہم اسے کسی علاقہ کا والی مقرر کریں گے تو یہ سلاطین کا سا لباس زیب تن کرے گا۔

ہارون نے قاسم کو بلا کر کہا: ''فرزند! میں تمہیں کسی علاقے کا والی بنانا چاہتا ہوں اور وہاں جا کر شاہی رعب اور دبدبہ سے رہو اور خدا کی عبادت بھی کرو۔

قاسم نے کہا: ''ابا جان! میرے علاوہ آپ کے بہت سے فرزند ہیں آپ اس خدمت سے مجھے معاف رکھیں اور دوستان خدا کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کریں''۔

لیکن ہارون نے بیٹے کی ایک نہ سنی اور حکومت مصر کی ولایت اس نے نام لکھ دی اور حکم دیا کہ کل صبح تم نے مصر جانا ہے۔

قاسم راتوں رات بغداد سے بصرہ فرار ہو گیا۔

عبداللہ بصری کہتا ہے کہ میرے مکان کی دیوار خراب ہو چکی تھی اور مجھے ایک مزدور کی ضرورت تھی میں مزدور لینے

[1] اوصاف پارسایان ص ۳۵۔

کے لئے بازار آیا، میں نے مسجد کے ایک کونے میں ایک جوان کو دیکھا جو قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا اور اس کے سامنے چھینی اور بیلچہ رکھا ہوا تھا۔

میں نے پوچھا کام کروگے؟

اس نے کہا کیوں نہیں اللہ نے ہمیں کام کے لئے پیدا کیا ہے کہ محنت کرکے رزق حلال کھائیں۔

میں نے کہا پھر آؤ اور میرا کام کردو، اس نے کہا: کام کرنے سے پہلے آپ میری اجرت کا تعین کردیں، میں نے ایک درہم مزدوری بتائی اور اسے لیکر اپنے گھر آگیا، شام ہونے تک اس نے دومزدوروں جتنا کام کیا۔

میں نے شام کے وقت اسے دو درہم دیئے لیکن اس نے صرف ایک درہم لیا اور دوسرا درہم مجھے واپس کردیا، اور کہا کہ میں طے شدہ مزدوری سے زیادہ رقم نہیں لوں گا۔

میں دوسرے دن اسے لینے کے لئے گیا تو وہ وہاں پر موجود نہیں تھا، میں نے ایک شخص سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن مزدوری کرتا ہے اور باقی ایام میں اللہ کی عبادت کرتا ہے، میں نے پورا ہفتہ صبر کیا پھر ہفتہ کے دن وہاں گیا تو اسے موجود پایا، پھر اسے اپنے کام کے لئے لے آیا، شام کے وقت اس نے مجھ سے اپنی اجرت لی اور چلا گیا۔

میری دیوار کا کام ابھی نامکمل تھا تیسرے ہفتہ میں پھر اسے لینے گیا تو پتہ چلا کہ وہ تین دن سے بیمار ہے میں نے اس کے گھر کا پتہ پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ فلاں کھنڈر نما ویران گھر میں رہتا ہے۔

میں اس کے پاس گیا، بخار سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی اور اس کا پورا وجود شدت بخار سے کانپ رہا تھا۔

میں نے اس کے سر کو اپنی گود میں رکھا، اس نے آنکھ کھول کر پوچھا کہ کون ہو تم؟۔

میں نے کہا کہ میں وہی عبداللہ بصری ہوں جس کے پاس تم نے دو دن کام کیا تھا۔

یہ سن کر اس نے کہا کہ ہاں اب میں نے تجھے پہچان لیا ہے، اور کہا: ''تو مجھے پہچانتا ہے؟۔

میں نے کہا: ''نہیں''۔

اس نے کہا: ''کیا تم مجھے پہچاننا پسند کروگے؟۔

میں نے کہا: ''کیوں نہیں''

اس نے کہا تو پھر سنو'' میں ہارون الرشید کا بیٹا ہوں اور میرا نام قاسم ہے''، یہ سن کر میرے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا اور سوچنے لگا اگر ہارون کو پتہ چل گیا کہ میں نے اس کے بیٹے سے مزدوری کرائی ہے تو نہ جانے وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریگا، قاسم سمجھ گیا کہ میں ڈر گیا ہوں۔

اس نے کہا: ''مت گھبراؤ اس شہر میں ابھی تک کسی نے مجھے نہیں پہچانا، اور اگر اس وقت میری موت کا وقت قریب نہ ہوتا تو میں تجھے بھی اپنے متعلق کچھ نہ بتاتا، میری ایک خواہش ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا بیلچہ اور چھینی کسی مزدور کو دینا وہ اس سے میری

قبر بنائے گا اور قبر بنانے کی اجرت میں یہ سامان اُسے دے دینا۔

میرے پاس قرآن مجید ہے میں اس سے بڑا مانوس تھا میرے مرنے کے بعد کسی ایسے شخص کو یہ قرآن دینا جو اس سے عشق رکھتا ہو، پھر اس نے اپنی انگلی سے انگشتری اتار کر مجھے دی اور کہا: تم یہ لیکر بغداد چلے جانا وہاں میرا والد ہر پیر کے دن کھلی کچہری لگاتا ہے تم بلاخوف وخطر چلے جانا اور میرے والد کو یہ انگشتری دینا وہ فوراً پہچان لے گا کیوں کہ اس نے خود یہ انگشتری مجھے دی تھی، اور اس سے کہنا کہ تمہارا بیٹا قسم بصرہ میں فوت ہو گیا ہے اور مجھے وصیت کر کے مرا ہے کہ یہ انگوٹھی میں تمہارے پاس لے جاؤں کیونکہ تمہیں ہمیشہ مال و دولت جمع کرنے کی حرص رہتی ہے، اور اس انگوٹھی کو بھی اپنے مال میں جمع کر لینا تا کہ تمہارے مال میں اضافہ ہو جائے، میں قیامت کے دن اس انگوٹھی کے حساب دینے سے ڈرتا ہوں۔

وصیت مکمل کرنے کے بعد اس نے اچانک اٹھنا چاہا لیکن کمزوری کی وجہ سے اٹھ نہ سکا پھر اس نے دوبارہ اٹھنا چاہا لیکن اس مرتبہ بھی نہ اُٹھ سکا پھر اس نے مجھے کہا کہ مجھے اپنے بازو کا سہارا دے کر کھڑا کرو، میرے مولا علی بن ابوطالبؑ آ گئے ہیں۔

میں نے اُسے سہارا دیا، اس کے بعد اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ [1]

[1] جامع النورین ص ۱۳۷۔ ابواب الجنان۔

باب نمبر 95

وسواس

قرآن مجید میں ارشادہ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ [۱]

میں شیطانی وسواس کے اثر سے پناہ چاہتا ہوں جو نام خدا سن کے پیچھے ہٹ جاتا ہے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔

کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وسواس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

"سالت ابا عبداللہ عن الوسوسه وان کثرت فقال لا شئی فیها تقول لا اله الا اللہ"۔[۲]

راوی کا بیان ہے کہ امام علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جب وسوسہ حد سے زیادہ ہو جائیں تو انسان کو کیا کرنا چاہیے، امام علیہ السلام نے فرمایا کوئی حرج نہیں جب بھی تمہارے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو "لا الہ الا اللہ" کا زیادہ ورد کیا کرو۔

مختصر تشریح:

شیطان ہمیشہ وسوسہ کے ذریعہ انسان پر مسلط ہوتا ہے اور اسے وسوسہ کا موقعہ اس وقت ملتا ہے جب انسان یاد خدا سے غافل ہو اور فرمان خداوندی کو پس پشت ڈال دے تو شیطان اس کے ذہن میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

وسوسہ ایک ایسی چیز ہے جو دل میں ڈال دی جاتی ہے اور جب وسوسہ دل میں گھر کرنے لگے تو اس وقت وسوسہ میں مبتلا شخص گمراہ ہو جاتا ہے اور آسانی سے شیطان کے فریب میں پھنس جاتا ہے۔

لہٰذا انسان کو کبھی بھی ابلیسی فریب سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے، اور ہر وقت اپنے ذہن اور قلب کی کیفیت پر نگاہ رکھنی چاہیے انسان کو خدا پر مکمل بھروسہ رکھنا چاہیے اور ذہن میں یہ تصور رہے کہ خدا اس کے تمام اعمال وافکار سے واقف ہے، جو کچھ ظاہر ہے خدا

---

[۱] سورہ الناس آیت ۴-۵

[۲] اصول کافی ۲/۳۱۰-

اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ دل میں چھپا ہوا ہے خدا اُسے بھی جانتا ہے۔
جب انسان اپنے ذہن میں خداوندتعالیٰ کے علم اور قدرت کولائے گا تو اللہ پاک اُسے ہر ابلیسی وسوسہ سے محفوظ رکھے گا۔[1]

ا۔ ارادت:

ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے لگتا ہے کہ میں منافق ہو گیا ہوں۔
آپ نے فرمایا: ''خدا کی قسم تو منافق نہیں ہوا، اگر تو منافق ہوتا تو میرے پاس آتا ہی نہ اور نہ ہی مجھے اپنے نفاق سے آگاہ کرتا، تجھے کسی چیز نے شک میں ڈالا ہے؟''
پھر رسول اللہ نے خود ہی فرمایا: ''میں سمجھتا ہوں کہ اس دشمن نے تیرے دل میں وسواس ڈلا ہے کہ تجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ تو نے اپنے ذہن ہی ذہن میں جواب دیا کہ مجھے خدا نے پیدا کیا ہے، پھر تیرے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ بھلا خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟۔
جیسے رسول پاکؐ نے اس کو اس کی اس ذہنی کیفیت کی متعلق بتایا تو اس مسلمان نے کہا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مبعوث برحق کیا ہے میں نے بالکل یہی سوچا تھا اور اس سوچ کی وجہ سے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا''۔
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان عملی طور پر تمہارے سامنے نہیں آتا اور نہ ہی وہ عمل کر کے تم کو گمراہ کرتا ہے بلکہ وہ تمہارے ذہنوں میں وسوسہ ڈالتا ہے تا کہ وہ اس طریقے سے تمہیں گمراہی کی وادی میں دھکیل دے، یاد رکھنا جب کوئی ایسا وسوسہ ذہن میں آئے تو خدا کی توحید کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو تا کہ شیطانی خیالات تمہارے ذہن سے دور ہو جائیں۔[2]

۲۔شیطان کو وسوسہ کا موقع ہی نہ دینا:

ایک دفعہ کچھ دین دار تاجر حرم امام حسینؑ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپس میں محو گفتگو تھے اسی اثنا میں وہاں ایک شخص آیا تو اس نے اُن کو بتایا کہ فلاں تاجر اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔
اس بزم میں ایک تاجر نے کھڑے ہو کر حاضرین سے کہا کہ ساتھیو! گواہ رہنا میں نے اس مرنے والے تاجر کا اتنا اتنا قرض دینا ہے۔
حاضرین نے کہا: ''تمہیں اس وقت یہ بات کہنے کی ضرورت کیا تھی؟''

---

[1] تذکرۃ الحقائق ص ۴۰۔
[2] اصول کافی جلد ۲ باب الوسوسہ وحدیث النفس ج ۵۔

اس تاجر نے کہا: ''بات یہ ہے کہ میں نے اس مرحوم تاجر سے کچھ رقم ادھار لی تھی لیکن نہ تو اس نے مجھ سے کوئی سند لکھوائی تھی اورنہ ہی اس کے پاس تحریر موجود تھی اس کے قرض کے متعلق خبرخود اسے تھی یا مجھے تھی، اور جیسے ہی میں نے اس کی موت کی یہاں خبر سنی تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں شیطان مجھے اپنے وسواس میں مبتلا کر کے میرے ذہن میں یہ تصور پیدا نہ کردے کہ اس رقم سے اس کے علاوہ کوئی دوسرا مطلع نہیں ہے لہذا تم اس کی رقم ہضم کر جاؤ، اسی لئے میں نے تم سب لوگوں کو گواہ بنا کر یہ بات کہہ دی ہے کہ میں اس شخص کی اتنی رقم کا مقروض ہوں، میں نہیں چاہتا کہ ابلیس میرے ذہن پر قبضہ کر کے مجھے اپنے نقش قدم پر چلائے۔[1]

۳۔وسوسہ اور اس کے اثرات:

ایک شخص بخارا میں لوگوں کے گھروں میں سقائی کا کام کرتا تھا اور وہ یہ کام عرصہ تیس سال سے سرانجام دے رہا تھا۔

ایک زرگر کے گھر میں وہ تیس سال سے پانی فراہم کر رہا تھا اور اس نے کبھی بھی زرگر کے اہل خانہ کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔

ایک دن وہی سقا زرگر کے گھر گیا اور اس کی نگاہ زرگر کی بیوی کے ہاتھ پر پڑی اس کے ذہن میں وسوسہ آیا آگے بڑھا اور اس کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور اس ذریعے سے اس نے لذت حاصل کی۔

دوپہر کے وقت وہ زرگر اپنے گھر آیا تو اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ سچ سچ بتانا کہ آج تم نے اپنی دوکان میں کونسا برا کام کیا ہے؟

اس زرگر نے کہا کہ میں نے کوئی برائی نہیں کی۔

جب اس کی بیوی نے بار بار اصرار کیا تو اس زرگر نے اقرار کیا کہ ہاں مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوئی ہے اور کہا کہ ایک عورت دست بند خریدنے کے لئے میری دکان پر آئی مجھے وہ اچھی لگی میرے دل میں وسواس پیدا ہوا میں نے اس کے ہاتھ کو پکڑا اور اس کے ہاتھ کو بوسا دیا۔

بیوی نے کہا: ''اللہ اکبر''

زرگر نے بیوی سے کہا: اس میں تکبیر بلند کرنے کی ضرورت ہے'' اس کی بیوی نے کہا'' ہمارے گھر میں جو سقا پانی پہنچاتا ہے عرصہ تیس سال سے وہ ہماری خدمت کر رہا ہے کبھی بھی اس نے میرے اوپر بری نگاہ نہیں ڈالی تھی، آج جیسے ہی تو نے وہاں یہ غلط کام کیا تو سقا آگے بڑھا اور اس نے میرے ہاتھوں کا بوسہ لیا، اگر تو یہ غلطی نہ کرتا تو اس سے بھی یہ غلطی سرزد نہ ہوتی''۔[2]

---

[1] حکایتھای شنیدنی ص ۳/۶۵۔الی الحکم الاسلام ص ۸۷۔

[2] منتخب التواریخ ص ۳/۸۔انوار نعمانیہ۔

۴۔شیطان تین حال میں:

حاجی جب بھی حج کرتے ہیں تو مناسک حج میں ایک عمل ہے جسے ''رمی الجمرات'' کہا جاتا ہے، یعنی شیطان کو پتھر مارے جاتے ہیں وہاں تین شیاطین موجود ہیں اور وہاں حاجی جا کر کنکر مارتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند اسماعیلؑ سے کہا: ''پیارے فرزند میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب بتاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟

فرزند اتنا باادب تھا کہ اس نے کہا: ''ابا جان! جو کچھ خدا نے آپ کو حکم دیا ہے آپ اس کی تعمیل کریں انشاء اللہ آپؑ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔

بہر نوع باپ بیٹا دونوں گھر سے اس مقصد سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک بوڑھا شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آیا اور کہا کہ آپؑ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ میں اپنے خداوند تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے جا رہا ہوں، اس نے کہا کہ کس چیز کی تعمیل کرنے جا رہے ہو؟ آپؑ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں حکم ملا کہ میں اپنے فرزند کو راہ خدا میں ذبح کروں، ابلیس نے کہا کہ تجھے یہ کیسے معلوم ہوا؟ کہ یہ خواب میں حکم دینے والا خدا تھا یا شیطان تھا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اس کو پہچان لیا اور اسے پتھر مار کر اپنے سے دور کر دیا۔

اس کے بعد ابلیس لعین حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ تیرا باپ تجھے قتل کرنا چاہتا ہے آخر تجھے کیا پڑی ہے تو نے اپنے آپ کو ذبح ہونے کے لئے پیش کرے؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: ''میرے والد اللہ کے نبی ہیں اور جو کچھ انہوں نے خواب میں دیکھا ہے وہ امر خداوندی پر مبنی ہے''۔

اس نے کہا: ''وہ اب بوڑھے ہو گئے ہیں اور اُن میں ہوش باقی نہیں رہی اس لئے وہ آپ کو ذبح کرنا چاہتے ہیں''۔

حضرت اسماعیل نے بھی اسے پہچان لیا اور پتھر مار کر اپنے سے دور کر دیا۔

اس کے بعد یہ لعین حضرت حاجرہ کے پاس گیا اور بی بی سے کہا کہ آپؑ کا شوہر آپ کے بیٹے کو ذبح کرنا چاہتا ہے، بی بی ہاجرہ نے کہا کہ میں مان ہی نہیں سکتی کہ ابراہیمؑ جیسا باپ اسماعیل جیسے فرزند کو قتل کرے۔

اس لعین نے کہا کہ اسے اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہ اپنے فرزند کو ذبح کرے۔

بی بی حاجرہ نے جواب دیا: ''اگر خدا کا حکم ہے تو ہم خدا کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں''۔

بی بی حاجرہ نے بھی اُسے پہچان لیا تھا اس لعین کو بھگا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابلیس کو تین مرتبہ پتھر مارے تھے یہی وجہ ہے آج تک مناسک حج میں یہ عمل شامل ہے اور

تمام حاجی ہر سال ان تین شیاطین کو پتھر مارا کرتے ہیں۔ [۱]

۵۔ وضو میں وسوسہ:

ایک مسلمان ہمیشہ وضو کرتے ہوئے وسوسہ میں مبتلا رہتا تھا کئی بار ایک ہاتھ دھوتا تھا پھر دوبارہ دھونا شروع کر دیتا تھا اس کا دل ایک بات پر قائم ہی نہیں رہتا تھا۔

عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے اس مسلمان کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپؑ سے کہا: ''مولا! ایک عقلمند شخص ہے لیکن وہ وضو کرتے ہوئے ہمیشہ وسوسہ کا شکار رہتا ہے''۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم نے اُسے عقل مند کہا اور اس میں عقل کی کیا بات ہے؟ اور وہ شخص کیسے عقل مند بن سکتا ہے جو ابلیس کی پیروی کر رہا ہو۔

میں نے عرض کی: ''مولا! وہ ابلیس کی پیروی کیسے کر رہا ہے؟''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''تم خود جا کر اس شخص سے پوچھنا کہ اُسے وضو میں جو اتنے وسوسہ آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بار بار وضو کرتا ہے اور توڑ دیتا ہے یہ تمام وسوسے اُس کے ذہن میں کون ڈال رہا ہے؟''

وہ خود ہی بتائے گا کہ یہ وسوسے اس کے ذہن میں ابلیس ہی ڈال رہا ہے۔ [۲]

---

[۱] تاریخ انبیاء ۱/۶۹۔

[۲] ابلیس نامہ ۱/۹۶۔ بحار الانوار ۶۳ /۲۱۔

باب نمبر 96

ہدایت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ط [1]

اللہ ہدایت قبول کرنے والوں کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"(یا علی) لئن یهدی الله علی یدیك رجلا خیر لك مما طلعت علیه الشمس" [2]

''اے علی!''اگر تیرے ذریعے سے خدا ایک بھی انسان کو ہدایت دے دے تو وہ تیرے لئے تمام کائنات کی نعمات سے بہتر ہے۔

مختصر تشریح:

جب اللہ نے اس عالم کو خلق کیا اور اس میں بنی آدم کو رہائش دی، اللہ تعالی نے بنی آدم کی ہدایت کا بھی اہتمام کیا، اس ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو آسمانی کتب کے ساتھ بنی آدم میں بھیجا۔

کچھ ہدایتیں براہ راست ہوتی ہیں مثلا پیغمبر اکرم اور اولیاء کرام کی خالص ہدایت اور کچھ ہدایتیں والدین کی تربیت، اچھی کتاب کے پڑھنے یا کچھ اچھے واقعات کی وجہ سے انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔

یاد رکھیں ہر بیان کرنے والا شخص ہدایت یافتہ نہیں ہوتا اور ہر نفس ہدایت کی قابلیت بھی نہیں رکھتا، سعادت کے راستے تو کھلے ہوئے ہیں لیکن اُن کے چاہنے والے بہت کم ہیں، اُن کے عزم وارادے سیدھے راستے پر آکر متزلزل ہوجاتے ہیں۔

۱۔ ایک جھوٹا انسان جسے ہدایت ملی:

خوات ابن جُبیر بیان کرتا ہے کہ میں مکہ کے راستے میں بنی کعب کی کچھ عورتوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا اُن سے محو گفتگو تھا اور

---

[1] سورۃ مریم آیت ۷۶۔

[2] سفینۃ البحار ۷۰۰/۲۔

اتفاقاً وہاں سے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوااور مجھ سے فرمایا کہ تم عورتوں کے پاس کیوں بیٹھے ہو؟

اس وقت میں نے جھوٹ کا سہارالیااور میں نے کہا یارسول اللہ میرااونٹ سرکش ہے اور مسلسل بھاگ جا تا ہےاور میں اس لئے ان عورتوں کے پاس آیا ہوں تا کہ وہ مجھے اُس کے لئے مضبوط رسی بٹ دیں، تا کہ اپنے اونٹ کو اس کے ساتھ باندھ کر اطمینان حاصل کرسکوں، پیغمبر اکرمؐ نے میرے جملے سنے اور بغیر کچھ کہے وہاں سے چلے گئے۔

اپنا کام کرنے کے بعد آپؐ واپس آئے تو میں اب بھی اُن عورتوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت میری طرف دیکھ کر کہا کہ کیا اب تک تیرے سرکش اونٹ کو آرام نہیں آیا؟

خوات کا بیان ہے مجھے اس وقت انتہائی شرمندگی ہوئی، میں آپؐ کے سامنے ایک جملہ تک نہ کہہ سکا، اس کے بعد میں وہاں سے اُٹھا اور بھاگ کھڑا ہو گیا، اس کے بعد ہمیشہ میری یہ کوشش رہی کہ میں آپؐ کے سامنے تک نہ آؤں، ورنہ مجھے زیادہ سے زیادہ شرمندگی ہوگی۔

ایک دن میں مسجد میں نماز ادا کررہا تھا کہ رسول اللہ میرے نزدیک آکر تشریف فرما ہو گئے میں نے جان بوجھ کر نماز کو طویل کردیا، آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ نماز کو طویل نہ کرو میں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ سناؤ! تمہارا سرکش اونٹ رام ہوا یا ابھی تک بھاگ جاتا ہے، جیسے ہی رسول اللہ نے جملے کہے تو میں انتہائی شرمندہ ہوا اور میں چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس کے اندر چلا جاؤں۔

پھر ایک اور دفعہ رسول خداؐ گدھے پر سوار تھے اور ایک گلی سے گزر رہے تھے، میں بھی گھوڑے پر سوار قریب آپہنچا تو رسولؐ خدا نے فرمایا کہ تمہارے اونٹ کا کیا بنا؟ کیا بھاگ جاتا ہے اور کیا تو نے اُسے رسی کے ساتھ باندھا ہے؟ یہ شخص کہتا ہے کہ مجھے انتہائی شرمندگی محسوس ہوئی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ یارسول اللہ! اس وقت میں نے جھوٹ بولا تھا اور اب میں جھوٹ سے توبہ کرتا ہوں۔

اس وقت رسول اللہؐ نے فرمایا: ''اللہ اکبر، اللہ اکبر اور فرمایا کہ خدایا! خوات کو ہدایت فرما'' اس دعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا اور کھرا صحابی ثابت ہوا۔[1]

۲۔ علم کتنا قیمتی ہے؟

ایک شخص امام حسن علیہ السلام کے لئے ہدیہ لے کر آیا۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اس کا ہدیہ قبول کیا اور فرمایا: ''اگر پسند کرو تو اس کے بدلے میں بیس گناہ زیادہ دوں اور بیس ہزار درہم تمہیں عطا کروں یا پھر تمہارے لئے علم کا ایک دروازہ کھول دوں اور اس کے وسیلے سے ہمارے خاندان کے فلاں ناصبی

---

[1] شنیدنیھای تاریخ ص ۱۸۸۔ حجۃ البیضاء ۵/۲۳۵۔

دشمن پر فتح پاسکو اوراس علاقے کے ضعیف الاعتقاد شیعوں کواس کے چُنگل سے نجات دے سکو۔

اگر تم نے بہتر چیز کا انتخاب کیا تو میں دونوں ہدیے تمہیں عطا کروں گا اور اگر تمہارا انتخاب درست نہ ہوا تو میں تمہیں ایک چیز دے دوں گا''۔

اس نے عرض کیا: ''مولا! یہ بتائیں کہ اگر میں اس ناصبی کو مغلوب کرلوں اور کمزور شیعوں کواس کے ہاتھ سے نجات دلا دوں توکیااس کا ثواب بیس ہزار درہم کے برابر ہوگا؟

آپؑ نے فرمایا: ''اس کا ثواب پوری دنیا سے بیس ہزار گنا بہتر ہے''۔

اس نے عرض کی: ''مولا! تو میں پھر بہتر کو چھوڑ کر کمتر چیز کا انتخاب کیسے کرسکتا ہوں، میں علم کا دروازہ کھولنے کو پسند کرتا ہوں''۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: ''تم نے صحیح چیز کا انتخاب کیا''۔

آپؑ نے اس کے لئے علم کا ایک دروازہ کھولا اوراسے بیس ہزار درہم بھی عطا کئے۔

وہ شخص آپؑ کی خدمت سے روانہ ہوکر اپنے گاؤں گیا وہاں اس نے اس ناصبی سے بحث کی اوراُسے شکست فاش دی، امام حسنؑ کواس مباحثہ کی اطلاع ملی۔

پھر چند دنوں کے بعد وہی شخص امام علی مقام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''دنیا میں کسی شخص نے تیری طرح کبھی نفع حاصل نہیں کیا کیونکہ تو درجہ اول میں خدا کا دوست ہے اور دوسرے درجے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کا دوست اور تیسرے درجے میں تو اہلبیت اور ائمہ ہدیٰ کا دوست ہے اور چوتھے درجے میں تو ملائکہ کا دوست ہے اور پانچویں درجے میں تو تمام مومنین کا دوست ہے اور روئے زمین پر بسنے والے تمام مومن وکافر کی تعداد سے ہزار گنا بہتر تجھے اللہ ثواب دے گا۔

تجھے وہ ثواب مبارک ہو۔[1]

۳۔ سیدِحمیری:

سید اسماعیل حمیری جن کی کنیت ابو ہاشم تھی وہ عُمان میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں انہوں نے پرورش پائی اور ۱۷۹ھ یا ۱۷۳ھ میں اُن کی وفات ہوئی۔

اسماعیل کے والد اور والدہ دونوں ہی انتہائی درجے کے دشمنان آل محمد تھے اُن کا اُصول یہ تھا کہ وہ روزانہ نماز فجر کے بعد بیٹھ کر حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہتے تھے، اسماعیل اگر چہ بچہ تھا لیکن اپنے والدین کی اس حرکت کو انتہائی ناپسندیدگی کی نظر سے

[1] داستانھاو پندھا۱۹۱/۴۔احتجاج طبرسی ص۶۔

دیکھتا تھا، کئی مرتبہ وہ رات کو کچھ کھائے پئے بغیر مسجد میں جا کر بیٹھتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ بھوکا سوجانا بہتر ہے لیکن والدین کی یہ نازیبا گفتگو سننا مناسب نہیں ہے، پھر جب اُسے بھوک زیادہ ستاتی تو اپنے گھر میں آتا اور روٹی کھا کر پھر گھر سے باہر چلا جاتا تھا۔

جوانی کے ایام میں اس نے اپنے والدین کی ہدایت کے لئے کچھ اشعار لکھ کر اُن کے پاس بھیجے لیکن والدین کو اس کے اشعار ناپسند گزرے اور انہوں نے اُسے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔

سید اسماعیل حمیری نے سب سے پہلے مذہب کیسانیہ اختیار کیا، اس مذہب کے لوگ حضرت محمد بن حنفیہ فرزند امیر المومنین کی امامت کے قائل ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہ کی وفات نہیں ہوئی وہ آج بھی زندہ ہیں اور کوہ رضویٰ میں زندگی بسر کر رہے ہیں، جنگلی درندے شیر اور چیتے اُن کی حفاظت کرتے ہیں اور اُن کے سامنے دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں اور جب وقت مقرر آئے گا تو وہ خروج کریں گے اور پوری دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

ابوبصیر عبداللہ بن نجاشی سے سید حمیری سے مباحثہ کیا اور وہ اُسے ہدایت دینے میں ناکام ہوئے تو پھر ایک دن وہ سید حمیری کو ساتھ لیکر حضرت امام جعفر صادق علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سید حمیری نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ میں نے آپ کے خاندان کی محبت کی وجہ سے پوری دنیا سے دشمنی مول لی ہے، اور آپ کے دشمنوں سے بیزار ہوں لیکن اس کے باوجود آپؑ میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں منحرف ہوں اور صحیح راستے پر نہیں ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''حضرت محمدؐ، حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ یہ بزرگوار افراد حضرت محمد حنفیہ سے بہتر تھے لیکن انہوں نے بھی موت کا ذائقہ چکھا ہے تو پھر تم محمد حنفیہ کی موت کے قائل کیوں نہیں ہو؟۔

سید حمیری نے کہا کہ کیا آپ مجھے محمد حنفیہ کی موت کا کوئی ثبوت دے سکتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے سید حمیری کے ہاتھ سے پکڑا اور جنت البقیع لے آئے اور آپ اُسے محمد بن حنفیہ کی قبر پر لے آئے اور آپ نے اس قبر پر ہاتھ رکھا اور ایک دعا پڑھی، آپؑ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ سید اسماعیل کی خدا تعالیٰ نے برزخی آنکھ کھول دی اور انہوں نے دیکھا کہ اُسے قبر کے اندر سفید ریش بزرگ دکھائی دیا، اس بزرگ نے اُسے سے کہا کہ کیا تم مجھے جانتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں، اس بزرگ نے کہا کہ تمہیں جان لینا چاہیے کہ میں محمد بن حنفیہ ہوں اور تمہیں اس سے آگاہی ہونی چاہیے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد علی بن الحسینؑ امام ہیں اور اُن کے بعد محمد باقر علیہ السلام امام ہیں اور اُن کے بعد جو تیرے ساتھ آئے ہیں یہ آقا امام ہیں۔

جب سید حمیری نے یہ مکاشفہ دیکھا تو اُن کو ہدایت مل گئی اور وہ مکمل شیعہ بن گئے، انہوں نے اس بات کا اظہار اپنے اشعار میں کیا تھا۔

کہ خدا کا نام لے کر میں نے دین جعفرؑ کو قبول کرلیا ہے اور خدا نے مجھے ہدایت دے دی ہے اور اگر ہدایت چاہتے ہو تو

جعفری بن جاؤ ورنہ ہرراستے میں گمراہی ہی گمراہی ہے۔[1]

۴۔ یاقوت:

شیخ علی رشتی لارستان کےعلاقہ کے عالم دین تھے جوکہ شیخ مرتضی انصاری کے شاگردوں میں سے تھے،اُن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم زیارت قبرامام حسینؑ سے فارغ ہوئےتوفرات کے راستے ہم نجف کے لئے کشتی میں سوار ہوئے،کشتی میں چندنو جوان سوار تھے جولہوولعب میں اورایک دوسرے کے ساتھ مذاق کرنے میں محو تھے،البتہ کشتی سواروں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جوانتہائی پروقار تھا،اوروہ جوان اس شخص کواپنی مذاق کانشانہ بنارہے تھے۔

ایک جگہ کشتی رکی جہاں پانی کم تھااورہم نے کشتی سے نیچے اترکروہ پانی عبورکیا، میں نے اس جوان سے اس کے حالات دریافت کیاتواس نے بتایاکہ میرے والداہلنست میں سے ہیں اورمیری والدہ کاتعلق اہل ایمان سے ہےاورمیرانام یاقوت ہے،اور میراپیشہ حلہ میں روغن فروشی ہے،میرےشیعہ ہونے کی وجہ سے یہ بنی کہ ایک دن میں روغن خریدنے کے لئے حلہ سے باہردیہاتوں میں گیااورواپسی پردوران سفر مجھے نیندآ گئی اورجب میں بیدارہواتودیکھا کہ میرے ساتھی مجھے اکیلا چھوڑکر چلے گئے ہیں اوروہاں مجھے خوف سامحسوس ہونے لگا کیونکہ وہ انتہائی ویران جگہ تھی۔

میں نے اللہ تعالٰی کواپنے بزرگ خلفاء کے واسطے دیئےتو میرے لئے کوئی آسانی نہ ہوئی اس وقت مجھے میری ماں کافرمان یادآیاوہ مجھے کہا کرتی تھی کہ بیٹاجب بھی کبھی کسی مشکل میں پھنس جاؤتواپنے زندہ امام کوابوصالح المھدی کے نام سے پکاروہ آکرتمہاری مددکریں گے چنانچہ میں نے یاراباصالح المھدی ادرکنی ادرکنی کاوردکیاتو میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے انہوں نے سبز رنگ کاعمامہ پہنا ہواتھااورانہوں نے مجھے راستادکھایااورمجھ سے کہا کہ اپنی ماں کے مذہب کواختیارکرواس میں نجات ہے۔

پھرمجھے ساتھ لیکرآئے اورکہا کہ سامنے ایک گاؤں آنے والا ہےاوراس گاؤں کے تمام لوگ شیعہ ہیں، یاقوت بیان کرتا ہے کہ میں نے اُن سے عرض کی کہ آپ میرے ساتھ نہیں جائیں گے انہوں نے فرمایا کہ مجبوری ہے کہ دنیا کے ہزاروں افراد مجھ سے استغاثہ کررہے ہیں اور مجھے اُن کی مددکرنے کوبھی جانا ہے۔

یاقوت بیان کرتا ہے کہ میں تھوڑی دیرتک چلاتوآگےایک گاؤں آگیا جس کے تمام لوگ تشیع مکتب فکر سے وابستہ تھے میرے اسی مذہب کی وجہ سے کشتی میں بیٹھے ہوئے افرادمذاق اڑارہے تھے کیونکہ یہ لوگ میرے رشتہ دارہیں اورمجھے جانتے ہیں اس لئے وہ میرے مذہب کی وجہ سے مجھے اذیتیں پہنچاتے ہیں۔[2]

---

[1] شاگردان مکتب آئمہ ۱/۱۸۲۔اعیان الشیعہ ۳/۴۰۹۔
[2] منتھی الامال ۲/۴۳۷۔

۵۔ عمیر بن وہب:

عمیر بن وہب کا تعلق خاندان قریش سے تھا وہ جنگ کرنے کا ایک عادی انسان تھا اور یہ جنگ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ تھا، جنگ بدر میں خود تو بچ گیا تھا لیکن اس کا بیٹا وہب مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوا تھا۔

ایک دن عمیر نے اپنے ابن عم صفوان بن اُمیہ سے خانہ کعبہ کے قریب کھڑے ہو کر کہا تھا کہ اگر میں مقروض نہ ہوتا اور غریب نہ ہوتا تو میں مدینہ جاتا اور اپنی تلوار سے محمدؐ کا کام تمام کر دیتا اور میں نے سنا ہے کہ محمدؐ کے پاس کوئی نگہبان بھی نہیں ہوتا۔

صفوان نے کہا کہ تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں تمہارا سارا قرض ادا کروں گا اور تمہارے خاندان کی میں دیکھ بھال کروں گا، چنانچہ عمیر نے تلوار اٹھائی اور مدینہ کی طرف چل پڑا۔

بظاہر اس کے پاس یہ بہانہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے وہب کی رہائی کے لئے جا رہا ہے جب کہ دراصل وہ پیغمبر اکرمؐ کے قتل کا منصوبہ بنا کر گیا تھا۔

جب وہ مدینہ طیبہ پہنچا تو اس نے مسجد نبوی کے سامنے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اپنا ہدف حاصل کرنے کے لئے وہ آگے بڑھا، حضرت عمرؓ نے لوگوں کو آواز دی کہ اسے کتے کو پکڑ لو، لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اس سے اس کی تلوار چھین لی اور لوگ اسے پکڑ کر پیغمبر اکرمؐ کے پاس لے گئے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ اس کے ہاتھ آزاد کر دو، اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے اس سے پوچھا کہ تو مدینہ کس لئے آیا ہے، اُس نے کہا کہ میرا بیٹا ''وہب'' آپ کی قید میں ہے اور میں اس کی رہائی کے لئے یہاں آیا ہوں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ یہ بتا کیا تو نے خانہ کعبہ کے کنارے کھڑے ہو کر صفوان سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں مدینہ میں جاؤں گا اور جا کر محمدؐ کو قتل کروں گا؟ اور اس نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تیرا سارا قرض ادا کرے گا اور تیرے خاندان کی نگہبانی کرے گا، سن میرے خدا نے مجھے تیرے شر سے محفوظ رکھا ہے اور تو مجھے قتل نہیں کر سکتا۔

جب رسول خدا نے اس کے سامنے اس کے پوشیدہ راز کو بیان کیا تو اس نے بے ساختہ کلمہ شہادتین پڑھا اور مسلمان ہو گیا، کہنے لگا کہ اب تک مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ آپؐ پر وحی نازل ہوتی ہے اور آپ کا تعلق عالم غیب سے ہے جب کہ آپ نے مجھے اس راز سے آگاہ کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپؐ بھی سچے ہیں اور آپ جس خدا کی دعوت دیتے ہیں وہ بھی سچا ہے اور میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس ذریعے سے دین حق کی ہدایت کی۔[1]

---

[1] پیغمبر و یاران ۵/۸۳۔ اسد الغابہ ۴/۱۴۹۔

باب نمبر 97

ہمسایہ

قرآن مجید میں ارشادخداوندی ہے:

وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ [۱]

رشتہ دار ہمسایہ اور پہلو میں رہنے والے ہمسایہ کا خیال رکھو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"احسن مجاورة من جاورك تكن مومنا" [۲]

اپنے ہمسایہ سے نیک سلوک کروتا کہ تم مومن بن جاؤ۔

مختصرتشریح:

حقوق کی بحث میں ایک خصوصی بحث حق ہمسائگی کی بھی ہے حدیث میں ہے ہمسائے تین طرح کے ہیں، پہلا ہمسایہ وہ ہے جس کے تم پر تین حق ہیں، اسلام کا حق، ہمسائیگی کا حق اور رشتہ داری کا حق اور دوسرا ہمسایہ وہ ہے جس کے دوحق ہیں، اسلام کا حق اور ہمسائیگی کا حق، اور تیسرا ہمسایہ وہ ہے جس کا ایک حق ہے اور وہ ہے ہمسائیگی کا حق اور یہ حق کافر کا بھی ہے، جوشخص اپنے ہمسایہ کے حق کا خیال نہ رکھے حتی کہ کافر ہمسائے کے حق کا بھی خیال نہ کرے اور اپنے ہمسائے کو اذیت دے تو اس کا ایمان مشکلات میں گھر جاتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ہمسایہ اتنا محترم ہے جتنا کہ انسان کی ماں اس کے لئے قابل احترام ہوتی ہے۔

ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے اور اُن کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے اس سے اللہ تعالیٰ عمر میں اضافہ کرتا ہے اور اس سے شہر آباد و شاد رہتے ہیں۔

اگر کوئی ہمسایہ بھوکا ہو اور یا اس کے پاس پوشاک نہ ہو یا اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو دوسرے ہمسائے کا ایمانی فرض ہے کہ وہ اس کی مدد کرے، اگر کسی ہمسائے سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوجائے تو اس کے مدمقابل ویسی غلطی اور کوتاہی نہیں کرنی چاہیے بلکہ

---

[۱] سورۃ نساء آیت نمبر ۳۶۔

[۲] جامع السعادات ۲/۲۶۷۔

شفقت اورنرمی سے اس کوتاہی کا ازالہ کرنا چاہیے۔[1]

۱۔ حق ہمسائیگی کے ساتھ مکان کی فروخت:

محمد ابن جہم نے اپنے مکان کوفروخت کرنے کا اعلان کیا تو لوگوں نے اس کے مکان کوخریدنے کے لئے قیمت لگائی اور قیمت بڑھتے بڑھتے پچاس ہزار درہم تک جاپہنچی۔

خریدارجمع ہوئے اوراس سے کہا کہ تو اپنا گھر کتنی قیمت میں فروخت کرنا چاہتا ہے اس نے کہا کہ میں گھر کی جوبھی قیمت لے رہا ہوں اس کے ساتھ میں گھر کے خریدار کو یہ بھی ہدایت کروں گا کہ میرے ہمسایہ سعید بن عاص کا خصوصی خیال رکھے گا۔

خریداری کے لئے آنے والے لوگوں نے کہا کہ کیا مکان کی خرید وفروخت کے لئے حقوق ہمسائیگی بھی شامل ہوتے ہیں، اس نے کہا کہ دیکھو جو مجھ سے مکان خریدے گا تو اس کے ساتھ حقوق ہمسائیگی کا بھی پابند ہوگا ورنہ میں اس کے ہاتھ اپنا گھر فروخت نہیں کروں گا۔

یہ خبر سعید بن عاص تک پہنچی تو اُسے یہ بات پسند آئی اوراس نے محمد بن جہم کی طرف ایک لاکھ درہم بھیجے اورکہا اس سے اپنی ضروریات پوری کرو اورمکان فروخت نہ کرو۔[2]

۲۔ کافراورمومن ہمسایہ:

علی بن یقطین بیان کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک مومن تھا جس کا ہمسایہ ایک کافر انسان تھا، اوروہ کافر بظاہر ایک اچھا انسان تھا اوروہ اپنے مومن ہمسائے سے ہمیشہ نیکی کیا کرتا اوراس کے ساتھ نیک سلوک کرتا تھا اور جب کافر کی موت ہوئی تو اللہ تعالی نے اس کافر کوجہنم میں مقام برزخ عطا کیا جہاں اُسے جہنم کی آگ جلا نہیں سکتی اور جب کافر کو اس مقام پر لے جایا گیا تو ملائکہ نے اسے آواز دے کر کہا کہ تیرا مقام حقیقی طور پر تو جہنم تھا لیکن تو نے اپنے ایک مومن ہمسائے سے نیک سلوک روا رکھا تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تجھے جہنم میں جلانا پسند نہیں کیا۔[3]

۳۔ ہمسائے کے ستم سے کیسے بچایا؟

ایک شخص نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے ہمسائے کی ایذا رسانی کی شکایت کی۔

آپؐ نے اسے صبر کرنے کا حکم دیا، کچھ دنوں بعد وہ دوبارہ آپؐ کے پاس ہمسائے کی شکایت لیکر آیا آپؐ نے پھر اسے صبر کر

---

[1] احیاء القلوب ص ۱۳۳۔

[2] نمونہ معارف ۳۳۶/۳-ثمرات الاوراق ۳۶/۲۔

[3] لئالی الاخبار ۳/۶۔

حکم دیا۔

تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ تم جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے گھر کا تمام اسباب نکال کر گلی میں رکھ دو، جب لوگ تم سے پوچھیں کہ تم نے گھر کا اثاثہ باہر کیوں نکالا؟ تو انہیں کہنا کہ فلاں شخص کی مسلسل ایذاءرسانی سے مجبور ہو کر میں نے سامان نکالا ہے۔

اس شخص نے آپ کے فرمان پر عمل کیا جب لوگوں نے اس کے سامان کو گھر سے باہر نکلا ہوا دیکھا تو اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ میں نے اپنے ہمسائے کی ایذارسانی سے تنگ آ کر اپنا سامان نکالا ہے اب میں یہ مکان چھوڑ کر کہیں اور مکان تلاش کروں گا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ اذیت دینے والا ہمسایہ آیا اور اپنے ہمسایہ کو منت کر کے کہا: ''تمہیں خدا کا واسطہ اپنا سامان اندر رکھو، مجھے مزید شرمندہ نہ کرو میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اب تمہیں مجھ سے دوبارہ شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ [1]

۴۔ حدود ہمسائیگی:

عمرو بن عکرمہ بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''یا ابن رسول اللہ! میرا ہمسایہ مجھے اذیت دیتا ہے، امام علیہ السلام نے فرمایا: ''کہ جاؤ اس سے نیک سلوک کرو'' میں نے کہا کہ خدا اُسے کبھی معاف نہ کرے۔

امام علیہ نے مجھ سے منہ موڑ لیا اور میں نہیں چاہتا کہ میں اس حال میں باہر جاؤں، میں نے عرض کیا: ''مولاً! وہ شخص مجھے مختلف طریقے سے اذیتیں دیتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ''یعنی تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم بھی ظاہری طور پر اس سے دشمنی رکھو اور اس سے اس ذریعہ سے انتقام حاصل کرو''؟

میں نے کہا: ''جی ہاں اگر میں کرنا بھی چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں''۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''وہ شخص تیرا ہمسایہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمسائے کے حقوق رکھے ہیں اور منجملہ یہ ہے ہمسائے سے حسد نہیں کرنا چاہیے اور اگر ہمسائے کو کوئی نعمت ملے تو اس پر جلنا نہیں چاہیے، اگر ہمسائے کے پاس خدمت گزار نہ ہو تو اپنے خدمت گزار کو اس کے گھر روانہ کرو تا کہ اس کی ضروریات بھی سرانجام دی جا سکیں۔

آپ نے فرمایا: ''ایک انصاری جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''میں نے فلاں محلہ میں مکان خریدا ہے میرا قریبی ہمسایہ ایسا ہے کہ مجھے اس سے خیر کی توقع نہیں اور اس کے شر سے میں محفوظ نہیں ہوں''۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ، سلمانؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ کو حکم دیا کہ وہ مسجد میں بآواز بلند اعلان کریں''

[1] سفینۃ البحار ۱/۱۹۲۔

ولا ایمان لمن لا یامن جوارہ بوائقہ ''جس کے شر سے ہمسایہ محفوظ نہ ہو وہ ایماندار نہیں ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''حدود ہمسائیگی چالیس گھروں تک ہے یعنی چالیس گھر سامنے، چالیس گھر پیچھے، چالیس گھر دائیں اور چالیس گھر بائیں تک ہمسائیگی کا دائرہ کار وسیع ہے۔[۱]

۵۔ چنگیز خان کا قانون:

چنگیز خان نے اپنے دور حکومت میں قانون بنادیا تھا کہ کوئی شخص سرعام جانور کو چھری سے ذبح نہ کرے اور جسے گوشت کھانا ہوتو وہ جانور کا گلہ گھونٹے یہاں تک کہ جانور مر جائے، اس قانون سے مسلمان بڑے پریشان ہوئے کیونکہ اسلام میں ایسا گوشت کھانا حرام ہے۔

ایک منگول کا گھر مسلمان کے گھر سے متصل تھا وہ منگول اس سے شدید نفرت کرتا تھا، ایک دن منگول نے اپنے مکان کی چھت سے دیکھا کہ اس کا مسلمان ہمسایہ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھ کر گوسفند ذبح کر رہا ہے، اس نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے قبیلہ کے چند افراد کو لیکر مسلمان کے گھر داخل ہو گیا اور اسے ذبح شدہ گوسفند اور چھری سمیت پکڑ کر چنگیز خان کے پاس لے گیا، اور چنگیز خان سے کہا کہ اس شخص نے آپ کے قانون کی مخالفت کی ہے لہذا اسے سزا ملنی چاہیے۔

چنگیز خان نے پوچھا کہ تم نے اسے کہاں ذبح کرتے ہوئے دیکھا؟

اس نے کہا کہ ہم نے اسے اپنے گھر میں ذبح کرتے ہوئے دیکھا۔

چنگیز خان نے کہا: ''جب یہ اپنے گھر میں گوسفند کو ذبح کر رہا تھا تو کیا تم اس وقت اس کے گھر میں بیٹھے تھے۔

انہوں نے کہا: ''نہیں میں نے اپنی چھت سے اسے گوسفند ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو اسے پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے''۔

چنگیز خان نے کہا کہ دو مرتبہ اپنے اس فقرے کو دہراؤ، اس نے دو مرتبہ اپنے فقرے کو دہرایا۔

چنگیز خان نے کہا کہ اس نے میرے حکم کی مکمل تعمیل کی ہے کیونکہ میں نے حکم دیا تھا کہ سرعام کوئی شخص ایسا نہ کرے اور اس شخص نے سرعام گوسفند ذبح نہیں کیا اور میرا کوئی قانون خدا کے قانون سے بالاتر نہیں ہے۔

پھر چنگیز خان نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے تا کہ اس کے بعد کسی کو دوسروں کے گھروں میں تانک جھانک کرنے کی جرات نہ ہو۔[۲]

---

[۱] اصول کافی، جلد دوم باب حق الجوارح ۷۔

[۲] خزینۃ الجواہر ۶۴۲۔

باب نمبر 98

ہم نشین

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ [۱]

اور جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں وسعت پیدا کرو تو وسعت پیدا کرو خدا تمہارے لئے وسعت پیدا کردے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"لا ينبغي للمومن ان يجلس مجلسا يعصى الله فيه ولا يقدر على تغيره" [۲]

ایسی محفل میں نہیں بیٹھنا چاہیے جس میں خدا کی نافرمانی ہو رہی ہو اور انسان اس محفل کو تبدیل نہ کرسکتا ہو۔

مختصر تشریح:

ہم نشینی کے انسان پر بہت سے اثرات مرتب ہوتے ہیں، مومن کو چاہیے کہ وہ جس محفل میں بیٹھے تو روبہ قبلہ ہو کر بیٹھے، اور اگر اس محفل میں کسی کی راز کی بات سنے تو اسے فاش نہیں کرنا چاہیے۔

انسان کو کسی ایسے شخص کی محفل میں بیٹھنا چاہیے جس کے دیکھنے سے انسان کو خدا یاد آتا ہو، انسان کو چاہیے کہ پست، جاہل اور دولت پرست انسانوں کی صحبت سے دوری اختیار کرے، البتہ فقراء اور غرباء کی صحبت سے دوری اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

انسان کو چاہیے کہ علم حاصل کرنے کے لئے علماء کی محفل میں بیٹھے تاکہ علمی مجالس کی وجہ سے نصیحت حاصل کرسکے اور ایسے شخص کے ساتھ ہم نشینی کا انتخاب کرے جس کے برے اثرات اس پر مرتب ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

۱۔ ناتجربہ کار ساتھی:

شیخ سعدی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بلخ اور ہرات کے درمیان تنگ گھاٹی میں مجھے سفر کرنے کا اتفاق ہوا، راستے محفوظ نہیں تھے، خونخوار رہزن مسافروں کی گھات میں رہتے تھے میں نے ایک نوجوان کو اپنا نگہبان مقرر کیا، یہ نوجوان بظاہر طاقتور اور

[۱] سورہ مجادلہ آیت نمبر ۱۱۔
[۲] اصول کافی ۲/۳۷۴۔

درست ہیکل تھا، دفاع کے لئے اس کے پاس سپر بھی موجود تھی اور تیر اندازی میں بھی مکمل ماہر تھا، وہ تیر اندازی میں دس پہلوانوں کا مقابلہ کرتا تھا، لیکن اس میں ایک عیب یہ تھا کہ وہ نازونعم کا پلا ہوا تھا، اوراس نے پہلے کبھی سفر نہیں کیا تھا، وہ آسائشات میں پلا ہوا تھا اور آج تک اس نے دلیروں کی طبل جنگ کی آوازیں نہیں سنی تھیں اور شمشیر بکف لوگوں کی چمکتیں تلواروں سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

اتفاقاً میں اور یہ جوان اکٹھے سفر کرتے رہے اور راستے میں جو بھی رکاوٹ آتی وہ دور کرتا رہا، اچانک دو رہزن ایک پتھر کے پیچھے سے اُٹھ کھڑے ہوئے وہ ہمارے سامنے آئے اور انہوں نے ہم سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا، ایک کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا اور دوسرے کے پاس کمان تھا۔

میں نے جوان سے کہا کہ بھائی کس چیز کا انتظار کر رہے ہو زورآزمائی کا وقت ہے ان سے ٹکرا جاؤ لیکن میں نے دیکھا کہ اس جوان کے ہاتھ سے تیر اور کمان گر گئی اور اس کے جسم پر لرزا طاری ہو گیا۔

معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ہمیں اپنی تمام اشیاء اُن ڈاکوں کے حوالے کرنی پڑیں اور بصد مشکل ہم اپنی جان بچا کر وہاں سے نکلے۔ [۱]

۲۔ ساتھی کا اثر:

نپولین بوناپارٹ (متوفی ۱۸۲۱ء) فرانس کا بادشاہ تھا، ایک دفعہ وہ پاگل کانے کے دورے پر گیا، وہاں اُس نے دیکھا کہ ایک پاگل شخص کو زنجیروں میں جکڑ کر دیوار کے ساتھ باندھا گیا تھا اُسے اس دیوانے کے اوپر بہت ترس آیا۔

اس نے اس پاگل خانے کے ڈاکٹر سے کہا کہ تم نے اس شخص کو کیوں باندھ رکھا ہے؟

اس ڈاکٹر نے جواب دیا کہ جناب یہ کہتا ہے کہ میں نپولین بوناپارٹ ہوں اس لئے میں نے اسے باندھا ہوا ہے، نپولین ہنسنے لگا اور نپولین نے کہا کہ خیر ہے کوئی بات نہیں اگر یہ پاگل کہہ بھی دے کہ یہ نپولین ہے تو میری شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس ڈاکٹر نے کہا کہ نہیں جناب میں اسے یہ بات نہیں کہنے دوں گا وہ اس لئے نپولین بوناپارٹ تو میں ہوں یہ کیوں ایسا دعویٰ کرتا ہے۔

نپولین اس کی یہ بات سن کر بہت زیادہ ہنسا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ پاگلوں کے ساتھ رہتے رہتے یہ ڈاکٹر بھی اب پاگل ہو گیا ہے۔ [۲]

۳۔ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز:

---

[۱] حکایتہای گلستان ص ۲۵۵۔

[۲] حکایتہای شنیدنی ۳/۵۵۔

مکہ کی ایک عورت بڑی شوخ طبیعت تھی وہ بہت زیادہ لطیفہ گوئی کرتی تھی اورلوگوں کو ہنسایا کرتی تھی، انہی خصوصیات کی حامل ایک عورت مدینہ میں بھی رہتی تھی۔

مکہ کی عورت مدینہ آئی اور اپنی ہم مزاج عورت کے ہاں مہمان ہوئی پھر وہ مکی عورت مدینہ کے قیام کے دوران بی بی عائشہؓ کے پاس گئی اور لطیفے سنا کر انہیں ہنسایا، بی بی عائشہ نے اس سے پوچھا کہ تم مدینہ میں کس کے پاس ٹھہری ہوئی ہو؟ اس عورت نے کہا کہ فلاں عورت کے پاس۔

بی بی عائشہ نے کہا کہ بے شک خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا وہ فرمایا کرتے تھے کہ انسانوں کے ارواح لشکر ہیں جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ [۱]

۴۔ فرعون اور ہامان:

ایک دفعہ فرعون اور ہامان مشاورت کے لئے بیٹھے، فرعون نے ہامان سے کہا کہ موسیٰؑ مجھ سے بڑے بڑے وعدے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں ایمان لے آیا تو میری حکومت بھی باقی رہے گی، میری دنیا بھی بہتر ہو جائے گی اور میری آخرت بھی سنور جائے گی، میں تم سے مشورہ لینا چاہتا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جیسے ہی ہامان نے فرعون کے منہ سے یہ باتیں سنیں تو زور زور سے رونے لگا اور اپنے دونوں ہاتوں سے اپنے چہرے کو پیٹنے لگا، اور اس نے کہا اے بزرگی رکھنے والے بادشاہ ایسی باتیں تیرے ذہن میں کیسے آ گئیں مجھے تو تجھ پر تعجب ہے کہ ایسے غلط خیالات تمہارے ذہن میں کیسے آ گئے، جب کہ اس وقت تمام دنیا تمہارے سامنے سرنگوں ہے مشرق ومغرب کے تمام رئیس آپ کی خدمت میں جزیہ پیش کرتے ہیں اور جہان کے بادشاہ آپ کی خاک پا پر اپنا منہ رکھتے ہیں وہ آپ کو اپنا معبود اور مقصود سمجھتے ہیں۔

اور اگر انہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ آپ سے رجوع کرتے ہیں، اگر آپ کو ہزار مرتبہ آگ میں جلایا جائے تو موسیٰ کی غلامی سے آپ کا جلنا بہتر ہے۔

اور اگر آپ نے موسیٰؑ کی غلامی اختیار کر لی تو غلام لوگ تیرے بادشاہ بن جائیں گے اور تیرے دشمنوں کی آنکھوں میں ٹھنڈک آ جائے گی، جب فرعون نے اپنے ساتھی ہامان کے منہ سے یہ مشورہ سنا تو وہ اپنے موقف پر قائم رہا۔

اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کسی بھی فرمان پر توجہ نہ دی اور نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب خداوندی میں مبتلا ہوا۔ [۲]

---

[۱] شنیدھای تاریخ ص ۶۲۔ محجۃ البیضاء ۳/۲۹۴۔

[۲] داستانھای مثنوی ۳/۸۴۔

۵۔ بدعقیدہ لوگوں سے میل جول نہ رکھیں:

ابوہاشم جعفری کہتے ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:''تو عبدالرحمن بن یعقوب کے ساتھ کیوں بیٹھتا ہے؟ میں نے تجھے اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا ہے''۔

میں نے جواب دیا:''وہ میرا رشتہ دار ہے اور وہ رشتے میں میرا ماموں لگتا ہے''۔

آپؑ نے فرمایا:''یہ سچ ہے کہ وہ تمہارا ماموں ہے لیکن وہ اللہ جل شانہ کو صفت جسمانیت کے ساتھ متصف کرتا ہے اور اللہ تعالی کی ایسی صفات بیان کرتا ہے جو اس کے مقام عظمت کے لائق نہیں ہیں تو یا تو اس کی صحبت چھوڑ دے یا پھر ہماری صحبت چھوڑ دے۔

ابوہاشم نے کہا:''آقا میں اس کا ہم عقیدہ وہم نوانہیں ہوں، کیا اس کے باوجود بھی میں گناہگار تصور ہوں گا؟''

آپؑ نے فرمایا: تم بھلا یہ سوچو کہ اگر اس کی بدعقیدگی کی وجہ سے کسی وقت اللہ کا عذاب آئے اور تو بھی اس کے ساتھ بیٹھا ہوا ہو تو کیا وہ عذاب تمہیں اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا؟ یقیناً اس صورت میں تو بھی عذاب کی لپیٹ میں آجائے گا''۔

پھر آپؑ نے فرمایا:''موسیٰ علیہ السلام کے ایک صحابی کا باپ فرعون کے ساتھ رہتا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رات کے وقت ہجرت فرمائی تو وہ صحابی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھا فرعون نے ان کا تعاقب کیا، دریائے قلزم نے باذن خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راستہ دیا، آپ بخیر و عافیت وہاں سے گزر گئے۔

آپؑ کے صحابی نے دل میں سوچا کہ اب بھی وقت ہے میں اپنے باپ پر تمام حجت کروں، یہ سوچ کر وہ آل فرعون کے لشکر میں آیا اور اپنے باپ سے کہنے لگا کہ ابا جان اب بھی وقت ہے ظالمین کی صحبت سے باز آجائیں اور موسیٰؑ وہارونؑ پر ایمان لے آؤ، باپ بیٹا بحث کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کا عذاب آپہنچا، تمام لوگ پانی میں غرق ہوگئے''، ایک مرتبہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ احدیت میں عرض کی:''خدایا! میرے فلاں صحابی کا کیا بنا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ میری رحمت میں ہے لیکن چونکہ عذاب کے وقت وہ ظالموں کے ساتھ تھا اسی لئے جب میرا عذاب آیا تو وہ بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔[1]

---

[1] اصول کافی جلد ۲ باب مجالسۃ اھل المعاصی جلد ۲۔

باب نمبر 99

یتیم

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالٰی ہوتا ہے:

فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ ؕ﴿۹﴾ [۱]

یتیم کومت جھڑکو۔

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"من کفل یتیما و کفل لفقتہ کنت انا وھو فی الجنۃ" [۲]

جو شخص یتیم کی کفالت کرے اور اس کے نان ونفقہ کا خیال کرے تو وہ شخص جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

مختصرتشریح:

ماں باپ سے محروم بچہ بندگان خدا کی محبت کا حقدار ہوتا ہے،یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا،اسے کھانا کھلانا،اسے لباس دینا،اور اسے خوش کرنا یہ سب ایسے اسباب ہیں جن سے مومنین یتیم کی پرورش کرسکتے ہیں۔

جنت میں ایک جگہ ایسی بھی ہے جس کا نام خوشحالی کا گھر ہے اور اس خوشحالی کے گھر میں وہی داخل ہوگا جس نے مومنین کے یتیموں کوخوشی دی ہوگی،اورجہنم میں خداوندتعالٰی نے ایک ایسی جگہ مقرر کی ہے جہاں اہل دوزخ کی دبر سے آگ نکل رہی ہوگی اور یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں یتیموں کا مال غصب کرکے کھایا ہوگا۔ [۳]

۱۔ یتیم پروری کا ثمر:

بیان کیا جاتا ہے کہ بصرہ کے اطراف میں ایک شخص فوت ہوگیا، وہ معصیت خداوندی کی شہرت رکھتا تھا، اور وہ اپنے

---

[۱] سورۃالضحٰی آیت نمبر ۹۔

[۲] سفینۃالبحار ۱/۷۳۱/۲۔

[۳] تفسیر معین ص ۱۲۔

گناہوں کی وجہ سے اتنا بدنام ہوا تھا کہ اس کے جنازے کو بھی کوئی کندھا دینے کے تیار نہ ہوا۔

اس کی بیوی نے مجبوراً چار مزدور مقرر کئے تا کہ اس کا جنازہ لیکر جنازہ گاہ لے جائیں، لیکن کسی نے وہاں اس کی نماز جنازہ تک نہ پڑھی اس کے جسم کو دفن کرنے کے لئے وہ شہر سے باہر لے گئے۔

اس علاقے میں ایک عابد وزاہد شخص رہتا تھا اور علاقے کے تمام لوگ اس کے صدق اور نیک نیتی کے قائل تھے۔

لوگوں نے دیکھا کہ زاہد اس کے جنازے کا منتظر ہے میت کو جیسے ہی زمین پر رکھا گیا وہ زاہد آیا اور کہا کہ جنازہ کے لئے تیار ہو جاؤ، وہاں تو کوئی موجود ہی نہیں تھا، لہٰذا اس زاہد نے اس کی تنہا نماز جنازہ ادا کی۔

زاہد کو دیکھ کر لوگ فوج درفوج آ کر اس کی نماز جنازہ پڑھنے لگے۔

زاہد سے پوچھا گیا کہ یہ شخص مشہور بدکار تھا، پورے شہر میں سے کسی نے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی آپ کو اس کی کیا ضرورت تھی؟

زاہد نے جواب دیا: ''مجھے خواب میں حکم ملا تھا کہ تم فلاں مقام پر جاؤ وہاں ایک جنازہ آئے گا اور اس کے ساتھ صرف ایک عورت ہوگی، اس کا جا کر نماز جنازہ پڑھو، اس کے گناہ رب العزت نے معاف کر دیئے ہیں''۔

زاہد نے اس شخص کی بیوی سے پوچھا: ''اس نے کونسا ایسا عمل کیا جو اس کی بخشش کا سبب بنا؟''

عورت نے کہا میرے شوہر کا زیادہ وقت برائی اور شراب نوشی میں صرف ہوتا تھا۔

زاہد نے پوچھا: تو کیا وہ کبھی نیک کام بھی کرتا تھا؟

عورت نے کہا: ''رات کو جب وہ ہوش وحواس میں آتا روتا تھا اور رو رو کر کہتا تھا بارالٰہا! تو مجھے دوزخ کے کونسے حصے میں ڈالے گا، جیسے ہی صبح ہوتی وہ اٹھ کر غسل کرتا، صاف لباس پہن کر نماز فجر ادا کرتا تھا، اور اس کا گھر دو یا تین یتیموں سے خالی نہ ہوتا تھا وہ اپنے بچوں سے بھی زیادہ یتیموں پر شفقت کرتا تھا''۔[۱]

۲۔ اسفندیار کیوں مغلوب ہوا؟

بیان کیا جاتا ہے کہ رستم بن زال جو کہ مشہور پہلوان تھا اس کی بادشاہ اسفندیار سے جنگ ہوئی تھی، رستم اگر چہ بہادر تھا لیکن اس کے باوجود وہ اسفندیار کو مغلوب نہ کر سکا۔

کئی دفعہ انہوں نے ایک دوسرے پر حملے کئے اور ہر مرتبہ رستم کو ہی شکست ہوئی، اسفندیار انتہائی قوی ہیکل شخص تھا اور رستم کے حملے اس پر کارگر نہیں ہوئے تھے۔

رستم نے اپنے والد زال سے اسفندیار کے متعلق مشورہ کیا، زال نے کہا کہ تم ایسا تیر بناؤ جس کے دوسرے ہوں اور اس

[۱] پند تاریخ ۱/۱۵۵۔ شجرہ طوبی ۲/ ۲۷۸۔

سے اسفند یار کی آنکھوں کا نشانہ لوتا کہ وہ نابینا ہوجائے، تو پھر تمہیں اس پر کامیابی ہوگی۔

رستم نے ایک درخت سے لکڑی کاٹی اور اس سے ایسا تیر تیار کیا جس کے دوسرے تھے، چنانچہ جیسے ہی رستم، اسفند یار کے مقابلے میں گیا تو اس نے اس تیر سے اس کی آنکھوں کا نشانہ لیا جس کی وجہ سے اسفند یار نابینا ہوگیا اور رستم کو فتح ہوئی۔

مورخین نے اس کے پس منظر میں یہ واقعہ نقل کیا کہ ایک دفعہ اسفند یار کو ایک یتیم بچے پر غصہ آیا اس نے اُسی درخت سے ایک لکڑی کاٹی اور اس لکڑی سے بچے کے سر پر اتنے وار کئے وہ بچہ نابینا ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے اس کا انتقام اس طریقے سے لیا کہ رستم نے اُسی درخت کی لکڑی سے تیر بنایا اور اُسی تیر کے ساتھ اسفند یار کو اندھا کر دیا، تو جیسا کوئی کرے گا تو اس کا انجام بھی اُسے ویسا ہی بھرنا ہوگا۔[۱]

۳۔ یتیم نوازی کی طرف توجہ:

ایک دفعہ ایک یتیم بچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ! میرا باپ دنیا سے رخصت ہو چکا ہے میری چھوٹی بہنیں اور بے آسرا ماں بھی ہے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جو کچھ عطا کیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی عطا کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ میرے تمام گھروں میں جاؤ اور تجھے وہاں سے جو غذا بھی ملے تو لے آؤ۔

حضرت بلالؓ رسول اللہ کی ہر زوجہ کے پاس گئے اور بڑی مشکل سے وہ اکیس دانے خرما کے لیکر آئے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ اکیس دانے اس بچے کو دیئے اور فرمایا کہ اس میں سے سات دانے تم خود کھانا، سات دانے اپنی ماں کو دینا اور باقی سات دانے اپنی بہنوں کو دینا۔ اسی اثناء میں رسول خداؐ کا ایک صحابی حضرت معاذؓ وہاں پر آیا اور اس نے بڑی شفقت سے اس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یتیمی سے نجات دے گا اور تجھے تیرے باپ کا جانشین مقرر کرے گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا: ''میں نے دیکھا ہے کہ تو نے اس یتیم بچے پر شفقت کی ہے یاد رکھو! جو بھی شخص شفقت سے یتیم بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بھی بال آئیں گے اللہ اس کے اتنے ہی گناہ معاف کر دیتا ہے، اور اُسے نیک جزا دیتا ہے اور اللہ یتیم پرور انسان کے مقام کو بلند کرتا ہے''۔[۲]

۴۔ پھوپھیوں کے متعلق سفارش:

راویت میں بیان کیا جاتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اٹھارہ بیٹے اور انیس بیٹیاں تھیں آپ کی شہادت کے وقت آپ کی

[۱] منتخب التواریخ ص ۸۱۵۔ روح البیان

[۲] داستانھا و پندھا ۱۶۰/۴۔ مجمع البیان ۵۰۴/۱۔

بیٹیاں کافی کم سن تھیں، اسی لئے بہت سی بچیوں کی شادیاں بھی نہیں ہوئی تھیں، لہذا انہیں مدد کی سخت ضرورت تھی۔ جب امام علی رضا علیہ السلام ایران تشریف لائے تو آپؑ نے اپنے فرزند حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو خط لکھا اور فرمایا: ''اے ابوجعفرؑ (امام محمد تقی کی کنیت) مجھے معلوم ہے کہ جب تم سوار ہوتے ہو تو غلام تجھے گھر کے چھوٹے دروازہ سے لے جاتے ہیں، یادرکھنا! یہ چیز بخل میں شمار ہوتی ہے، آئندہ تم کو چھوٹے دروازے سے نہیں گزرنا چاہیے اور جو میں تجھ پر حق رکھتا ہوں تو اس حق کے تحت میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ جب بھی گھر سے باہر نکلو تو گھر کے بڑے دروازے سے نکلو اور جب بھی گھر میں داخل ہو تو بڑے دروازے سے گھر میں داخل ہونا، اور جب گھر سے باہر نکلنا چاہو تو اپنے ساتھ سونے چاندی کے سکے رکھو، اور تجھ سے کوئی بھی مدد کی درخواست کرے تو اُس کی ضرور مدد کرنا، اگر تمہارے چچاؤں میں سے کوئی تجھ سے مدد کی درخواست کرے تو اُن کے ساتھ بھلائی کرنا اور انہیں کم از کم پچاس دینار ضرور دینا، اس کے علاوہ اپنی پھوپھیوں کا خیال ضرور کرنا اگر وہ تجھ سے مدد کی درخواست کریں تو اُن کو پچیس درہم سے کم ہرگز نہ دینا، میں یہ چاہتا ہوں کہ اس بخشش اور صلہ رحمی کی وجہ سے خدا تمہاری شان بلند کرے لہٰذا اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور تنگدستی سے تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے''۔ [۱]

۵۔ شہید کے یتیم:

۸ھ میں جنگ موتہ ہوئی تھی اور اس جنگ میں امیر المومنین علیہ السلام کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ شہید ہوئے تھے۔

حضرت جعفرؓ کے فرزند جناب عبداللہؓ بیان کرتے ہیں پیغمبر اکرمؐ ہمارے گھر تشریف لے آئے اور میری والدہ حضرت اسماء بنت عمیس کو میرے والد کی شہادت کی خبر دی۔ جناب عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ موقعہ اچھی طرح سے یاد ہے جب رسول خداؐ نے کس طرح سے میرے اور بھائی کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا تھا، آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپؐ اتنا روئے کہ آپ کی ریش اطہر آنسوؤں سے تر ہوگئی، اور مسلسل فرمارہے تھے اور دعا کررہے تھے کہ خدایا جعفر کو بہترین ثواب عطا فرما۔ اور اس کے گھر والوں کی حفاظت فرما، اس کے بعد آپؐ نے شفقت سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے ساتھ مسجد لے گئے، آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور مجھے ایک سیڑھی نیچے بٹھایا اور آپ کے چہرہ اطہر سے غم و اندوہ ٹپک رہا تھا، پھر آپؐ مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے۔ اس کے بعد گھر میں آپ نے حکم دیا کہ ہمارے لئے کھانا تیار کیا جائے، اور آپؐ نے میرے چھوٹے بھائی کو بھی وہاں طلب فرمایا، آپؐ نے مجھے اور میرے بھائی کو پاکیزہ غذا کھلائی، اس کے بعد آپؐ نے اپنی کنیز سلمٰی کو حکم دیا کہ کچھ جو کا آٹا تیار کرو، اس کے ساتھ روغن زیتون اور مرچوں کا سالن بنایا گیا، تین دن تک میری والدہ میرے والد کے غم میں مصروف رہیں اور ہم تین دن تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے کھانا کھاتے رہے، تین دن گزرنے کے بعد ہم اپنے گھر واپس آگئے۔ [۲]

---

[۱] نمونہ معارف ۲/۴۰۷ کافی ۴/۴۴۔

[۲] پیغمبر و یاران ۲/۱۷۸۔ اعیان الشیعہ ۱۶/۲۴۔

باب نمبر 100

یقین

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿٩٩﴾ [۱]

آپ اپنے رب کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کو یقین (موت) آجائے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اقل ما اوتیتم الیقین و عزیمة الصبر" [۲]

تمہیں یقین اور قوت صبر بہت قلیل ترین مقدار میں دی گئی ہے۔

مختصر تشریح:

انبیاء کرام کے درجات مختلف ہیں اور اُن درجات کے اختلاف کی وجہ مراتب یقین کا اختلاف ہے، جتنا جس کے یقین کا مرتبہ زیادہ تھا خداوند تعالیٰ نے اُس کو اتنا زیادہ درجات عطا کئے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلا کرتے تھے آپؐ نے فرمایا اگر حضرت عیسیٰ کا یقین اس سے بھی زیادہ ہوتا تو وہ ہواؤں میں پرواز کرتے۔

اہل ایمان بھی یقین کے حوالے سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، جس کا یقین زیادہ ہوگا اس میں اتنا زیادہ ہی صبر کی قوت ہوگی، اور ظاہر و باطن میں اطاعت خداوندی بجالائے گا اور جس کے یقین میں جتنی کمی ہوگی وہ اتنا ہی خداوند کی نافرمانی میں مشغول ہوتا جائے گا اور وہ لوگ جن میں یقین کی کمی ہوتی ہے اُن کے دل ہمیشہ اسباب دنیا سے وابستہ رہتے ہیں، اگر وہ کبھی عبادت بھی کریں تو اس میں بھی کوئی اثر نہیں ہوتا اور ایسے لوگ ہمیشہ زر و دولت اور منصب حاصل کرنے کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ [۳]

---

[۱] سورہ حجر آیت ۹۹۔

[۲] جامع السعادات ۱/۱۱۹۔

[۳] تذکرۃ الحقائق ص ۸۷۔

۱۔ ایک موٹے شخص کے موٹاپے کا علاج:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عادل بادشاہ بیمار ہوا اور اس بیماری کی وجہ سے اس کے موٹاپے میں اضافہ ہوگیا اور آخرکار وہ اتنا موٹا ہوگیا چلنے کے قابل بھی نہ رہا، اس کے وزیر اور مشیر ڈاکٹروں کو اس کے علاج کے لئے لائے، ڈاکٹروں اور طبیبوں نے اس کا بہت زیادہ علاج کیا لیکن اس کا موٹاپا ویسے کا ویسا ہی رہا۔

ایک دانا شخص کی نگاہ بادشاہ پر پڑی اور اس نے اس کی نبض ہاتھ میں پکڑی اور کہا کہ میں اس کا علاج کرسکتا ہوں، تمام وزیر مشیر خوش ہوئے اور کہا کہ بہتر ہے کہ اگر تم اس کا علاج کر سکتے ہو تو ضرور کرو، اس شخص نے دوبارہ بادشاہ کی نبض پکڑی اور کچھ دیر کے بعد کہا کہ مجھے دکھائی دیتا ہے کہ یہ سلطان چالیس دن تک مرجائے گا، پہلے میں اس کا علاج نہیں کرتا کیونکہ مجھے نوے فیصد یقین ہے کہ یہ مرجائے گا اور اگر بالفرض بادشاہ چالیس دنوں کے بعد زندہ رہا تو میں ضرور اس کا علاج کروں گا، سلطان نے جیسے ہی طبیب کی یہ بات سنی تو اس کے پورے وجود پر لرزا طاری ہوگیا اور موت کے خوف کی وجہ سے آہستہ آہستہ اُس کے وزن میں کمی ہوتی رہی یہاں تک کہ چالیس دن بھی مکمل ہوئے تو اس کا جسم بھی عام انسانوں کی طرح سے ہو چکا تھا۔

اس طبیب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ دیکھو بادشاہ سلامت زندہ ہیں اور تم نے یہ غلط پیشن گوئی کیوں کی تھی؟

اس نے کہا کہ بادشاہ کا علاج اور کسی بھی طریقے سے ممکن نہیں تھا اور جب میں نے انہیں موت سے خوفزدہ کیا جس کی وجہ بادشاہ کا موٹاپا خودبخود ختم ہوگیا اور آج بادشاہ بالکل صحیح وسلامت ہیں۔

جیسے ہی بادشاہ نے اس دانا شخص کی بات سنی تو اُسے بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔ [1]

۲۔ محمد بن بشیر حضری کا یقین:

شب عاشور بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے عرض کی: ''بھائی جان! کیا آپؑ کے اصحاب آپ کو تنہا تو نہیں چھوڑیں گے''۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''نہیں'' خدا کی قسم میں اُن کا امتحان لے چکا ہوں وہ شہادت کے خواہش مند ہیں اور اُن کو موت سے اتنی محبت ہے جتنی کہ ایک شیرخوار بچے کو ماں کے پستانوں سے ہوتی ہے۔

شب عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو خطبہ دیا اور ہر ایک صحابی سے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی بھی جانا چاہے تو جا سکتا ہے، لیکن آپ کے صحابہ نے جانے سے انکار کردیا، اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو جنت میں اُن کے مقامات دکھائے جس کی وجہ سے اُن کے یقین میں اتنا اضافہ ہوا کہ یوم عاشور انہیں نیزہ اور شمشیر کی وجہ سے انہیں درد کا احساس تک نہ ہوا۔

---

[1] سرمایہ سعادت ص ۲۴۔

شب عاشورہ ہی کا واقعہ ہے کہ امام علیہ السلام کے ایک ساتھ محمد بن بشیر حضری کو اطلاع ملی کہ اس کا بیٹا گرفتار ہو چکا ہے تو امام حسین علیہ السلام نے جیسے ہی یہ خبر سنی تو آپ نے اُسے بلایا اور فرمایا کہ محمد ابن بشیر! تمہارا بیٹا سرحدی علاقوں میں گرفتار ہو چکا ہے لہٰذا تمہاری گردن سے میں اپنی بیعت کا قلادہ اتارتا ہوں اور تم کربلا سے چلے جاؤ اور اپنے بیٹے کی رہائی کا انتظام کرو۔

جب محمد بن بشیر نے امام عالی مقام کا یہ کلام سنا تو کہنے لگا: ''خدا آپ پر رحمت کرے میں اپنی بیعت کبھی ختم نہیں کروں گا، میں اگر آپؑ کو چھوڑ کر جاؤں تو خدا کرے کہ جنگل کے درندے مجھے کھا جائیں، میں آپؑ سے دور جانا کبھی بھی پسند نہیں کرونگا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے پانچ قیمتی جوڑے اس کے حوالے کئے اور فرمایا کہ ٹھیک ہے اگر تم نہیں جانا چاہتے تو نہ جاؤ لیکن اپنے دوسرے بیٹے کو یہ جوڑے دے کر روانہ کرو تا کہ وہ انہیں فروخت کر کے اپنے بھائی کی رہائی کا بندوبست کرے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک جوڑے کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔

یہ محمد بن بشیر حملہ اولیٰ میں شہید ہو گیا۔[1]

۳۔ فردوسی متوفی (۱۴۱۱)

ابوالقاسم ایران کے مشہور رزمیہ شاعر گزرے ہیں، اُن کی مشہور کتاب شاہنامہ فارسی ادب کا عظیم شاہکار شمار ہوتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ طوس کے حاکم نے اس پر اتنے ظلم ڈھائے کہ وہ مجبور ہو کر غزنی چلے گئے، محمود غزنوی کے دربار میں جا کر شکایت کی لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

انہی دنوں اتفاقاً فردوسی، عنصری شاعر کی مجلس میں چلے گئے وہاں انہوں نے کچھ اشعار کہے اُن کو پسند آئے اور عنصری نے محمود غزنوی کے دربار میں اس کا تعارف کرایا اور محمود غزنوی نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم ملوک عجم کی تاریخ کو اشعار کی صورت میں قلم بند کرو، خواجہ حسین میمندی سے کہا کہ فردوسی کو ہر ہزار اشعار پر ایک ہزار متقال سونا دیا جائے۔

چنانچہ فردوسی نے شاہنامہ مرتب کیا اور شاہنامہ سلطان کی خدمت میں لایا گیا تو اُسے شاہنامہ کا انداز بہت پسند آیا۔

سلطان نے اپنے وزراء سے مشورہ کیا کہ اب فردوسی کو کتنا انعام دیا جانا چاہیے، بعض نے کہا کہ اُس آپ پچاس ہزار درہم دے دیں، لیکن بعض وزراء نے کہا کہ شیعہ اور رافضی ہے یہ رقم اس کے لئے بہت زیادہ ہے اور اس نے بعض ایسے اشعار بھی شاہنامہ میں لکھے ہیں جن سے اس کا تشیع ظاہر ہوتا ہے مثلاً

منم بندہ اهل بیت نبی
ستایندہ خاك پای وصی

چنانچہ سلطان نے حکم دیا کہ اسے ایک بیت کے عوض ایک درہم دیا جائے، ساٹھ ہزار بیت تھے لہٰذا اُسے ساٹھ ہزار درہم

[1] منتهی الامال ۳۴۰/۱۔

دیئے جائیں۔

جب فردوسی نے اتنا قلیل ترین انعام سنا تو اسے سخت غصہ آیا کہ اس نے دیکھا کہ اس کے تمام حقوق اس لئے ضائع ہو رہے کہ اس کا عقیدہ بادشاہ کے عقیدہ سے مختلف ہے اور اُسے شاہ ولایت سے محبت کی سزا دی گئی ہے، اُس نے پھر شاہنامہ میں یہ اشعار بھی ملحق کئے:

ایا شاہ محمود کشور گشای
زمین گرنترسی بترس ازخدای
نترسم که دارم زروشن دلی
بسل مهر آل نبی و ولی
برایں زادم و هر برایں بگذرم
اگر شه کند ریز ریز

(محمود بادشاہ! اگر تو مجھ سے نہیں ڈرتا تو خدا سے تو ڈر، آل نبیؐ اور ولی کی محبت پر مجھے کوئی خوف نہیں ہے، میں یہی عقیدہ لے کر پیدا ہوا تھا کہ میں مرتے دم تک رسول پاکؐ اور حیدر علیہ السلام کی ثنا خوانی کرتا رہوں گا، اگرچہ بادشاہ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردے تو میں پھر بھی رسول خدا اور علیؑ کا غلام ہی رہوں گا)

بیان کیا جاتا ہے کہ جب فردوسی کی وفات ہوئی تو اس وقت کے شیخ ابوالقاسم گورکانی نے فردوسی کے جنازے میں شرکت نہیں کی تھی، اور کہا تھا کہ میں اس لئے اس کے جنازے میں شریک نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنے شاہنامہ میں مجوسی حکمرانوں کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔

جیسے ہی فردوسی دفن ہوئے تو اسی رات شیخ ابوالقاسم گورکانی نے خواب میں دیکھا کہ فردوسی جنت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں، انہوں نے فردوسی سے پوچھا کہ تم نے تمام عمر ایران کے غیر مسلم حکمرانوں کی مدح وثناء کی تھی تمہیں یہ رتبہ کیسے مل گیا، فردوسی نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے توحید الٰہی کے متعلق ایک شعر کہا تھا جس کی وجہ سے خدا نے میرے تمام گناہ معاف کر دیئے اور مجھے جنت میں اعلیٰ رتبہ بھی عطا کیا۔ وہ شعر یہ ہے:

جهان را بلندی و پستی توئی
ندا نم چه ای هر چه هستی توئی

(پروردگار! اس جہاں کی بلندی بھی تو ہے اور پستی بھی تو ہے اور میں نہیں جانتا کہ تو ہے تو کیا ہے)[1]

[1] منتخب التواریخ ص ۱۰۳۔

۴۔ زیادہ یقین کا تقاضا:

عباسی خلیفہ مامون الرشید نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر انبیاء معصوم ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیوں کہا تھا ''رب ارنی کیف تحیی الموتی'' (سورۃ البقرہ ۲۶۰) پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے؟

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سنا تھا کہ جو بھی خدا کا خلیل ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر دعا سنے گا، حضرت ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ انہیں مقام خلت نصیب ہو، اپنے مقام خلت کو آزمانے کے لئے آپؑ نے پروردگار سے درخواست کی کہ خدایا! تو مجھے دکھا تو سہی کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ خدا نے فرمایا کہ کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: کیوں نہیں میں ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہوجائے۔

خدا نے فرمایا کہ چار پرندے لو اُن کو ذبح کرو، گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مخلوط کردو اور وہ مخلوط شدہ گوشت کے ٹکڑے پہاڑوں پر رکھ دو اور پھر انہیں اپنے پاس بلاؤ تو وہ تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے تیرے پاس آجائیں گے۔

ابراہیم علیہ السلام نے گدھ، مرغابی، مور اور مرغ کو ذبح کیا اور اس کے گوشت کو ریزہ ریزہ کیا اور تمام گوشت کو آپس میں ملا دیا، اور آپؑ نے دس پہاڑوں پر اس گوشت کے حصے کر کے رکھ دیئے، اور اُن کی چونچیں اپنے ہاتھ میں رکھ لیں پھر ایک ایک کو آواز دیتے، جیسے ہی آپؑ کسی کو آواز دیتے تو اس پرندے کے گوشت کے ٹکڑے دوسرے پرندوں کے گوشت سے امر خداوندی کے تحت جدا ہوتے، اور آکر اپنے سر سے مل جاتے اور اس کے بعد پرواز کرتے اور آب و دانہ کھاتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام خداوند سے یہ مطالبہ اپنے یقین میں اضافہ کے لئے کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُن کے علم کو شہود میں تبدیل کردیا تھا۔[1]

۵۔ حارثہ بن نعمان:

حارثہ بن نعمان کا تعلق انصار کے قبیلہ بنی خزرج سے تھا اور یہ پوری زندگی صاحب یقین رہے اور ان کا یقین کبھی بھی متزلزل نہیں ہوا، انہوں نے غزوہ بدر، احد اور دیگر غزوات کے علاوہ جنگ حنین میں بھی شرکت کی تھی اور جب دوسرے صحابہ میدان جنگ سے بھاگے تھے تو حارثہ اپنی جگہ پر قائم رہے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوئے تھے۔

جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تھا ''یقین کی چار شاخیں ہیں، روشن نگاہی، حقیقت رسی، عبرت اندوزی اور اگلوں طور طریقہ، چنانچہ جو دانش و آگہی حاصل کرے گا اس کے سامنے علم و عمل کی راہیں واضح ہوجائیں گے، جس کے لئے علم و عمل آشکار ہو جائے تو اسے عبرت سے آشنائی حاصل ہوگی اور جو عبرت سے آشنا ہوا تو وہ ایسا ہے کہ جیسے وہ پہلے لوگوں میں موجود رہا ہو'' حضرت حارثہ

---

[1] حیوۃ القلوب ۱/۱۳۰۔

بن نعمان بھی یقین کے اس درجے پر فائز تھے۔ [۱]

جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شادی حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ ہوئی تھی تو اس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ جاؤ اپنے لئے کوئی مکان تلاش کرو اور بعد میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کو لے جانا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''یا رسول اللہ! حارثہ بن نعمان کے مکان کے علاوہ تو مجھے کوئی اور مکان دکھائی نہیں دیتا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! یہ بات درست ہے مگر ہم حارثہ سے شرمندہ ہیں وہ اس لئے کہ انہوں نے ہمیں پہلے ہی بہت سے گھر رہنے کو دیئے ہوئے ہیں۔

جب یہ بات حارثہ بن نعمان تک پہنچی تو رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں اور میرا تمام ترکہ خدا اور رسول کی ملکیت ہے، خدا کی قسم آپؐ مجھ سے جو کچھ بھی طلب کریں گے تو مجھے بہت اچھا لگے گا، بہتر یہی ہے کہ آپ مجھ سے علیؑ اور بتولؑ کے لئے ایک گھر حاصل کریں''۔

چنانچہ انہوں نے ایک مکان دیا جس میں حضرت علیؑ و بتول علیہا السلام نے زندگی کی کچھ دن بسر کئے تھے۔

یہی حارثہ بن نعمان زندگی کے آخری ایام میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے، انہوں نے اپنے گھر اور مسجد کے درمیان ایک رسی باندھی اور روزانہ وہ رسی کے سہارے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد جاتے اور جا کر نماز ادا کرتے تھے، وہ گھر میں جس جگہ بھی ہوتے تھے تو اُن کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا موجود رہتا تھا اور جیسے ہی کوئی فقیر آ کر صدا دیتا تھا تو وہ رسی کا سہارا لیکر دروازہ پر جا کر اس فقیر کو کچھ کھجوریں عطا کیا کرتے تھے۔

گھر والوں نے اُن سے کہا کہ خدا آپؒ کی مغفرت کرے، آپ کیوں زحمت کرتے ہیں یہ کام ہم کر دیا کریں گے۔

انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا انہوں نے فرمایا تھا: ''جو انسان اپنے ہاتھ کے ساتھ فقیر کو کچھ دے گا تو خداوند کریم اُسے بُری موت سے نجات دے گا''۔ [۲]

''اللھم صل علی محمد وآل محمد'' تمت بالخیر''

[۱] نہج البلاغہ فیض الاسلام ص ۱۰۹۹۔

[۲] پیغمبر و یاران ۲/۲۰۴۔ الاصابہ ۱/۲۹۸۔